www.KitaboSunnat.com
تدوینِ
سیر و مغازی
حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com
www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تدوینِ سِیَر و مغازی

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰئِکَ يَرْجُوْنَ رَحْمَةَ اللّٰهِ

تدوینِ سیر و مغازی

اپنے موضوع پر پہلی اور منفرد کتاب جس میں پہلی صدی کے نصف آخر سے تیسری صدی تک کے علمائے سیر و مغازی اور اُن کی تصانیف کی تفصیل بیان کر کے علم حدیث کی اس خاص اور اہم نوع کے بارے میں اُن کی تصنیفی، تعلیمی اور روایاتی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مؤلفہ

قاضی اطہر مبارکپوری

تقدیم و تعارف

پروفیسر عبدالجبار شاکر

باشتراک

انسٹی ٹیوٹ آف سیرۃ اسٹڈیز

بیت الحکمت لاہور

دار النوادر الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور

۲۰۰۵ء

کتاب: تدوینِ سیَر و مغازی

مصنف: قاضی اطہر مبارکپوری

اہتمام: دارالنوادر، الحمد مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور

مطبع: قدوسیہ اسلامک پریس، لاہور

قیمت: ۲۰۰/ روپے

اُردو بازار، نزد ریڈیو پاکستان، کراچی۔
فون: 2212991-2629724

ترتیب

باب دوم

سیر ومغازی کا تحریری سرمایہ

باب سوم

تدوین سیر ومغازی کی ابتدا پہلی صدی کے نصف آخر میں

باب چہارم

مختلف شہروں کے علمائے سیر ومغازی اور مصنفین

باب پنجم

سیَر کی فقہی تدوین

❀❀❀❀❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

اسلامی ادبیات کے سدابہار موضوعات میں سے ایک سیرت نگاری ہے، جس کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہوا اور پھر اس کی ارتقائی منازل گزشتہ چودہ صدیوں میں مختلف موضوعات اور متنوع عناوین کے ساتھ ہزاروں کتب اور مخطوطات کی شکل میں سامنے آئیں۔ اس ذخیرۂ سیرت کی متعدد فہارس کئی زبانوں میں مرتب کی گئی ہیں، جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے سیرت کے اس تصنیفی اور تحقیقی میدان میں کیسے کیسے گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔ تاریخ وسوانح کے میدان میں حضرت محمد ﷺ کی ذات کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت ایسی دکھائی نہیں دیتی کہ جس کی ولادت سے وفات تک کے عرصۂ حیات کی ہمہ گیر تفصیلات کو اس کی تمام تر جزئیات کے ساتھ ایک تحقیقی مزاج اور جامع اسلوب میں پیش کیا گیا ہو یا پھر محفوظ رکھا گیا ہو۔ عالمی کتابیات کے مطالعے سے یہ حیرت انگیز انکشاف بھی ہوتا ہے کہ حضور ختمی مرتبت ﷺ کی سیرت وسوانح پر اگر ہزاروں کتابیں مسلمانوں نے اپنی محبت وعقیدت کے اظہار کے لیے لکھی ہیں تو مختلف زبانوں میں سیکڑوں ایسی کتب سیرت وسوانح بھی موجود ہیں جو غیر مسلموں بالخصوص مستشرقین نے ایک مخصوص معاندانہ روش کے تحت لکھی ہیں اور ان میں معدودے چند وہ بھی ہیں کہ جن کے ہاں انصاف اور غیر جانبداری کا رویہ دکھائی دیتا ہے۔ غیر مسلم سوانح نگاروں میں تقریباً ہر مذہب وملّت کے لوگ شامل ہیں۔ سیرت کا یہ ذخیرہ زیادہ تر نثر میں تحریر کیا گیا ہے۔ مگر ایک خاص تعدادِ کتب ایسی بھی ہے کہ جس میں یہ تذکرۂ سیرت شعر کے قالب میں ڈھل گیا ہے۔ آپ ﷺ کی مدح وتوصیف میں مختلف اصناف سخن میں نعتیہ شاعری کا ذخیرہ ایک الگ تذکرے کا محتاج ہے، جس کے مطالعے سے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ تاریخ میں آپ کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں کہ جس کی خدمت میں اس نوعیت کا خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہو۔ اس سعادت میں مسلمان شعرا کے ساتھ مختلف مذاہب کے غیر مسلم شعرا بھی دکھائی دیتے ہیں۔

ب

دنیا کے مختلف مذاہب کے رہنماؤں اور انبیاء علیہم السلام کی سیرت وسوانح کا مطالعہ کیا جائے تو ادھوری اور نامکمل معلومات کے باعث ان کے مطالعے سے ایک تشنگی اور بے اطمینانی محسوس ہوتی ہے۔ بعض حالات میں ان کے سوانح نگاروں نے ان کے گرد عقیدت کا جو ہالہ بن دیا ہے یا پھر حسن عقیدت کے جوش میں جو مبالغہ آمیز اور غیر فطری کوائف بیان کردیے ہیں، ان عناصر نے ان شخصیات کی سوانح میں ایک افسانہ وفسوں کی کیفیت پیدا کردی ہے۔ مغربی سوانح نگاروں اور یورپی مصنّفین نے ''سیرت'' کے لیے اپنے لٹریچر میں جو خاص اصطلاح وضع کی ہے وہ Hagiology یا Hagiography ہے جس کا مفہوم قریب قریب وہی ہے جو ہمارے ہاں ''سیرۃ الاولیا'' قصص الانبیاء یا بزرگانِ دین کے ملفوظات سے متعلق ہے۔ ان کے سوانحی ادب میں تشنگی کا باعث یہ ہے کہ ان کے پاس اپنے انبیاء ورسل کی پاکیزہ سیرتوں کا کوئی ذمہ دارانہ ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ ان کے اکابرین کی سیرتوں کا کوئی عملی نمونہ ان کی معاشرت یا نام لیواؤں میں آج دکھائی نہیں دیتا۔ جن مذاہب کے پاس ان کی الہامی کتابوں کے اصلی متون ان کی ابتدائی زبانوں میں محفوظ نہ رہے ہوں اور انہوں نے بڑی تگ ودو کے بعد سیکڑوں سال بعد مختلف راویوں کے ملفوظات کی مدد سے ایک نیا متن تیار کرنے کی کوشش کی ہو اور اس میں ان کا یہ اعتراف بھی شامل ہو کہ ان متون کے مختلف نمونوں کے درمیان لاتعداد تضادات موجود ہیں، ایسی اقوام ومذاہب سے اپنے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کی حفاظت اور اہتمام کا تقاضا یا مطالبہ عبث معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام موجودہ آسمانی مذاہب کے تمام سلاسل کے جدّ امجد ہیں، مگر ان کی پیغمبرانہ سیرت کے کوائف جمع کرنے کی بجائے محض ان کی سوانحی تفصیلات کی فراہمی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ایک سو بیس سالہ حیات کی متعدد تفصیلات اور نبوی کارنامے کی مختلف جہات یہودی لٹریچر میں فراموش کردی گئی ہیں۔ سیدنا مسیح علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کی محض تینتیس سالہ حیاتِ دنیوی اور نبوت کے کارنامے کی بہت سی جامع تفصیلات آج مسیحی لٹریچر میں موجود نہیں۔ جن مذاہب کے پیروکار اپنے انبیاء کی آزمائش وابتلا کے دوران ان کے لیے کوئی قربانی کا تاریخی ریکارڈ پیش کرنے سے قاصر ہوں، ان سے ان جلیل القدر پیغمبروں کی حیات اور

نبوی کارناموں کی تفصیل کی حفاظت کا تقاضا عبث دکھائی دیتا ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ وہ سیرت جیسے عظیم موضوع کو محض قصص الانبیاء، سیرۃ الاولیا یا Hagiography سمجھنے پر مجبور ہیں۔ یورپی لٹریچر کے مغربی مصنفین نے اپنے مذہبی اکابرین کے لیے زیادہ تر Life یا Biography جیسی اصطلاحات استعمال کی ہیں مگر یہ الفاظ و اصطلاحات بھی کسی شخصیت کے صرف سوانحی خدوخال کی پیش کش تک محدود ہیں۔ انبیاء و رسل علیہم السلام کے عظیم انسان دعوتی اور نبوی منصب کی تفصیلات کو ان محدود معنی کی حامل اصطلاحات میں پیش کرنے کی گنجائش بعید از قیاس اور محال ہے۔ صرف قرآنِ مجید کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان انبیائے کرام کی دعوت اور سیرت میں کیسے کیسے اور کیا کیا کمالات واوصاف موجود تھے۔

ارضی اور سماوی ادیان و مذاہب کے تمام اکابرین کی شخصیات کا مطالعہ کیجیے، آپ کو ان کے صرف سوانحی کوائف یا قدرے کچھ اخلاقی تعلیمات کا ایک غیر منضبط ڈھانچہ ملے گا جسے بعد کے آنے والے پیروکاروں نے اپنے ذہنی اجتہادات اور نفسانی اختراعات سے اس قدر بگاڑ دیا یا تبدیل کر دیا ہے کہ ان شخصیات کے حقیقی نمونۂ عمل کی کوئی مستند تصویر تشکیل دینا ممکن نہیں ہے۔ اس لحاظ سے ذرا برصغیر کے ارضی مذاہب بالخصوص ہندومت اور جین مت کی تمام مذہبی شخصیات پر ایک نگاہ دوڑائیں تو وہ مافوق الفطرت مظاہر کی مدعی اور طلسمات کا عجوبہ دکھائی دیتی ہیں۔ ہندو لٹریچر کے ان افسانوی کرداروں میں حیات انسانی کی اخلاقی اور روحانی بالیدگی کے لیے کوئی پیغام موجود نہیں۔ ہندو مذاہب کی تمام تر شکلیں اوہام و خرافات اور علم الاصنام کی بھول بھلیوں سے نکلنے کی نہ کل قدرت رکھتی تھیں، نہ آج ان کے پاس اس سے چھٹکارے کا کوئی شعور موجود ہے۔ بدھ مت کے پیروکاروں کا جائزہ لیجیے، گوتم بدھ سے بے پناہ عقیدت کے باوصف ان محبان گوتم نے ان کی شخصیت کے ہر پہلو کو مختلف مجسموں میں تراشنے کے باوجود ان کی تعلیمات کے مرکزی اور محوری نکات کو عملاً فراموش کر دیا۔ اہل فارس کی مذہبی تقدیر کا کرشمہ دیکھیے کہ ان کے پاس اپنی تصوراتی شخصیات کی خود وضع کردہ تعلیمات ناپید ہو چکی ہیں۔ ان کی مذہبی شخصیات بالخصوص زرتشت کے بارے میں ابھی تک اس بات کا تعین نہیں ہو سکا کہ یہ کسی ایک خاص شخصیت کا نام

ہے یا آتش پرستوں کے مختلف مذہبی رہنماؤں کا عرف یا لقب ہے۔ ایران کے ان مذہبی پیشواؤں اور موبدوں کے سوانحی کوائف کو جاننے کا اب واحد ذریعہ فردوسی کا شاہنامہ ہے۔ جس کے زور بیان نے ان شخصیات کو ایسا طلسماتی اعجاز عطا کر دیا ہے کہ ان کے مطالعہ سے شاعرانہ کمالات کا اعتراف تو ممکن ہے، مگر کسی درجے کی اخلاقی تعلیمات کا حصول ناممکنات میں سے ہے۔ ایرانی مذاہب کی صنعت کا آخری نمونہ آج بہائیت کی شکل میں موجود ہے۔ جن کے پیغامبر بہاء اللہ نے انیسویں صدی میں مختلف الواح اور مناجات کا ایک مجموعہ ''کتاب اقدس'' کی صورت میں پیش کیا۔ جس کے تراجم دنیا کی آٹھ سو زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ راقم کو اس کی اطلاع ہندوستان کے ایک حالیہ دورے کے دوران دہلی میں واقع بہائیت کی وہ ارضی جنت، جسے لوٹس ٹمپل کہتے ہیں، اس کے مشاہدے اور مصاحبے کے ذریعے ملی۔ یہ دلکش عمارت سیکڑوں ایکڑ سبزہ زار کے وسط میں کنول کے ایک پھول کی شکل میں تعمیر کی گئی ہے، جس کی سفید پتیوں کے مقابل نیلے رنگ کے پانی کے حسین تالاب بنائے گئے ہیں۔ اس طلسماتی ماحول میں گھری اس عبادت گاہ میں ہر مذہب کے لوگوں کو خاموش عبادت کے مواقع فراہم کیے جاتے ہیں۔ برصغیر اور ایرانی مذاہب کی طرح چین، جاپان، تبت، تائیوان، کوریا اور جنوبی ایشیاء کے مختلف علاقوں میں جو مذاہب پائے جاتے ہیں، جن میں بدھ مت کے علاوہ طاؤازم اور شنٹوازم اور کنفیوشش کی تعلیمات کا بہت شہرہ ہے۔ یہ سب بھی انسانی زندگی کی انفرادی تربیت اور معاشرے کی اجتماعی اصلاح کا کوئی مستقل دستور اپنے ہاں نہیں رکھتے۔ آسمانی مذاہب میں عیسائیت کو دیکھیے، اس میں مسیح علیہ السلام کی شخصی زندگی کے حوالے سے ان کے کردار میں عفو و درگزر، توکل و ایثار، تحمل و برداشت، صلح و آشتی اور انفرادی اخلاقی اصلاح کا ایک مدھم سا نقش تو ہمارے سامنے آتا ہے، مگر نفس انسانی کے جملہ عوارض کا علاج اور تمدنی زندگی کی معاشرتی اور اجتماعی اقدار و روایات کا کوئی نقشہ یا آئین و ریاست یا حکومت کا کوئی تذکرہ ان کے ہاں مفقود ہے۔ البتہ ملت یہود ابھی تک اپنی مخصوص سازشی فکر، تخریبی عمل اور دنیا بھر میں فتنہ و فساد کی خفیہ تنظیموں کی سرپرستی کے ذریعے یہودیت اور صہیونیت کی اقدار و روایات پر مبنی ایک مذہبی ریاست کی اولاً تشکیل اور ثانیاً اس کے

استحکام کے لیے صدیوں سے سرگرم عمل ہے۔ ۱۹۲۵ء میں اسرائیل میں قائم ہونے والی عبرینہ یونیورسٹی ان یہودی خوابوں کو تعبیر دے رہی ہے۔ مگر جیسا کہ ہم پہلے اختصار سے بیان کر چکے ہیں کہ یہودیوں کے پاس اپنے مذہبی افکار و تصورات کا ماخذ صرف تورات ہے، جس کی مکمل گمشدگی کی شہادت خود یہودی تاریخ میں تفصیلاً مذکور ہے۔ آج اس کے متن کی بازیافت تو کجا اس کی حقیقی زبان تک بھی محفوظ نہیں۔ صدیوں کے ارتقائی عمل کے نتیجے میں آج عہد نامہ عتیق یا قدیم کی شکل میں تورات کا متن یا اس کے تشریحی اور تفسیری نوٹس جو تالمود کی صورت میں ملتے ہیں۔ دنیا میں مذہبی عناد کے فروغ کا ایک مستقل وسیلہ ہیں۔ یہود کی تاریخ پر نظر رکھنے والے اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ ان تعلیمات کا موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے کارنامۂ نبوت کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ یہی باعث ہے کہ مستشرقین کی ایک بہت بڑی تعداد جو اسلام سے بالعموم اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بالخصوص ایک عناد اور مخاصمت رکھتی ہے، یہود کی نسل اور ذریت سے تعلق رکھتی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور نبوی مشن سے یہود کو اوّل روز سے اختلاف رہا جو عناد کی مختلف شکلیں اختیار کرتا رہا۔ اس عناد و مخاصمت کی ایک مستقل تاریخ ہے جس کا مسلمان مؤرخین، محدثین اور متکلمین نے ہر صدی میں مثبت اور مسکت جواب فراہم کیا ہے۔ ❶

دنیا کے تمام مذاہب و ادیان کا یہ مشترک مقصود رہا ہے کہ نفوسِ انسانی کی اصلاح و تزکیہ کے لیے کوئی منہج یا طریق کار پیش کیا جائے۔ اس غایت اور ضرورت کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ کسی ایک ایسی کامل ہستی سے ذہنی تعلق اور قلبی وابستگی اختیار کی جائے کہ جس کی تعلیمات یا نمونۂ عمل کی تقلید اور پیروی سے نفس کے تزکیہ و طہارت اور روح کی بالیدگی اور نشو و نما کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے تمام مذاہب میں عبادات کے مخصوص طریقے اور مراسم موجود ہیں۔ ان مخصوص عبادات، مراسم، تذکار اور ادعیہ کے نتیجے میں جس نوعیت کی اخلاقی یا روحانی تبدیلیاں اور تغیرات پیدا ہوتے ہیں، ان سب کا تقابلی مطالعہ دینیاتی ادب کا سب سے

---

❶ مستشرقین کی ان معاندانہ علمی سرگرمیوں سے آگاہی کے لیے ''بیت الحکمت'' کی جانب سے شائع ہونے والے پی ایچ ڈی کے اس تحقیقی مقالے کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، جسے ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی نے ''اسلام، پیغمبر اسلام، **اور** مستشرقین مغرب کا اندازِ فکر'' کے نام سے لکھا ہے۔

اہم اور دلچسپ موضوع ہے۔ اس موقع محل سے ایک عقلی استدلال ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ جب کسی دینی، مذہبی یا روحانی شخصیت کا حقیقی نمونہ، نقش اور تعلیم ہی محفوظ نہ ہو اور نہ اس کی کامل سیرت کا کوئی تحفظ کیا گیا ہو تو پھر آخر موجودہ عہد کے تمام مذاہب مقصود بالا یعنی تزکیہ نفس اور روحانی بالیدگی کے لیے جن مشقوں، اسباق، مراسم یا عبادات میں مصروف ہیں، ان کی اصل اور سچائی کے لیے ان کے پاس کیا شہادت موجود ہے۔ پھر ان کی مخصوص عبادات، اذکار یا تپسیا کے جو اثرات انفرادی یا اجتماعی سطح پر مرتب ہوتے ہیں، ان کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے کہ کیا واقعی جو ایمانی، اخلاقی یا روحانی تبدیلی فرد کی ذات اور معاشرے کی مجموعی اقدار و روایات میں پیدا ہونی چاہیے اس کا نقش فرد اور معاشرے میں دکھائی دیتا ہے۔ دینی، مذہبی اور اخلاقی حوالے سے یہ انسانی نفسیات کا سب سے دلچسپ مطالعہ ہے۔

کاروانِ نبوت و رسالت جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا، اس کی آخری منزل خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں قرار دی گئی۔ چھٹی صدی عیسوی کا یہ آخری مرحلہ تھا کہ غارِ حرا کے خلوت کدے میں نبوت و رسالت کا یہ آخری تاج آپ کے سر پر سجایا گیا۔ اسی موقع پر آپ کو اولیں وحی کا جو حصہ عطا کیا گیا اس میں علم اور قلم کا تذکرہ لائق توجہ ہے۔ عرب جنہیں اس سے قبل اپنے حافظے اور یادداشت پر بہت ناز تھا اور وہ استحضار کو اپنے لیے لائق فخر گردانتے تھے، امیّین کے اس گروہ کو قلم کی نعمت سے شناسا کیا گیا تو تہذیب انسانی کے ایک نئے اور نبوی زندگی کے آخری دور کا آغاز ہوا۔ حجاز میں عربی خط کا پہلا تجربہ بنو مخلّد بن نضر بن کنانہ کے خاندان میں ہوا۔ اس کے بعد مرامر بن مرہ، اسلم بن سورہ اور عامر بن جدرہ نے عربی تحریروں کے ابتدائی نمونے پیش کیے۔ ابن الندیم کو اعتراف ہے کہ اس نے عباسی خلیفہ مامون الرشید کے کتب خانے میں ایک ایسی دستاویز دیکھی جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب بن ہاشم نے لکھا تھا۔ یہ تحریر خالص کاروباری نوعیت کی ہے، اس کا متن ملاحظہ فرمائیے:

(حَقُّ عبدالمطلب بن هاشم مِنْ اَهْلِ مَكَّة عَلٰى فلان ابن فلان الحميرى مِنْ اهلِ وزَل صنعاً عليه الفُ درهم فِضة كيلاً

بالحَدیدَہ رَمتٰی دعاۃُ بِھَا اجابۃً شھدا اللّٰہ والملکان.)

''(یہ) عبدالمطلب بن ہاشم، جو اہل مکہ سے ہے، کا قرض فلاں بن فلاں شخص پر ہے جو (یمن میں) صنعا کا رہائشی ہے۔ یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں کہ جب طلب کیے جایں گے، وہ ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں۔''

نزول قرآنِ مجید سے قبل عربوں میں مختلف تحریروں اور دستاویزات کے معدودے چند نمونے ملتے ہیں، جنھیں الخط العربی کے مصنفین اور محققین نے ہمارے لیے فراہم کیا ہے، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ نزول قرآن کی برکت سے کاتبین وحی کا ایک مستقل دفتر قائم ہوگیا جن کے ہاتھوں نہ صرف قرآنِ مجید کی ایک سو چودہ سورتوں کی چھے ہزار سے زاید آیات لکھی گئیں، بلکہ رسول کریم ﷺ کے اقوال وارشادات، اعمال وافعال، مختلف علاقوں کے سلاطین وملوک کے نام خطوط، اسلامی ریاست کا اوّلیں آئین یعنی میثاقِ مدینہ جس کی چون دفعات تاریخ انسانی کے ایک نمائندہ دستور کا نقشہ پیش کرتی ہیں، معاہدات، حکم نامے، امان نامے، ہبہ نامے، مردم شماری، خطبات بالخصوص خطبہ حجۃ الوداع جس کی ۴۷ دفعات اپنی ۱۷ توضیحات کے ساتھ حقوق انسانی کی سب سے بڑی دستاویز کا درجہ رکھتی ہیں اور متعدد دوسری نوعیت کی تحریریں آپ کی حیات طیبہ میں لکھی گئیں۔ مختلف صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کے جو فرامین، اقوال اور احادیث لکھ کر محفوظ کر رکھی تھیں ان کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق چالیس ہزار سے متجاوز ہے۔ انھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں قرآنِ مجید کا متن لکھا گیا۔ اس کتاب مبین کے حفاظ کی تعداد بھی عہد رسالت میں ہزاروں سے متجاوز تھی۔ ان حضرات کی تربیت وتزکیہ کا یہ کمال ایک عجیب صورت میں سامنے آتا ہے کہ جمعِ قرآن کے موقع پر ایک ایسا عدیم النظیر اجماع وجود میں آتا ہے کہ جس کی مثال تاریخ انسانی میں اس سے قبل کسی مذہبی یا الہامی نوشتے میں دکھائی نہیں دیتی۔ آپ کی شخصیت اس قرآن مجید کے اوّلیں مفسر اور شارح کی بھی ہے۔ اس اعتبار سے صحابہ کی جماعت دین وشریعت کے تمام احکام ومسائل کو سیکھنے اور عمل کرنے کے ساتھ ساتھ لکھ بھی رہی تھی۔ وہ نہ صرف اپنے پیغمبر ﷺ کی دعوت اور سیرت کو محفوظ کر رہے

تھے، بلکہ اپنی عملی زندگی میں اس کا انجذاب اور نقش بھی پیدا کر رہے تھے۔ اس کائنات کی سب سے عظیم، جامع اور مکمل سیرت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ محدّثین نے ہزاروں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرتیں بھی محفوظ کرلیں۔ تاریخ انسانی میں یہ بڑا تجربہ بھی پہلی مرتبہ ہوا کہ ایک بڑی مرکزی شخصیت کے ساتھ اس کے پیروکاروں کی شخصیات کی بھی تمام سوانحی تفصیلات کو جمع کرلیا گیا۔

تاریخ علوم انسانی میں حدیث اگر ایک منفرد اور ممتاز علم ہے تو اس کی انفرادیت، امتیاز، ثقاہت، حجیت اور قطعیت کا باعث وہ علوم وفنون بھی ہیں جو اس علم کی استنادی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لیے وجود میں لائے گئے۔ اس بات کی شہادت تو دین اسلام کے مخالف محققین اور مستشرقین بھی دیتے ہیں کہ علم الحدیث کی ثقاہت وحفاظت کے لیے روایت، درایت اور جرح و تعدیل کے جو پیمانے وضع کیے گئے، وہ نہ تو اس سے قبل کبھی اختیار کیے گئے اور نہ ہی اس کے بعد ان جیسا کوئی پیمانۂ علم اور معیار صداقت اپنایا گیا۔ ایسے علوم الحدیث میں اسماء الرجال بالخصوص قابل ذکر اور لائق مطالعہ ہے۔ جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر نے ''الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' کو ایڈٹ کرتے ہوئے ۱۸۸۶ء کی طباعت میں اپنے معروف مقدمے میں یہ سطور بھی قلم بند کی ہیں:

> ''دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری اور نہ آج کہیں موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم المرتبت فن ایجاد کیا ہو، جس کے باعث پانچ لاکھ مسلمانوں کے احوال معلوم ہوسکتے ہیں۔'' (الاصابہ نسخہ مطبوعہ کلکتہ)

اسماء الرجال ہر چند حدیث کے راویوں کی سوانح اور سیرت وکردار سے متعلق ہے۔ مگر یہی راویات حدیث اور تذکرہ نگار سیرتِ پیغمبر اور اسوۂ رسول کے حقائق و واقعات بھی فراہم کرتے ہیں۔ ان روایاتِ حدیث کے سوانحی کوائف، سیرت وکردار، فضائل وخصائل اور تراجم واحوال کی تفصیلات اور جزئیات فراہم کرنا فن اسماء الرجال کا دائرہ کار ہے۔ جس طرح اسماء الرجال کے بغیر فہم حدیث ممکن نہیں بعینہ اس علم کے گہرے اور سنجیدہ مطالعے کے بغیر پیغمبر اسلام ﷺ کی سیرت وسوانح پر قلم اٹھانا اور بھی مشکل تر ہے۔ ان راویوں کے حالات سے ان کی سیرت وکردار

کے بارے میں گہری تحقیق وتفتیش کا سراغ ملتا ہے۔ اسماء الرجال کے ساتھ جب ہم درایت سیرت کے دوسرے پہلوؤں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو سیرت رسول کے بیان کی شوکت وعظمت کا حقیقی احساس ہوتا ہے۔ یہ بات بالیقین اور بڑے اعتماد سے کہی جاسکتی ہے کہ اس اسلوب اور پیمانے سے تاریخ انسانی کی کسی دوسری شخصیت کے احوال سیرت کا نہ تو جائزہ لیا گیا ہے اور نہ آج اس کے کوئی علمی اور تاریخی وسائل مہیا ہیں کہ کسی دوسری شخصیت کے احوالِ سیرت کو اس اسلوب اور پیرائے میں بیان کیا جاسکے، اس موقع پر اسماء الرجال کی کتب اور مصنفین کا تفصیلی جائزہ تو ممکن نہیں، البتہ مناسب اختصار کے ساتھ چند مستند معلومات درج کی جاتی ہیں۔

اسماء الرجال کے فن کی اساس خود قرآنِ مجید میں موجود ہے۔ سورۂ احقاف کی اس آیت مبارکہ کا اس حوالے سے جائزہ لیجیے:

﴿قُلْ اَرَءَ یْتُمْ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِی مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ اِئْتُوْنِی بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِیْنَ ۝﴾ [الاحقاف: ٤]

”اے نبی، ان سے کہو، کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا بھی کہ وہ ہستیاں ہیں کیا جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے یا آسمانوں کی تخلیق وتدبیر میں، ان کا کیا حصہ ہے۔ اس سے پہلے آئی ہوئی کوئی کتاب یا علم کا کوئی بقیہ (ان عقاید کے ثبوت میں) تمہارے پاس موجود ہو تو وہی لے آؤ، اگر تم سچے ہو۔“

اس آیت کریمہ سے صریحاً یہ بات نکلتی ہے کہ ادیان سابقہ کو جن صحائف آسمانی کی نعمت اور ہدایت سے نوازا گیا تھا، وہ ان کے پاس اولاً تو موجود اور محفوظ ہی نہیں تھے اور اگر کوئی ٹکڑا یا اقتباس صحیح متن یا مفہوم کی صورت میں موجود ہے تو وہ قرآنِ مجید کی آیات اور ان میں موجود تعلیمات کی تصدیق کرے گا۔ رسول کریم ﷺ سے بسا اوقات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بعض دوسرے صحابہ کے بارے میں رائے معلوم کی تو آپ نے اس ضمن میں جو رہنمائی کی

ر

اسے بھی ہم اسماء الرجال کے فن کی ایک محکم اساس قرار دے سکتے ہیں۔اس سلسلے میں بیسیوں روایات موجود ہیں، مگر اس فن کے حوالے سے صرف ایک روایت کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی۔ وہ دوسری شادی کے سلسلے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور ابوجہم رضی اللہ عنہ نے مجھے نکاح کا پیغام بھجوایا ہے۔ آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ میں اس سلسلے میں کیا طرزِ عمل اختیار کروں۔ اس استفسار پر آپ نے جواب دیا کہ:

''ابوجہم عورتوں کو مارنے والا ہے اور معاویہ ایک غریب اور تنگ دست آدمی ہے، اس کے پاس مال نہیں ہے۔'' [مشکوٰۃ المصابیح: ۹۸۸/۲]

اس طرح کی بہت سی احادیث ملتی ہیں، جن میں آپ نے مختلف افراد کے بارے میں رائے دی ہے۔ عربوں میں انساب کا علم اسلام سے قبل بھی موجود تھا اور بہت سے لوگ اس میں تخصص اور رسوخ رکھتے تھے۔ قبولیت اسلام کے بعد انہوں نے اس علمی روایت سے کما حقہ استفادہ کیا ہے۔ محدّثین نے بھی اسماء الرجال کی انہی ثقہ معلومات کے باعث لاکھوں احادیث اور ہزاروں راویوں کی موجودگی میں ہزاروں احادیث اور چند سو راویوں کے کڑے انتخاب سے اپنے مجموعوں کو پیش کیا ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے جب اپنی ''صحیح'' کو مرتب کرنا شروع کیا تو انہوں نے روایت و درایت کے متعیّنہ پیمانوں کے پیش نظر ایک لاکھ زبانی یاد احادیث میں سے صرف ۲۶۰۲...... احادیث کا انتخاب کیا۔ ان احادیث کے تیس ہزار ثقہ راویوں میں سے صرف دو ہزار کے حوالے سے روایات درج کی ہیں جن کے سماع اور اتصال سند کے حوالے سے انہیں کسی نوعیت کا شبہ نہیں تھا۔ تمام محدثین اسماء الرجال کے فن سے شناسا تھے مگر ان میں سے بعض تو درجۂ کمال پر فائز دکھائی دیتے ہیں۔ ذیل میں ہم اسماء الرجال، طبقات، تاریخ اور کتب الجرحْ والتعدیل کے حوالے سے چند مستند کتابوں کے نام اور مصنفین کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) ''طبقات ابن سعد'' از محمد بن سعد بن منیع البصری (م ۲۳۰ھ) نو جلدوں پر مشتمل اس کتاب کی پہلی جلد سیرت نبوی پر مشتمل ہے۔ اس اہم کتاب کی پہلی تدوین و طباعت

مستشرقین کے ہاتھوں انجام پائی۔

(۲) ''کتاب العلل'' از علی بن المدینی (م۲۳۴ھ) اس میں رجال پر بحث ملتی ہے۔

(۳) ''کتاب العلل ومعرفۃ الرجال'' از امام احمد بن حنبل (م۲۴۱ھ) اس میں رجال پر بحث ملتی ہے۔

(۴) ''تاریخ یحییٰ ابن معین'' از ابوزکریا یحییٰ ابن معین (م۲۳۳ھ)، اسی کتاب کا نام ''التاریخ والعلل'' بھی ہے۔

(۵) ''التاریخ الکبیر''، ''التاریخ الاوسط'' اور ''التاریخ الصغیر'' ان تینوں کتاب کے مرتب امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم البخاریؒ (م۲۵۶ھ) ہیں۔ یہ کتب برصغیر اور عرب ممالک میں کئی اداروں سے شائع ہوچکی ہیں۔

(۶) ''الکنیٰ والاسماء'' از امام مسلم بن الحجاج (م۲۶۱ھ) دراسۃ وتحقیق، عبدالرحیم محمد احمد القسقری الجامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ

(۷) ''کتاب العلل'' از امام ترمذی (م۲۷۹ھ)

(۸) ''کتاب الضعفاء والمتروکین'' از امام نسائی (م۳۰۳ھ)

(۹) ''کتاب الجرح والتعدیل''، ''کتاب الکنیٰ'' اور ''کتاب المراسیل'' از ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (م۳۲۷ھ) اس میں اوّل الذکر کا مقدمہ لائق اعتنا ہے۔

(۱۰) ''تاریخ الثقات'' از ابوالحسن احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی (م۲۶۱ھ)

(۱۱) ''کتاب الثقات'' از حافظ محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم البستی (م۳۵۴ھ)

(۱۲) ''الکمال فی اسماء الرجال'' از عبدالغنی مقدسی (م۴۰۹ھ)

(۱۳) ''معرفۃ الصحابہ'' از حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحٰق اصبہانی (م۴۳۰ھ)

(۱۴) ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' از ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر النمری (م۴۶۳ھ)

(۱۵) ''کتاب الضعفاء والمتروکین'' از ابوالفرج عبدالرحمٰن بن ابوالحسن ابن الجوزی (م۵۹۷ھ)

(۱۶) ''اسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ'' از عز الدین ابو الحسن علی بن محمد بن عبدالکریم بن الواحد الشیبانی (م ۶۳۰ھ)

(۱۷)'' تہذیب الکمال فی اسماء الرجال'' از ابو الحجاج جمال الدین یوسف از کی مزّی (م ۷۴۲ھ)

(۱۸) ''تہذیب الاسماء واللغات'' از امام نووی (م ۶۷٦ھ)

(۱۹) ''اکمال تہذیب الکمال'' از ابو عبداللہ علاؤ الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحکری (م ۷۶۲ھ)

(۲۰) ''تاریخ بغداد'' حافظ ابی بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ)

المختصر المحتاج الیہ من تاریخ ابن الدبیثی (م ۶۳۷ھ) اختصرہ، امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ابن قائماز الذہبی (م ۷۴۸ھ)، ''ذیل تاریخ بغداد'' از ابن النجار البغدادی (م ۶۴۳ھ)، ''المستفاد من ذیل تاریخ بغداد'' از ابن الدمیاطی (م ۷۴۹ھ)، ''فہارس تاریخ بغداد'' دراسۃ وتحقیق، مصطفیٰ عبدالقادر عطاء، دارلکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۷ھ، (یہ سب کتب مذکور ۲۴ جلدوں میں ہیں۔)

(۲۱) ''تذکرۃ الحفاظ'' از شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز الذہبی (م ۷۴۸ھ)

(عربی زبان کی اس کتاب کا لاہور سے اردو میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔)

(۲۲)'' تجرید اسماء الصحابہ'' از حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد ذہبی (م ۷۴۸ھ)

(۲۳)'' میزان الاعتدال فی نقد الرجال'' از ابو عبداللہ محمد بن احمد الذہبی (م ۷۴۸ھ)، اس کتاب میں ۱۰۹۰۷ جھوٹے، متہم بالکذب، وضاع اور ضعیف راویوں کے حالات درج ہیں۔

(۲۴)'' الاصابہ فی تمیز الصحابہ'' از شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

دس جلدوں میں حیدر آباد دکن سے اور اب دارالمعرفہ بیروت سے چھ جلدوں میں محقق

ایڈیشن شائع ہوا ہے۔

(۲۵) ''تہذیب التہذیب'' از ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

(۲۶) ''تقریب التہذیب'' از ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) یہ ''تہذیب التہذیب'' کا اختصار ہے۔

(۲۷) ''تعجیل المنفعہ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ'' از ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)

(۲۸) ''لسان المیزان'' از حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ)۔ علامہ ذہبی کی ''میزان الاعتدال'' پر ابن حجر کے اضافات ہیں۔ ۱۳۳۱ھ میں ۷ جلدوں میں حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ اب عرب ممالک میں بھی شائع ہو رہی ہے۔

(۲۹) ''طبقات الحفاظ'' از ابو الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر السیوطی (م ۹۱۱ھ)

(۳۰) ''سیر اعلام النبلاء'' از الامام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م ۷۴۸ھ)
یہ ضخیم تذکرہ الدکتور بشار عوّاد معروف، الدکتور محی ہلال السرحان۔ شعیب الارنووط اور حسین الأسد وغیرہ کی تحقیق اور تخریج کے ساتھ ۲۴ جلدوں میں مؤسسہ الرسالہ بیروت سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(۳۱) ''المغنی فی ضبط الرجال'' از محمد طاہر پٹنی (م ۹۸۶ھ)

اسماء الرجال کے فن اور منہج پر مشتمل یہ تذکرے، ان ہزاروں راویوں کے سوانحی کوائف اور اخلاقی طرز عمل کو سامنے لاتے ہیں، جنہوں نے احادیث اور سیر و مغازی کے واقعات کو پیش کیا ہے۔ حدیث ہو یا سیر یا تاریخ مسلمانوں نے ان واقعات کو بیان کرنے والوں کے لیے یہ لازم قرار دیا ہے کہ ان میں سے پہلا راوی خود اس واقعہ میں شریک رہا ہو یا اس نے براہِ راست اس کا مشاہدہ کیا ہو یا پھر اس نے خود اس بات کی سماعت کی ہو۔ اور اگر وہ خود شریک واقعہ نہیں تو اسے اس واقعہ کو بیان کرنے والوں کی مکمل ترتیب معلوم ہو اور وہ ان راویوں کے اخلاق اور مزاج سے پوری واقفیت رکھتا ہو۔ ان راویوں کے حالات و کوائف، ان کے سیرت و کردار، ان کی ذہنی اور قلبی کیفیات ان کے حفظ و استحضار کی استعداد، ان کی فہم و فراست کی سطح ان کا علمی اور عملی درجہ، ان کی

خاندانی اور معاشرتی شہرت، ان کے معاملات اور چال چلن کی ضمانت الغرض ان کی شخصیت اور خاندان سے متعلق ہر پہلو اور ہر زاویے سے جو تحقیقات سامنے آئیں وہ ان اسماء الرجال کی کتب کے ہزاروں صفحات کی زینت ہیں۔ اس عظیم الشان اسماء الرجال کے علم نے مسلمانوں کے سرمایہ حدیث و سیرت اور تاریخی لوازمے کو ایک اعتبار، اعتماد اور ثقاہت کا رنگ بخشا ہے۔ ان راویوں کے سوانحی کوائف کو جمع کرنے میں جو رحلات درپیش رہے، سفر و اسفار کی جو صعوبتیں اٹھانا پڑیں اور جن جان جوکھوں سے کام لینا پڑا...... یہ اعصاب شکن تحقیق و تفتیش انسانیت کا سب سے قیمتی علمی ورثہ ہے۔ پیش نظر رہے کہ یہ عظیم کام بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں تھا، بلکہ ایک عظیم مقصود کے حصول کا ذریعہ تھا۔ اور وہ مقصود اس کے علاوہ کچھ اور نہ تھا کہ ہدایت کے دونوں سرچشمے یعنی کتاب و سنت ہر اعتبار سے محفوظ و مامون ہو جائیں۔ ایسی علمی اور تحقیقی تگ و دو اقوام عالم کے کسی دوسرے زمان و مکان میں دکھائی نہیں دیتی۔

اس وقت ہمارے پیش نظر فن سیر و مغازی کی ابتدا اور ارتقا سے بحث کرنا ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کی شخصیت میں دلآویزی اور آپ کے پاکیزہ کردار کے باعث مکہ کے باسی نبوت سے قبل بھی آپ کا احترام و اکرام کرتے تھے۔ بعثت نبوی کے اعلان کے ساتھ ہی اس ماحول میں دو طبقات پیدا ہو گئے، ایک وہ جو دل و جان سے اس پیغام کے فریفتہ تھے اور اپنی ایمانی اور اخلاقی تربیت کے باعث ہر قسم کی قربانیاں پیش کر رہے تھے۔ ان کا اپنے نبی اور رسول سے تعلق ایک مثالی عقیدت و محبت میں ڈھلا دکھائی دیتا ہے۔ حتی کہ وہ آپ کے اعضائے مبارک سے وضو کا استعمال شدہ پانی بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے تھے۔ دوسری طرف اہل مکہ اور دیارِ عرب کے وہ لوگ تھے جو نہ صرف آپ کے پیغام سے مخاصمت رکھتے تھے، بلکہ آپ کی ذات سے بھی عداوت اختیار کیے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ وہ آپ کی جان کے دشمن ہو چکے تھے۔ بیت اللہ کا مطاف اور طائف کی وادیاں ان معاندانہ اور منتقمانہ سرگرمیوں کے گواہ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا وہ پاکیزہ گروہ آپ کی تعلیم اور ہدایت کے ایک ایک پہلو کو اپنے عمل کے قالب میں سمو رہا تھا۔ وہ اپنے نفوسِ امارہ کے تزکیہ کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔ حلال و حرام کے پیمانوں کو انہوں

نے خوب سمجھ لیا تھا۔ دور جاہلیت کی تمام رسوم اور بدعات کو انہوں نے شعوری طور پر ترک کر دیا تھا۔ ان سب باتوں سے بڑھ کر حضور نبی کریم ﷺ سے ان کی محبت وعقیدت کا عالم دیدنی تھا۔ محبت وعقیدت کی اس شہادت سے تاریخ سیرت کے اوراق بھرے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم سیرت نبوی کے چلتے پھرتے نمونے تھے۔ انہوں نے اپنے پیغمبر کے اسوہ اور شخصیت سے تعلق رکھنے والی ہر بات کو حرزِ جاں بنا رکھا تھا۔ آپ سے محبت وعقیدت کے ان فدا کاروں نے اس ذخیرۂ سیرت کو اپنایا بھی، بیان بھی کیا اور بعض صورتوں میں ضبطِ تحریر میں بھی لائے، جس کی سیکڑوں مستند مثالیں ہمارے سامنے موجود ہیں۔ محبت ومخالفت کے ان دونوں رویوں کا مستند ریکارڈ ہمارے سامنے بیسیوں شکلوں میں موجود ہے۔

سیرت نگاری کا آغاز پہلی صدی ہجری میں متنوع شکلوں میں محفوظ ہونے لگا۔ کتابیات سیرت کی بیس سے زیادہ کتابوں کو ایک نظر دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین ومقالات سپرد قلم ہو چکے ہیں۔ ادبیات سیرت کا یہ وہ سدا بہار موضوع ہے کہ اس کی خوشبو اور تازگی سے مشام جاں صدیوں سے عطر بیز ہے۔ اس لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ تاریخ انسانی میں آپ کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس کی حیات اور خدمات اور پیغام پر اس قدر مفصل، جامع اور مستند لوازمہ موجود ہو۔ سیرت نگاری خود ایک مستقل فن ہے، اگر صرف مصادرِ سیرت اور متعلقاتِ سیرت کا احاطہ کرنا ہو تو اس کے لیے الگ سے کئی دفتر تیار ہو سکتے ہیں اور بالفعل ہوئے ہیں۔ سیرت نبوی کے مراجع، منابع ماخذ اور سرچشموں پر نگاہ ڈالی جائے تو درج ذیل علوم وفنون سامنے آتے ہیں:

1. قرآنِ مجید
2. کتب احادیث
3. دستاویزات سیرت، معاہدات، خطبات، مکاتیب، امان نامے، ہبہ نامے، مردم شماری، سرکاری ہدایات اور مراسلے۔
4. کتب سیر ومغازی

۵ کتب تاریخ

۶ کتب تفاسیر

۷ کتب شمائل نبوی

۸ کتب دلائل نبوی

۹ کتب آثار واخبار

۱۰ کتب انساب

۱۱ کتب جغرافیہ عرب

۱۲ کتب ثقافت عرب

۱۳ کتب تاریخ الحرمین الشریفین

۱۴ کتب اسماء الرجال

۱۵ عربی ادبیات

۱۶ اطلس وخرائط اور اماکنِ سیرت کی تصاویر

۱۷ حرمین کے سفرنامے

۱۸ کتب نعت رسول مقبول ﷺ

سیرت نبوی کے ان تمام مراجع اور مصادر کی اپنے اپنے مقام پر ایک خاص اہمیت ہے مگر ان سب میں جو شرف، فضیلت اور ثقاہت قرآنِ مجید کو حاصل ہے، اس کا مقابلہ یہ سب مراجع سیرت جو کمال محنت، دیانت اور اخلاص سے جمع کیے گئے ہیں، ہرگز نہیں کر سکتے۔ ہمیں ان تمام سیرت نگاروں کی اس رائے سے کامل اتفاق ہے کہ اگر دنیا سے تمام مصادر سیرت محو ہو جائیں اور صرف قرآنِ مجید کا الہامی متن برقرار رہے تو آپ کی سیرت مطہرہ کا ہر پہلو اور ہر باب محفوظ ملے گا۔ قرآنِ مجید کے جملہ احکامات کی تنفیذ کارنامہ رسالت کی حقیقی تصویر ہے جو قرآن مجید کی آیات بینات میں واضح دکھائی دیتی ہے۔ عربی اور اُردو زبان میں بعض کتب سیرت کو محض آیات قرآنی کی تفسیر اور تفصیل سے مرتب کیا گیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ قرآنِ مجید نے ردا:

درایت کی جو اساس فراہم کی، اس کی رہنمائی میں محدثین نے اصول حدیث کا عظیم الشان سرمایہ فراہم کیا۔ جس کی رُو سے روایت کی صحت و استناد کے لیے اسماء الرجال جیسا فن اور واقعات کی درستی اور سچائی کے لیے درایت جیسا اسلوب وضع کیا، جس سے یہ اندیشہ بھی باقی نہ رہا کہ کوئی ظالم ،کاذب اور وضاع آپ کی شخصیت اور کلام کے ساتھ کوئی غلط بات منسوب کر سکے۔ تاریخ الحدیث میں اس ضمن میں بہت دلچسپ اور ایمان افروز روایات ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے ایک زندیق کو گرفتار کر کے اس کے قتل کا حکم صادر کیا۔ اس زندیق نے استفسار کیا کہ آپ مجھے کس وجہ سے قتل کرتے ہیں؟ ہارون نے جواباً کہا کہ عامۃ الناس کو آپ سے عافیت مل جائے۔ تو زندیق نے کہا کہ اے امیر المومنین آپ ان چار ہزار احادیث کا کیا کریں گے، جو میں نے وضع کی ہیں؟ میں نے ان روایات میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیا ہے۔ حالانکہ ان میں ایک لفظ بھی رسول کریم ﷺ نے نہیں فرمایا۔ اس پر ہارون الرشید یوں گویا ہوئے:

(أين أنت يا عدوّ الله مِن أبي إسحاق الفرازي وعبدالله بن مبارك! ينخلانها نخلاً، فيخرجانها حرفًا حرفًا.)

”اے اللہ کے دشمن تم ابو اسحٰق فرازی اور عبداللہ بن مبارک سے بچ کر کہاں جاؤ گے جو ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک حرف نکال باہر پھینکیں گے۔“

جس طور پر وضع حدیث کے فتنے کی بیخ کنی اور استیصال کے لیے محدثین نے روایت و درایت کے کڑے اصولوں کی روشنی میں ایک شرعی مسئولیت کے حوالے سے کام کیا ہے اور اصول حدیث کو اس درجہ منضبط اور مستحکم کر دیا کہ اب کسی مدلس، وضاع اور کذاب کے بس کی بات نہیں کہ وہ آپ کے ارشادات میں کسی ایک جملے یا لفظ میں کوئی تحریف کر سکے۔ اس طرز پر اصول سیرت پر کام نہیں ہوا ہے، جس کے باعث وقائع سیرت اور پیغام سیرت میں بعض واقعات سنداً یا درایتاً کمزور، ناقابل اعتماد یا شان نبوت اور عظمت رسالت سے فروتر ہیں۔ یہ خوش آیند بات ہے کہ بعض اہل علم نے اب فقہ السیرہ کے نام سے اصول سیرت کو مرتب کرنے اور وقائع سیرت کا جائزہ لینے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ پیش نظر رہے کہ فقہ السیرہ یا اصول سیرت کا منہج بھی

قریب قریب وہی رہے گا جو اصول حدیث کے کڑے اصولوں کی صورت میں مرتب اور بیان ہوا ہے۔فقہ السیرہ کے اس مطالعے کا فیضان ہے کہ اب عربی زبان میں ایسی کتب لکھی جانے لگی ہیں کہ جن میں ان اصولوں، ضوابط اور منہج کی پیروی کی گئی ہے۔عربی زبان میں ایسی لکھی جانے والی کتابوں میں درج ذیل کتابیں خصوصی اہمیت کی حامل ہیں:

۱۔ السیرۃ النبویۃ الصحیحہ۔د۔اکرم ضیاء عمری (۲ جلد)
۲۔ الرحیق المختوم۔صفی الرحمن مبارکپوری
۳۔ السیرۃ النبویۃ۔د۔مہدی رزق اللہ احمد
۴۔ السیرۃ النبویۃ فی الصحیحین وعند ابن اسحٰق۔الدکتور و سلیمان بن حمد العودہ
۵۔ السیرۃ النبویۃ العطرہ فی الایات القرآنیہ المسطرہ۔محمد ابراہیم شقر
۶۔ صحیح السیرۃ النبویۃ۔محمد ناصر الدین البانی
۷۔ صحیح السیرۃ النبویۃ۔ابراہیم العلی
۸۔ الجامع الصحیح للسیرۃ النبویۃ۔سعد المرصفی
۹۔ جوامع السیرہ۔ابن حزم
۱۰۔ مختصر سیرۃ النبی ﷺ محمد بن عبدالوہاب

اُردو زبان میں مطلوبہ اصول سیرت کے قریب تر جو بہترین کتاب لکھی گئی ہے وہ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمہ اللہ کی ''رحمۃ للعالمین ﷺ'' ہے۔مولانا عبدالروف دانا پوری نے ''اصح السیر'' کے نام سے جو کتاب لکھی ہے، وہ اپنے دعوے کے باوجود صحت واستناد کا وہ معیار پیش نہیں کرتی جو اہل علم کو مطلوب ہے۔اس صورت حال میں اصول سیرت اور فقہ السیرہ کی اہمیت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔اس موقع پر عربی زبان میں فقہ السیرہ پر چند اہم کتابوں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے:

(۱) فقہ السیرہ.....محمد سعید رمضان البوطی
(۲) فقہ السیرۃ النبویۃ.....منیر محمد غضبان

(۳) فقہ السیرہ......محمد الغزالی

(۴) فقہ السیرۃ النبویۃ......الدکتور السید الجمیلی

(۵) فقہ السیرہ......أ۔د۔زید بن عبدالکریم الزید

(۶) دراسات فی السیرہ والادارۃ النبویۃ......حسین علی ابوطالب

(۷) دراستہ فی السیرہ......الدکتور عماد الدین خلیل

(۸) السیرۃ النبویۃ فی ضوء المصادر الاصلیۃ......د۔مہدی رزق اللہ احمد

(۹) السیرۃ النبویۃ منہجتہ، دراستہا واستعراض احداثہا......الدکتور عبدالرحمن علی الجیحی

(۱۰) طریق النبوہ والرسالۃ ودراستہ فی اصول السیرۃ النبویۃ......الدکتور حسین مونس

عربی زبان کے بعد سیرت نبوی کا سب سے وقیع ذخیرہ اُردو زبان میں ملتا ہے۔ راقم الحروف کے ذاتی کتب خانے، بیت الحکمت، لاہور کے ذخیرۂ سیرت کی ایک مشرح کتابیات، شعبۂ علوم اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور نے ۲۰۰۴ء میں اپنے ایک ریسرچ سکالر سے تیار کرائی ہے۔ جس کے حوالے سے فن سیرت کے موضوع پر اُردو زبان میں درج ذیل تحریریں مستقلاً یا ضمناً دکھائی دیتی ہیں:

(۱) مقدمہ "سیرۃ النبی ﷺ"......جلد اوّل، علامہ شبلی نعمانی۔

(۲) مقدمہ "اصح السیر"......مولانا عبدالروف دانا پوری

(۳) فن سیرت نگاری پر ایک نظر......ڈاکٹر سید عبداللہ (مضمون مشمولہ "فکر ونظر" اپریل ۱۹۷۶ء)

(۴) فن سیرت نگاری......پروفیسر عثمان خالد یورش

(۵) سیرت نگاری......پروفیسر غلام احمد حریری (غیر مطبوعہ ٹائپ شدہ مقالہ مخزونہ ڈاکٹر انور محمود خالد)

(۶) مقالہ "علم سیرۃ"......ڈاکٹر سید عبداللہ (مشمولہ دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور، جلد:۱۱/۱۴)

(۷) سیرت نگاری......عبدالعزیز عرفی

ف

(۸) اصول سیرت نگاری...... پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

(۹) اُردو نثر میں سیرت رسول...... ڈاکٹر انور محمود خالد

(۱۰) تدوین سیر ومغازی...... قاضی اطہر مبارکپوری

جہاں تک اصول سیرت یا فقہ السیرہ کا تعلق ہے اُردو زبان کے دامن میں اس سلسلے میں کوئی قابل قدر اور مستقل بالذات تحقیقی تصنیف موجود نہیں۔ علامہ شبلی کا مقدمہ لائق داد اور ڈاکٹر سید عبداللہ کا مقالہ غنیمت شمار کرنا چاہیے۔ البتہ اہل علم اور ارباب تحقیق مجھ سے اتفاق کریں گے کہ اُردو سیرت نگاری کا جتنا گہرا، عمیق اور ثقہ مطالعہ ڈاکٹر انور محمود خالد نے اپنے تحقیقی مقالے ''اُردو نثر میں سیرت رسول'' کے عنوان سے کیا ہے، وہ ایک حوالے کا درجہ رکھتا ہے۔ ''تدوین سیر ومغازی'' اس صنف خاص میں اُردو زبان میں اوّلیت کا درجہ رکھتی ہے جسے برصغیر کے معروف اور مستند محقق اور مؤرخ قاضی اطہر مبارکپوری نے تصنیف کیا ہے، جس میں انہوں نے پہلی صدی ہجری کے نصف آخر سے تیسری صدی ہجری تک کے علمائے سیر ومغازی اور ان کی تصانیف کی تفصیل بیان کر کے علم حدیث کی اس خاص اہم نوع کے بارے میں ان کی تصنیفی، تعلیمی اور روایاتی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ سطور بالا اسی تحقیقی تصنیف کے مقدمہ وتعارف کے بطور لکھی گئی ہیں۔

مغازی عربوں کے ہاں ہمیشہ سے ایک مقبول فن رہا ہے۔ بعثت نبوی سے قبل بھی مغازی گو حضرات کا تذکرہ ملتا ہے۔ رزم ناموں کی روایت دنیا کی مختلف تہذیبوں اور زبانوں میں عام رہی ہے۔ مگر بعثت نبوی کے بعد بالتخصیص ہجرت کے بعد جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم ہوئی تو اس نوزائیدہ ریاست کے خلاف ہونے والی معاندانہ سرگرمیوں کے باعث صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں حرب وضرب کے بہت سے معرکے سر کرنا پڑے۔ اٹھائیس غزوات اور چھپن کے قریب سرایا میں ہزاروں مجاہد صحابہ رضی اللہ عنہم نے شرکت کی۔ انہوں نے کثرت سے ان واقعات کو بیان کیا اور بعض حضرات تو خصوصیت سے مغازی بیان کرنے کے ماہر تھے۔ ان معرکوں کی تعداد سے بعض مستشرقین کے ہاں یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ اسلام شاید

تلوار کے زور پر پھیلا ہے اوراس کے مزاج میں خون آشامی کے علاوہ کوئی اور صفت نہیں ہے۔
اگر حقائق کے آئینے میں جمع ہونے والے شماریات پر نگاہ ڈالی جائے تو عجیب نتائج سامنے آتے ہیں۔ان ۸۲ جہادی معرکوں میں کل ۱۰۱۸ لوگ کام آئے ،جن میں ۲۵۹ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور ۷۵۹ کفار ہیں۔ان تمام جنگوں میں صرف ایک صحابی قیدی بنا،جبکہ دشمن کے ۶۵۶۴ جنگ جوقیدی بنائے گئے۔ان میں سے ۶۳۴۷ کو جنگوں کے اختتام پر ہی آزاد کردیا۔ جہاں تک باقی ۲۱۷ قیدیوں کا معاملہ ہے، ان میں سے صرف دوکو سابقہ جرائم کی پاداش میں قتل کیا گیا ، باقی ماندہ اسلام کے محاسن سے مستفید ہوئے اورانہوں نے اسلامی ریاست کے اہم ترین مناصب اور ذمہ داریوں پر کام کیا۔ یہاں تک رسول اکرم ﷺ نے اپنے وصال سے قبل اپنی والدہ ماجدہ کی ایک حبشی کنیز جس کا اصلی نام برکت تھا مگر وہ اُمّ ایمن کے نام سے مشہور ہوئی،اس کے بیس سالہ بیٹے اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جسے آپ نے اپنا لے پالک بیٹا قرار دیا تھا،کوان کی نوعمری کے باوجود رومیوں کے خلاف جہاد کا امیر لشکر مقرر کیا۔ یوں مغازی کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ غلامی کا ادارہ ختم ہوا بلکہ نومسلموں اور غیر عربوں کو بہت سے اعزازات ملے۔

مغازی رسول اور سیرت نبوی کے وقائع عہد صحابہ میں ایک خصوصی دلچسپی کا موضوع تھے۔
صحابہ کی انہی روایات سے بعد میں سیر ومغازی کی تدوین ہوئی۔مغازی وسیر کے باب میں بھی مسلمانوں نے جس احتیاط کا ثبوت دیا ہے،اس کے باعث مغازی حدیث ہی کی ایک قسم قرار دیے گئے۔بعض اہل علم نے اس دور میں ''سیر'' کوفقہ کی ایک شاخ یا قسم بھی قرار دیا ہے۔ یہ ایک عجیب علمی اتفاق ہے کہ مدرستہ المغازی مدینہ میں قائم ہوتا ہے تو مدرستہ السیر کوفہ میں تشکیل پاتا ہے۔امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ''الموطا'' میں کتاب الجہاد میں سیر کے بارے میں احادیث، آثار،اور اقوال بیان ہوئے ہیں۔''کتاب الاموال'' اور''کتاب الخراج'' اگر چہ خالص فقہی طرز کی کتب ہیں،مگران میں جا بجا سیر کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔محمد بن حسن شیبانی (م ۱۸۹ھ) نے کتاب السیر الصغیر اور کتاب السیر الکبیر میں اسلام کے حربی نظام کی بہت سی تفصیلات فراہم کی ہیں۔
قاضی ابو یوسف (م ۱۸۲ھ) کے بہت سے شاگرد سیر ومغازی کے علوم سے واضح دلچسپی رکھتے

تھے۔ پیشِ نظر رہے کہ محدثین نے کتاب المغازی میں غزوات و سرایا اور کتاب الجہاد والسیر میں حرب و ضرب کے طریقوں اور دشمن کے ساتھ جنگی معاملات کی تفصیلات کو فراہم کیا ہے۔ سیر و مغازی کے ابتدائی لٹریچر کو دیکھا جائے تو اس میں ''سیر'' کی اصطلاح رسول اللہ ﷺ کے علاوہ بعض دوسرے اصحاب کے لیے بھی استعمال ہوئی ہے۔ پھر ایک دور آیا کہ مغازی کے موضوع نے وسعت اختیار کی اور بالآخر سیرت کی کتابوں کو بھی کتاب المغازی کی اصطلاح سے موسوم کیا گیا۔ عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان، محمد بن شہاب زہری، محمد بن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کی اس موضوع کی تحریروں کو مغازی کے عنوان سے موسوم کیا گیا۔ یوں مغازی و سیر کا علم اولاً علم حدیث کا حصہ رہا اور پھر اپنے موضوعی تخصص کے باعث ایک مستقل فن سیرت کی شکل اختیار کر گیا، یوں اصحاب الحدیث اور اصحاب المغازی الگ اصناف میں منقسم ہو گئے۔

مسلمانوں میں سیر و مغازی کا آغاز یوں تو عہدِ صحابہ میں ہوا، مگر اس عہد کی روایات کی جمع و ترتیب کا کام پہلی صدی ہجری کے نصف اوّل کے بعد ایک مستقل فن کی حیثیت سے جاری رہا۔ عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ) کو اس میدان میں اوّلیت کا اعزاز حاصل ہے۔ ان کے تقریباً ہم عمر مگر ان سے کچھ پہلے پیدا ہونے والے ابان بن عثمان (پ ۲۰ھ) بھی مغازی کا علم رکھتے تھے۔ اسی زمانے میں امّ عمرو بنت جندب مغازی کے اولیں عالموں میں شمار کی گئی ہیں۔ ۷۵ھ میں عبدالملک نے ابان بن عثمان کو مدینہ کا والی بنایا، مگر ۸۳ھ میں وہ اس منصب سے برطرف کر دیے گئے۔ مغیرہ بن عبدالرحمٰن نے ابان بن عثمان سے مغازی سیکھے ہیں۔ یوں مغازی اشرافِ مدینہ کی خصوصی دلچسپی کا علم بن گیا۔ مگر اس عہد میں اصل اہمیت عروہ بن زبیر کے مغازی کو حاصل ہے۔ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی نے ان مغازی کو نقد و تحقیق کے ساتھ مدوّن کیا ہے۔ عربی زبان کے اس متن کا اُردو زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ یہ متن متوسط درجے کے ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

عروہ بن زبیر کا خاندانی پس منظر ان کی علمی ثقاہت اور اعتبار میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ عروہ نے ۵۸ھ سے ۶۵ھ تک کے سات سال مصر میں گزارے ہیں۔ عروہ اپنے عہد کے بہت بڑے محدث ہیں اور انہیں مدینہ کے سات بڑے فقہا میں شمار کیا گیا ہے۔ عروہ نے جن ثقہ

راویوں سے مغازی وسیر کے واقعات کو سنا، انہیں مدون بھی کر دیا۔ ان کی علمی اور ذہنی استعداد کو دیکھا جائے تو وہ بیک وقت محدث، سیر نگار، فقیہ، شاعر اور عالم ہیں۔ بیشتر تذکرہ نگاروں اور اسماء الرجال کے علما نے انہیں سیرت و مغازی کا زبردست عالم قرار دیا ہے۔ عروہ بن زبیر سے اس کتاب کو ان کے ایک شاگرد ابوالاسود نے بیان کیا ہے۔ اس اوّلیں کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیر و مغازی کے بیان میں اس کتاب کی روایات کی کیا اہمیت ہے۔ فن سیر و مغازی میں یہ وہ خشتِ اوّل ہے جس پر بعد میں ایوانِ سیرت تعمیر کیا گیا ہے۔

ابن الندیم کی الفہرست میں ابوحسان الحسن بن عثمان الزیادی (م ۲۴۳ھ) کے حوالے سے عروہ کے مغازی کا ذکر ہوا ہے۔ ابن خلکان، ابن عائذ، حاجی خلیفہ، محمد بن اسحٰق، واقدی اور امام سخاوی سب کے ہاں ان کی تصنیفات میں عروہ بن زبیر کے مغازی کا تذکرہ موجود ہے۔ فن مغازی کی اس اوّلیں کوشش کے بعد اس فن میں جن اہم لوگوں کے نام آئے ہیں ان میں شرحبیل بن سعد (م ۱۲۳ھ)۔ وہب بن منبہ (م ۱۱۰ھ)، عبداللہ بن ابی بکر بن حزم (م ۱۳۵ھ)، عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۱۹ھ)، ابن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ)......اور پھر زہری کے تلامذہ میں موسیٰ بن عقبہ (پ ۵۵ھ)، معمر بن راشد (م ۱۴۱ھ)، محمد بن اسحٰق (م ۱۵۰ھ)، ابومعشر السندی (م ۱۷۰ھ) محمد بن عمر الواقدی (م ۲۰۷ھ) اور محمد بن سعد (پ ۱۶۸ھ) جیسے اساطین علم کے نام شامل ہیں۔

پیش نظر کتاب "تدوین سیر مغازی" میں قاضی اطہر مبارکپوری (م ۱۴، جولائی ۱۹۹۶ء) نے فن سیر و مغازی کے ابتدائی اور ارتقائی نقوش کو بڑی محنت، تحقیق اور جاں فشانی سے فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اس موضوع پر اُردو زبان میں پہلی کاوش ہے۔ کسی بھی فن کی ابتدائی کڑیوں کو جمع کر کے اس سے ایک تاریخی ترتیب اور تحقیقی تسلسل قائم کرنا ایک جاں گسل محنت اور کڑی ریاضت ہے۔ فن سیر و مغازی کے آغاز و ارتقا کو تیسری صدی ہجری تک جاننے کے لیے اُردو زبان میں یہ اوّلیں اور کامیاب کوشش ہے۔ جس کی مدد سے آیندہ صدیوں میں سیرت کے ارتقا کی مستقل تاریخ لکھی جاسکتی ہے۔ میرے علم کی حد تک اس موضوع پر جرمن مستشرق پروفیسر جوزف ہوروٹس کی کتاب "سیرۃ نبوی کی اوّلیں کتابیں، اور ان کے مؤلفین" ایک اہم تحقیقی کاوش

ہے جو قاضی اطہر مبارکپوری کے سامنے رہی۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ محمد مارماڈیوک پکھتال نے کیا۔ اسی کتاب کا ایک عربی ترجمہ استاد حسین نصار نے ۱۹۴۹ء میں "المغازی الاولیٰ و مؤلفوھا" کے عنوان سے کیا۔ ۱۹۷۴ء میں اس مفید کتاب کا ترجمہ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے دلّی سے کیا۔ قاضی اطہر مبارکپوری نے اس مطالعے کو جو مزید وسعت دی ہے، اس سے ان کی تحقیقی قامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ آٹھ سال کی مسلسل محنت کے نتیجے میں تیار ہونے والی اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۴۱۰ھ میں شائع ہوا۔ اور اب اسی مفید کتاب کا پاکستان میں پہلا ایڈیشن متن کی مناسب تصحیحات اور چند املائی تبدیلیوں کے ساتھ دارلنوادر، لاہور سے شائع ہو رہا ہے۔

راقم الحروف کو اس کتاب کا اوّلیں تعارف قاضی اطہر مبارکپوری کے ایک علمی دوست اور میرے مربی پروفیسر سید محمد سلیم مرحوم کے ذریعے ہوا، جو ان دنوں اسلامی نظام تعلیم کی تشکیل نو کے سلسلے میں لاہور میں مقیم بہت اہم خدمات انجام دے رہے تھے۔ سید صاحب کی قاضی صاحب سے بہت قدیم سے شناسائی تھی اور مستقلاً وہ ایک دوسرے کے ساتھ مراسلت میں مربوط تھے، پروفیسر موصوف کی شدید خواہش تھی کہ اس مفید کتاب کی طباعت پاکستان میں بھی ہونا چاہیے۔ حسن اتفاق سے مصنف مذکور نے اس کا ایک نسخہ حبیب مکرم پروفیسر ظفر حجازی صاحب کو بھجوایا، جن کی مسلسل فہمائش کے بعد یہ نسخہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب کی علمی اور تحقیقی خوبیوں کا اصلی اندازہ تو اس کے مطالعے کے بعد ہی ممکن ہے۔ مگر پروفیسر سیّد محمد سلیم مرحوم کے فاضل نواسے اور میرے محبِّ گرامی سیّد عزیز الرحمٰن صاحب نے میری درخواست پر کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں ایک تفصیلی تعارف تحریر کیا ہے جو کتاب کے آخر میں شامل ہے۔

اس وقیع مضمون کے باعث میں نے اپنے مقدمے میں صاحب کتاب کی علمی اور تحقیقی خدمات بالخصوص "تدوین سیر و مغازی" پر زیادہ قلم نہیں اٹھایا ہے۔ مصنف کا اسلوب علمی اور تحقیقی ہے، مگر یہ کتاب ان کے تحقیقی گلستان میں گل سرسبد کی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ اہل علم اُردو زبان میں فنِ سیرت کی اس اوّلیں کتاب کا کما حقہٗ خیر مقدم کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کے اس علمی کارنامے کو ان کی حسنات میں شمار فرمائے۔ آمین۔

۱۴، جولائی ۲۰۰۵ء

پروفیسر عبدالجبار شاکر

ڈائریکٹر بیت الحکمت، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین، والعاقبۃ للمتقین، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ومولانا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ، واتباعہ اجمعین ۰

پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر پورے عالم اسلام میں اسلامی صدی منائی گئی، اور عظیم الشان یادگاری جشن منائے گئے، اہل علم نے اسلامیات، خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ مقدسہ پر مقالات و مضامین اور کتابیں لکھیں، اور سیرت نبوی کو پوری دنیا میں عام کرنے کیلئے عالمی سطح پر ادارے قائم کئے گئے،

راقم نے اپنے مخلص احباب و متعلقین کے تعاون سے اس یادگار موقع پر الجامعۃ الحجازیہ اور المسجد الحجازی کے نام سے اسلامی تعلیم و تربیت کی ایک درسگاہ تعمیر کی، اور سیرت نبویؐ کے قصر معلیٰ کو جانے والی شاہراہوں پر لکھی جانیوالی کتابوں اور ان کے مصنفین کی تاریخ "تدوین سیر و مغازی" کے نام سے مرتب کی۔

اس کی ابتداء جمعہ ۲۳ ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں، اور انتہاء جمعہ یکم ربیع الاول ۱۴۰۹ھ میں ہوئی، اس کی ترتیب میں آٹھ سال کی طویل مدت کا باعث میرے محدود وسائل اور شخصی مصروفیات ہیں۔ حالانکہ میری خواہش اور کوشش تھی کہ یہ کتاب جلد از جلد مرتب ہو جائے، اس تاخیر میں میرا یہ حوصلہ بھی کارفرما تھا کہ اپنی حد تک یہ کام بہتر اور مکمل ہو، وفوق کل ذی علم علیم

اس کے باوجود اس کتاب میں ایک بڑی کمی یہ رہ گئی ہے کہ سیر و مغازی کی قدیم میسر و موجود کتابوں کی روایات کی تنقید اور ان کی خصوصیات کی نشاندہی نہ ہو سکی، اسلاف کے دینی و علمی کارناموں کا جائزہ لینے کے لئے معتبر علم، صحیح دقت نظر، سلامتی طبع اور دینداری و دیانتداری ضروری ہے، ان شاء اللہ آئندہ اس کے لئے ایک مستقل باب کا اضافہ کیا جائے گا،

اس کتاب میں تیسری صدی تک کے علمائے سیر و مغازی اور ان کی تصانیف کا ذکر

کیا گیا ہے اس زمانہ تک جملہ دینی علوم و فنون کے جمع و تدوین کا کام پورا ہو چکا تھا، بعد کے مصنفین کے لئے اسی دور کی کتابیں اصل الاصول ہیں، اس میں من حیث الفن کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکا۔ البتہ اس میں تفنن و تنوع اور اجمال و تفصیل کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔

بلا مبالغہ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ پر آج تک علمائے اسلام نے جتنا عظیم تصنیفی سرمایہ جمع کر دیا ہے اس کی مثال اگلی پچھلی تمام امتیں اور ان کے علماء پیش کرنے سے عاجز ہیں، اور کسی انسان کی سیرت و سوانح پر اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں لکھا جا سکا، اسی کے ساتھ بلا تردد یہ دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے کہ رہتی دنیا تک یہ سلسلہ قائم و دائم رہے گا۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر،
ما ہمچناں در اوّلِ وصفِ تو ماندہ ایم،

قاضی اطہر مبارک پوری
جمعہ یکم ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

قاضی منزل، مبارک پور
اعظم گڈھ

باب اول

سیر و مغازی تدوین سے پہلے

سیر ومغازی کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم

سیرت کے لغوی معنی چال چلن طور طریقہ اور روش کے ہیں، یہ لفظ صاحب سیرت کے پورے احوالِ زندگی پر بولا جاتا ہے، اور محدثین ومؤرخین نے کتاب السیرۃ کے نام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات جمع کئے ہیں۔ جن میں مغازی کا تذکرہ بھی ہوتا ہے، البتہ فقہاء کے نزدیک سیرت کا یہ وسیع مفہوم نہیں ہے بلکہ جہاد اور غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار ومشرکین کے ساتھ جو معاملہ فرمایا ہے، وہ اس کو سیرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس کی جمع سِیَر ہے، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔

والسیر جمع سیرۃ، واُطلق ذالك علی ابواب الجھاد، لانھا متلقاۃ من احوال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی غزواتہ، [1]	سِیَر لفظ سیرت کی جمع ہے اور اس کا اطلاق جہاد کے ابواب پر ہوتا ہے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان حالات سے ماخوذ ہوتے ہیں جو غزوات میں پیش آئے،

امام ابن ہمام نے اسی مفہوم کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

السِیَر جمع السیرۃ، وھی الطریقۃ فی الامور وفی الشرع تختص بسِیَر	سِیَر لفظ سیرت بمعنی طور طریقہ کی جمع ہے۔ اور اس کا اطلاق شریعت میں مغازی میں

[1] فتح الباری، کتاب الجھاد والسیر ج ۶ ص۳ (سلفیہ قاھرہ)

النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی مغازیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کے
ولکن غلب فی لسان اھل الشرع علی	ساتھ خاص ہے، مگر علمائے شریعت کے
الطرائق المامور بھا فی غزوۃ الکفار[1]	نزدیک اس کا اطلاق عام طور سے ان طریقوں
	پر ہوتا ہے جن کا حکم کفار سے جنگ میں دیا گیا ہے۔

محدثین کتاب المغازی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و سرایا، اور کتاب الجہاد والسیر میں ان کے طور طریقے اور کفار کے ساتھ معاملات کو بیان کرتے ہیں، اور فقہاء کتابُ السیر میں جہاد و غزوات کے فضائل و مسائل، احکام و قوانین اور اس سلسلہ کے جزئیات فقہی انداز میں لکھتے ہیں، اور اہل اخبار و تواریخ کتاب السیرۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام حالات بیان درج کرتے ہیں، جن میں سیر و مغازی بھی شامل ہوتے ہیں، سیرت ابن اسحاق اور سیرت ابن ہشام وغیرہ کا یہی انداز ہے۔

لفظ سیرت اس وسیع معنیٰ میں قدیم زمانہ سے مستعمل ہے اور اس نام سے دوسروں کے حالات میں کتابیں لکھی گئی ہیں، عوانہ بن حکم کلبی متوفی ۱۴۷ھ نے کتاب سیرۃ معاویۃ و بنی امیہ ابراھیم بن محمد فزاری متوفی ۱۸۸ھ نے کتابُ السِیَر فی الاخبار والاحداث، اور واقدی متوفی ۲۰۷ھ نے کتاب السیرۃ اور کتاب سیرۃ ابی بکر و وفاتہ لکھی، [2]

غزو، غزوہ، اور مغزیٰ (جمع مغازی) کے لغوی معنی قصد، ارادہ، اور طلب کے ہیں اور شرعی معنی کفار سے قتال ہے، ابن حجر نے اس کی تشریح یوں کی ہے۔

واصل الغزو القصد، ومغزی الکلام	غزو کا لغوی معنی قصد و ارادہ ہے اور یہاں
مقصدہ، والمراد بالمغازی ھنا ما	مغازی سے مُراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وقع من قصد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	کا بنفس نفیس یا اپنے لشکر کے ذریعہ
الکفار بنفسہ، او بجیش من قبلہ	کفار کا قصد و ارادہ کرنا ہے یہ قصد کفار کے

[1] فتح القدیر ج ۴ ص ۲۷۷، [2] الفہرست، ابن ندیم ص ۱۳۴ و ص ۱۳۵ و ص ۱۴۴،

وقصدھم اعمّ من ان یکون الی بلادھم،	شہروں کا ہو، یا ان مقامات کا ہو جہاں وہ
اوالی الاماکن التی حلّوھا، حتی دخل	اترے ہوں، تاکہ اس میں غزوۂ احد اور
مثل احد، والخندق۔ لہ	غزوۂ خندق وغیرہ شامل ہوں۔

بعد میں مغازی کے معنی میں وسعت پیدا ہوگئی اور سیرت کی کتابوں کا نام کتاب المغازی پڑ گیا، چنانچہ مغازی عروہ بن زبیر، مغازی ابان بن عثمان، مغازی محمد بن شہاب زہری، مغازی ابن اسحاق، مغازی موسیٰ بن عقبہ اور مغازی واقدی وغیرہ سیرت کی کتابیں ہیں، اور ان میں مغازی کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔

محدثین و مؤرخین کتاب المغازی میں اپنے اپنے معیار روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور آپ کے غزوات و سرایا بیان کرتے ہیں، اور فقہاء ان سے جہاد و قتال کے مسائل استخراج کرتے ہیں،

محدثین و مؤرخین عام طور سے اپنی کتاب کا نام کتاب المغازی یا مغازی الرسول مغزی کی جمع کے ساتھ رکھتے ہیں، اسی طرح فقہاء اپنی کتاب کا نام کتاب السِیَر سیرت کی جمع کے ساتھ رکھتے ہیں۔

علم حدیث اور سِیَر و مغازی

علم السِیَر والمغازی علم حدیث ہی کا ایک اہم حصہ ہے۔ کیونکہ اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال و افعال اور مقررات سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق غزوات و سرایا سے ہے، امام ابوعبداللہ حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث میں ذکر النوع الثامن والاربعین کے ذیل میں لکھا ہے

ھٰذا النوع من ھٰذہ العلوم معرفۃ	علوم حدیث کی اقسام میں سے اڑتالیسویں قسم
مغازی رسول اللہ علیہ وسلم وسرایاہ،	ان امور کی معرفت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لہ فتح الباری، کتاب المغازی ص ۲۷۹ ج ۷ (سلفیہ قاہرہ)

وبعوثہ، وکتبہ الی ملوك المشرکین،	کے مغازی و سرایا و بعثات اور مشرک بادشاہوں
ومایصح من ذالك، ومایشذ وما	کے نام آپ کے خطوط میں کیا صحیح ہے کیا صحیح
ابلی کل واحد من الصحابة فی تلك	نہیں ہے، اور ان غزوات میں آپ کے سامنے
الحروب بین یدیہ، ومن ثبت،	صحابہ میں سے ہر ایک نے کیا کارنامہ انجام دیا،
ومن ھرب، ومن جبن عن	کون ثابت قدم رہا، کس نے راہِ فرار اختیار کی،
القتال، ومن کرّ، ومن تدیّن	اور کس نے دین پر عمل کر کے آپ کی نصرت کی
بنصرتہ صلی اللہ علیہ وسلم،	اور کون منافق تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ومن نافق، وکیف قسم رسول اللہ	نے اموالِ غنیمت کو کیسے تقسیم فرمایا، کس کو
صلی اللہ علیہ وسلم الغنائم، ومن	زیادہ دیا، کس کو کم دیا۔ اور دو تین مجاہدین میں
زاد، ومن نقص وکیف جعل	ایک مقتول کے سلب کے بارے میں کیا کیا
سلب القتیل بین الاثنین والثلاثة	اور غلول میں حد کیسے جاری کی۔ علوم حدیث کی
وکیف اقام الحدود فی الغلول،	یہ قسم اس قدر اہم ہے کہ کوئی عالم اس سے مستغنی
وھذا النوع من العلوم التی لا	نہیں ہو سکتا ہے۔
یستغنی عنھا عالم[1]	

خطیب بغدادی نے بھی سیر و مغازی رسول کو علم حدیث میں شامل کیا ہے اور شرف اصحاب الحدیث" میں لکھا ہے کہ حدیث میں انبیاء کے واقعات، زہاد اور اولیاء کے احوال بلغاء کے مواعظ، فقہاء کے کلام، عرب و عجم کے بادشاہوں کی سیرتیں، اُمم ماضیہ کے قصّے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی و سرایا کی تفصیلات، آپ کے احکام و قضایا، خطبے، مواعظ، معجزات، آپؐ کی ازواج مطہرات، اولاد و اصحاب اور ان کے فضائل و مناقب، انساب و اعمار کا ذکر ہوتا ہے۔[2]

---

[1] معرفة علوم الحدیث ص۲۳۸، [2] شرف اصحاب الحدیث ص۸ (ترکی)

اصحاب الحدیث، اصحاب الفقہ اور اصحاب المغازی

جب پہلی صدی کے خاتمہ اور دوسری صدی کی ابتداء میں احادیث کی تدوین و تالیف کے ساتھ ان کی تبویب و ترتیب شروع ہوئی اور احکام کے استخراج و استنباط کی باری آئی تو محدثین میں مختلف انداز پر کام ہونے لگا، ایک جماعت نے روایت و درایت کے اصول پر احادیث و آثار کو جمع کیا، یہ اصحاب الحدیث اور محدثین کہلائے ایک طبقہ نے ان احادیث و آثار سے تفقہ و افتار کے اصول پر احکام و مسائل اور فتاوے مرتب کئے یہ اصحاب الفقہ والفتوی اور فقہار کے لقب سے یاد کئے گئے، اور ایک گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے مغازی و سرایا کو مدون کیا، یہ اخباری، مؤرخ اصحاب السیر والمغازی کہلائے، اور سب نے اپنے اپنے حلقہ میں اپنے کاموں کو آگے بڑھایا، اصحاب الحدیث اور اصحاب السیر والمغازی میں بعض باتوں میں فرق ہے۔ مولانا ابوالبرکات عبدالرؤف دانا پوریؒ نے "اصح السیر" کے مقدمہ میں اس فرق کو نہایت اچھے انداز میں تفصیل سے بیان کیا ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

اصحاب الحدیث اور اصحاب المغازی میں فرق

اصحاب حدیث تین امور کو جمع کرتے ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ (۲) آپ نے کیا کیا (۳) آپ کے سامنے یا آپ کے وقت میں کیا کیا گیا؟ اصحاب سیرت بھی ان ہی تین امور کو جمع کرتے ہیں۔ اس لئے اصل کام دونوں کا ایک ہے۔ اس کے باوجود دونوں میں فرق ہے۔ اصحاب حدیث کا مقصود بالذات احکام کو جاننا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ان کی بحث ضمناً یا التزاماً ہوتی ہے۔ اور اصحاب سیر کا مقصود بالذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا ہے۔ احکام کی بحث ضمناً ہوتی ہے۔ اس لئے محدثین کی تمام تر قوت اس بحث میں صرف ہوتی ہے کہ اس قول یا فعل کا انتساب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہے یا نہیں، اور اصحاب سیرت کو اسی کے ساتھ دو باتیں اور معلوم کرنی پڑتی ہیں، ایک یہ کہ آپ نے کب ایسا کہا، یا کب کیا، دوسرے یہ کہ

ایسا کہنے یا ایسا کرنے کی کیا وجہ تھی؟ یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو مسلسل اور مربوط بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اسباب و علل کو بھی جاننا چاہتے ہیں۔

اس فرق کی وجہ سے اصحاب سیرت اور اصحاب حدیث کی دو جماعتیں الگ الگ بن گئیں، اور معیارِ تحقیق دونوں کا جُدا جُدا ہو گیا، محدثین رُواۃ کی ثقاہت، تقویٰ اور دیانت کی کمی زیادتی پر مقبول راویوں کی روایتوں میں اختلاف کے وقت ترجیح دیتے ہیں، اصحاب حدیث ہوں یا اصحاب سیرت دونوں ایسے راویوں کی روایت کو قبول نہیں کرتے جو جھوٹے ہوں، یا جن پر جرح شدید ہوئی ہو،

اصحاب سیر اور اصحاب حدیث دو جماعت نہیں ہیں، بلکہ جتنے اصحاب سیر ہیں وہ اصحاب حدیث بھی ہیں۔ اسی طرح جو اصحاب حدیث ہیں وہ اصحاب سیر بھی ہیں، مگر جب سیرت پر واقعات جمع کرنے پڑتے ہیں اور سیرت کے مقاصد پورے کرنے پڑتے ہیں تو تحدیث و روایت کے شرائط اور وجہ ترجیح میں مناسب تبدیلی کرنی پڑتی ہے۔ مغازی کے واقعات دونوں لکھتے ہیں مگر دونوں کے لکھنے میں فرق ہوتا ہے، مثلاً فتح مکہ کے متعلق محدثین اتنا لکھتے ہیں کہ قریش نے حدیبیہ کے معاہدہ کو توڑا اور بنی خزاعہ پر ظلم کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے، اس لئے آپ نے حملہ کیا اور مکہ فتح ہوا، لیکن اصحاب سیرت یہ بھی بتاتے ہیں کہ یہ معاہدہ کتنا اہم تھا، بنی بکر اور بنی خزاعہ کی جنگ عرصہ سے چل رہی تھی۔ اس معاہدہ کی وجہ سے یہ جنگ رُک گئی تھی، قریش نے عہد توڑ کر پھر اس جنگ کو مشتعل کر دیا تھا۔

الغرض محدثین کے یہاں جو صحیح روایتیں ہیں اصحاب سیرت کو ان کی ترجیح میں کلام نہیں ہے۔ لیکن ان کو اپنی ضروریات کے لئے اور روایتیں بھی لینی پڑتی ہیں جن کے لئے وہ اپنا معیار الگ قائم کرتے ہیں، بلاشبہ جس طرح حدیث کی کتابوں میں شدید احتیاط کے باوجود بہت سی غلط اور موضوع روایتیں داخل ہو گئی ہیں، سیرت میں بھی اسی طرح بہت

سی موضوعات ہیں اگر ان کو خارج کر دیا جائے تو دنیا کی کسی قوم کی کوئی تاریخ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے، اس لئے کہ اور کہیں نہ سند ہے اور نہ موضوعات کو جدا کیا جا سکتا ہے۔[1]

اصحاب المغازی کا روایتی معیار

صحابہ کے بعد تابعین یعنی صحابہ کے تلامذہ کا دور ہے۔ جنھوں نے احادیث و آثار اور سیر و مغازی کے واقعات اپنے خاندانی بزرگوں اور استادوں سے روایت کئے، ان میں انصار و مہاجرین کی اولاد میں نسبۃً علم زیادہ رہا، ان کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا جنھوں نے صحابہ اور تابعین کے علم کو آگے بڑھایا۔ سیر و مغازی کا تمام تر سرمایہ ان ہی اکابر و اصاغر صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین کی روایت سے جمع ہوا ہے۔[2]

احادیث و آثار کی تدوین سے پہلے یہ تمام حضرات جن میں مردوں کی طرح عورتیں بھی شامل ہیں۔ اپنے گھروں، بال بچوں، رشتہ داروں، مسجدوں، محلّوں، قبیلوں اور تعلیمی و تدریسی مجلسوں میں سیر و مغازی کے واقعات موقع کی مناسبت سے بیان کیا کرتے تھے، اور جب جمع و تدوین کا دور آیا تو ان کی روایتوں کو اصحاب سیر و مغازی نے مدوّن و مرتب کیا، اور اپنے مقاصد کے پیش نظر روایتی معیار میں محدّثین کے مقابلہ میں نرمی سے کام لیا،

اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں، واقعۂ افک کا تعلق حضرت عائشہؓ سے تھا، اس کی روایت اُن سے ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر نے کی، ان سے اُن کے بیٹے عبّاد بن عبداللہ نے اور عبّاد سے ان کے بیٹے یحیی بن عباد بن عبداللہ بن زبیر نے کی، نیز اس کی روایت حضرت عائشہؓ سے ان کی پروردہ اور ان کے علم کی ترجمان عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے کی، اور ان سے ان کے رشتہ دار عبداللہ بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری نے کی، طبری نے تین صفحات میں یہ روایت بیان کی ہے۔[3]

---

[1] مقدمۂ اصح السیر ص۲۴، ۲۵، ۲۶۔ خلاصہ، [2] تفصیل کے لئے طبقات ابن سعد ج ۲ ص۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، [3] تاریخ طبری ج۳ ص۴۳،

ابن ابی حقیق یہودی کے قتل کی روایت عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک کی والدہ نے اپنے والد عبداللہ بن انیس سے سنی، اور عبدالرحمٰن نے اپنی ماں سے اور ان سے ان کے بیٹے ابراہیم بن عبدالرحمٰن نے روایت کی [1]. اس سریہ میں عبداللہ بن انیس شریک تھے۔ غزوہ ذی قرد کے متعدد واقعات حضرت سلمہ بن اکوع رضؓ کے صاحبزادے ایاس نے اپنے والد سے سن کر بیان کئے ہیں۔ بیعتِ رضوان کے بارے میں طبری نے ایک روایت یوں بیان کی کہ مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد نے بیان کیا اور انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ اہل بیعت کی تعداد پندرہ سو پچیس تھی۔ [2]

غزوۂ احد کی دو روایت یحییٰ بن عباد نے اپنے والد عباد سے کی اور عباد نے اپنے والد عبداللہ بن زبیرؓ سے کی [3].

غزوۂ احد کی ایک روایت محمد بن اسحاق نے اپنے والد اسحاق بن یسار سے کی، انھوں اس کی روایت عن اشیاخ بنی سلمہ یعنی بنی سلمہ کے بزرگوں سے کی۔

غزوۂ خیبر کی ایک روایت محمد بن اسحاق نے عبداللہ بن حسن سے کی اور انھوں نے اس کی روایت عن بعض اھلہ یعنی اپنے خاندان کے بعض لوگوں سے کی [4]۔

فتح مکہ کا ایک واقعہ ابن اسحاق نے ابو فراس بن سنبلہ اسلمی سے بیان کیا ہے جس کو انھوں نے عن اشیاخ منھم ممن حضرھا یعنی ان بعض بزرگوں سے روایت کیا ہے جو فتح مکہ میں شریک تھے [5]۔

غزوۂ طائف کے سلسلہ میں بلاذری نے ایک روایت مدائنی سے کی۔ مدائنی نے

---

[1] تاریخ طبری ص ج ۲، [2] ایضاً ص ج ۳، [3] ایضاً ص ۱۶/۲۲ ج ۳، [4] ایضاً ص ج ۳
[5] ایضاً ص ۱۲۵ ج ۳،

ابو اسمٰعیل طائفی سے اور انھوں نے اپنے والد سے اور ان کے والد نے عن اشیاخ من اھل الطائف یعنی اہل طائف کے بزرگوں سے اس کی روایت کی۔[1]

صلح نجران کی ایک روایت ابن اسحاق نے معاذ بن رفاعہ رزقی سے کی۔ جنھوں نے بتایا کہ حدثنی من شئتُ من رجال قومی۔ یعنی میری قوم کے لوگوں میں سے میرے ایک پسندیدہ آدمی نے اس کو مجھ سے بیان کیا ہے۔[2]

ایک اور واقعہ ابن اسحاق نے اپنے والد سے بیان کیا ہے جس کو انھوں نے عن اشیاخ بنی سلمۃ یعنی بنو سلمہ کے بزرگوں، بڑوں اور بوڑھوں سے سنا تھا۔[3]

ابن اسحاق نے ایک جگہ لکھا ہے۔ فحدثنی بعض اھل العلم عن رجال من اسلم یعنی بنی اسلم کے بعض اہل علم نے مجھ سے بیان کیا۔[4] بعض مقامات پر حدثنی بعض اصحابنا کہا ہے یعنی مجھ سے ہمارے بعض مشائخ نے بیان کیا ہے۔

بعض جگہ فیما بلغنی کہہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔ متعدد مقامات پر حدّثنی من لا اتّھم کہہ کر روایت کرتے ہیں اور بعض مرتبہ حُدِّثْتُ کے لفظ سے واقعہ نقل کرتے ہیں جیسا کہ سیرت ابن ہشام میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کے مقابلہ میں اہل سیر مغازی کی سند کا معیار کم درجہ کا ہوتا ہے کیونکہ ان کے یہاں واقعات واخبار کا بیان ہوتا ہے عقائد اور تشریعی احکام نہیں ہوتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے، امام احمد بن حنبل کا قول ہے

ثلاثۃ کتب لیس لھا اصول، المغازی، والملاحم، والتفسیر	تین فن کی کتابیں بے بنیاد ہیں، مغازی، اور ملاحم، اور تفسیر

[1] فتوح البلدان ص۵۶۔ [2] سیرت ابن ہشام ص۲۵ ج۲، [3] ایضاً ص۹۰ و ص۹۸ ج۲
[4] سیرت ابن ہشام ص۱۱۰ ج۲۔

یہ قول مغازی وملاحم اور تفسیر کی عام کتابوں کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ ان تینوں علوم کی بعض مخصوص کتابیں مراد ہیں۔ جو اپنے بیان کرنے والوں کی بے اعتباری اور داستان گوئی کی وجہ سے ناقابلِ اعتماد ہیں، جیساکہ خطیب بغدادی نے تصریح کی ہے[۱]

چنانچہ خود امام احمد کہتے تھے کہ تم لوگ مغازی موسیٰ بن عقبہ حاصل کرو، وہ ثقہ ہیں۔[۲]

اور ابراہیم حربی کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل ہر جمعہ کو ابن سعد کے یہاں سے واقدی کی کتابوں کے دو جزء منگاکر دیکھتے تھے، اور دوسرے جمعہ کو ان کو واپس کرکے دوسرے دو جزء منگاتے اور دیکھتے تھے۔[۳] امام احمد کا یہ بھی قول ہے کہ ابن اسحاق سے مغازی حاصل کی جائے، البتہ حلال وحرام میں احتیاط کی جائے۔[۴]

غزوات وسرایا اور ان کے شرکاء

علمائے سیر ومغازی کی اصطلاح میں جن مہمات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی ہے، ان کو غزوہ، غزوات اور مغازی کہتے ہیں اور جن مہمات میں آپؐ نے صحابہ کو روانہ فرمایا ہے ان کو سریّہ اور سرایا کہتے ہیں۔ ان دونوں قسم کی مہمات کی تعداد کے بارے میں اہلِ علم کی تحقیقات مختلف ہیں۔ بخاری ومسلم نے ابواسحٰق سے روایت کی ہے کہ حضرت زید بن ارقم سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ انیس ۱۹ غزوات، پھر ان سے پوچھا گیا کہ آپ ان میں سے کتنے غزوات میں شریک رہے؟ انھوں نے کہا کہ سترہ ۱۷ غزوات میں، میں نے دریافت کیا کہ سب سے پہلے کون غزوہ تھا؟ انھوں نے بتایا کہ غزوۂ عشیرہ۔[۵]

عبداللہ بن بریدہ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[۱] تذکرۃ الموضوعات، محمد طاہر گجراتی ص۸۲، [۲] تذکرۃ الحفاظ ص۱۴۰ ج۱، [۳] تاریخ بغداد ج۳ ص۱۱ وتہذیب التہذیب ج۹ ص۳۶۶، [۴] الجرح والتعدیل ج۳ ص۱۹۳، [۵] صحیح بخاری کتاب المغازی ج۲، صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر

انیس[19] غزوات کیے ہیں، جن میں سے آٹھ غزوات میں خود بھی قتال فرمایا ہے، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غزواتِ نبوی کی تعداد اکیس[21] بیان کی ہے۔ ابن شہاب زہری نے چوبیس[24] بتائی ہے۔ ابو عبداللہ حاکم نے اسی کو راجح قرار دیا ہے اور لکھا ہے

فهذه غزوات رسول الله صلى الله عليه وسلم باصح الاسانيد، صحیح سندوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی غزوات ثابت ہیں،

اس کے بعد لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرایا بہت زیادہ ہیں، قتادہ سے مروی ہے کہ مغازی اور سرایا دونوں کی تعداد تینتالیس[43] ہے، پھر اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ تعداد صرف سرایا کی ہوگی، میں نے کتاب الاکلیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعوث و سرایا کو علی الترتیب ذکر کیا ہے، جو ایک سو سے زائد ہیں اور معتبر ذریعہ سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابو عبداللہ محمد بن نصر کی کتاب میں ہے کہ آپؐ کے بعوث و سرایا ستر[70] سے زیادہ ہیں[1]

بعض کتابوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی انیس[19] ہیں، اور بریدہ سے ایک روایت ہے کہ سولہ ہیں، ان میں سے آٹھ غزوات میں آپ نے خود قتال فرمایا ہے، غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوہ احزاب، غزوۂ مریسیع، غزوۂ قدید، غزوہ خیبر، فتح مکہ، اور غزوۂ حنین، اور ابن اسحاق کے بیان کے مطابق سرایا و بعوث اڑتیس[38] ہیں، اور ابن سعد نے ان کی تعداد سینتالیس[47] بتائی ہے۔ سب سے پہلا سریہ حمزہ بن عبدالمطلب یا عبیدہ بن حارث کا ہے۔ اور سب سے آخری سریہ زید بن حارثہ کا ہے، اس سلسلہ میں ابن سعد نے طبقات میں علمائے سیر و مغازی کا یہ متفقہ قول نقل کیا ہے۔

قالوا: عدد مغازی رسول الله صلى الله عليه وسلم التي غزا بنفسه علمائے سیر و مغازی نے کہا ہے کہ جن غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] معرفۃ علوم الحدیث ص۲۳۹،

سبعًا وعشرين غزوة، وكانت سرايا ه التي بعث بها سبعًا واربعين سرية وكان ما قاتل فيه من المغازي تسع غزوات بدر القتال، واحد، والمريسيع والخندق، و قريظة و خيبر وفتح مكة وحنين والطائف، فهذا ما اجتمع لنا عليه، وفي بعض رواياتهم انه قاتل في بني النضير، ولكن الله جعلها له نفلاً خاصةً، وقاتل في غزوة وادي القرى منصرفه من خيبر، وقتل بعض اصحابه، وقاتل في الغابة،	خود شریک تھے ان کی تعداد ستائیس ۲۷ ہے، اور جن سرایا کو آپ نے روانہ فرمایا تھا ان کی تعداد سینتالیس ۴۷ ہے، اور جن غزوات میں آپ نے قتال فرمایا تھا وہ نو ہیں، بدر، احد، مریسیع، خندق قریظہ، خیبر، فتح مکہ، حنین، اور طائف اس تعداد پر ہمارے نزدیک اجماع ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے غزوۂ بنی نضیر میں بھی قتال فرمایا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو آپ کا خاصہ قرار دیا، اور خیبر سے واپسی پر آپ نے وادی القریٰ میں قتال فرمایا تھا۔ جس میں بعض صحابہ شہید ہوئے اور غزوۂ غابہ میں قتال فرمایا تھا،

مہاجرین کے مقابلہ میں انصار مدینہ کے دونوں قبائل اوس اور خزرج حرب وضرب اور قتال میں زیادہ ماہر اور مشہور تھے، ان کی شجاعت وبسالت کا سکّہ عربوں کے دل پر بیٹھا ہوا تھا، اور تمام عرب ان سے ڈرتے تھے مگر چونکہ انھوں نے ابتدا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرط لگائی تھی کہ شہر مدینہ کے اندر رہ کر آپ کی اور اسلام کی ہر خدمت کریں گے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر سے پہلے کسی سریۃ میں انصار کو روانہ نہیں فرمایا

ذیل میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی وسرایا اور ان کے شرکا کی سرسری

لہ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۶-۵۔

اور تقریبی فہرست درج کرتے ہیں، فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک میں شرکائِ جہاد کی تعداد سب سے زیادہ ہے، باقی غزوات میں چند سو سے چند ہزار تک صحابہ شریک ہوئے جن میں اکثر و بیشتر نے تمام غزوات و سرایا اور مشاہد میں اپنی خدمات پیش کیں۔ اور راہ حق میں شہید ہونے سے جو حضرات بچے اور ان کی زندگی نے وفا کی، وہی سیر و مغازی کے راوی ہیں اور اس سلسلہ کا صحیح ترین سرمایہ ان کی روایت سے ہم تک پہنچا ہے۔

غزوات

نمبر	غزوہ	سنہ	تعداد شرکاء	کیفیت
۱	غزوۂ ابواء (ودّان)	صفر ۱ھ	مہاجرین	قتال نہیں ہوا
۲	غزوۂ بواط	ربیع الاول ۲ھ	دو سو (۲۰۰)	〃
۳	غزوۂ سفوان (برائے طلب کرز بن جابر فہری)	ربیع الاول ۲ھ		〃
۴	غزوۂ ذوالعشیرہ	جمادی الاخریٰ ۲ھ	۱۵۰ یا ۲۰۰ مہاجرین	معمولی قتال ہوا
۵	غزوۂ بدر (بدر القتال / بدر الکبریٰ)	رمضان ۲ھ	۳۰۵ یا ۳۱۳ مہاجرین و انصار	قتال ہوا
۶	غزوۂ بنی قینقاع	شوال ۲ھ		جلاوطن کیے گئے
۷	غزوۂ سویق	ذوالحجہ ۲ھ	دو سو (۲۰۰) سوار	قتال نہیں ہوا۔
۸	غزوۂ قرقرۃ الکدر	محرم ۳ھ	دو سو (۲۰۰)	〃
	غزوۂ غطفان (ذوامر)	ربیع الاول ۳ھ	۴۵۰ ساڑھے چار سو	〃
۱۰	غزوۂ بنی سُلیم	جمادی الاولیٰ ۳ھ	تین سو (۳۰۰)	〃
۱۱	غزوۂ اُحد	شوال ۳ھ		قتال ہوا
۱۲	غزوۂ حمراء الاسد	شوال ۳ھ		قتال نہیں ہوا
۱۳	غزوۂ بنی نضیر	ربیع الاول ۴ھ		جلاوطن کیے گئے

نمبر	غـزوہ	سـنہ	تعداد شرکاء	کیفیت
۱۴	غزوۂ بدر الموعد (بدر الصغریٰ)	ذوقعدہ سنہ ۴ھ	پندرہ ۱۵۰۰ سو	قتال نہیں ہوا
۱۵	غزوۂ ذاتِ الرقاع	محرم سنہ ۴ھ	۴۰۰ یا ۷۰۰	"
۱۶	غزوۂ دومۃ الجندل	ربیع الاول سنہ ۵ھ	۱۰۰۰-ایک ہزار	"
۱۷	غزوہ مُریسیع	شعبان سنہ ۵ھ		قتال ہوا
۱۸	غزوۂ خندق (احزاب)	ذوقعدہ سنہ ۵ھ	تین ہزار ۳۰۰۰	"
۱۹	غزوہ بنی قریظہ	ذوقعدہ سنہ ۵ھ	تین ہزار ۳۰۰۰	
۲۰	غزوہ بنی لحیان (عُسفان)	ربیع الاول سنہ ۶ھ	دو ۲۰۰ سو	قتال نہیں ہوا
۲۱	غزوہ غابہ	ربیع الاول سنہ ۶ھ	۵۰۰ یا ۷۰۰	
۲۲	غزوہ حُدیبیہ	ذوقعدہ سنہ ۶ھ	۱۴۰۰-یا ۱۶۰۰	قتال نہیں ہوا
۲۳	غزوۂ خیبر	جمادی الاولیٰ سنہ ۷ھ	۱۴۰۰	قتال ہوا
۲۴	غزوۂ فتح مکہ	رمضان سنہ ۸ھ	دس ہزار ۱۰۰۰۰	معمولی قتال ہوا
۲۵	غزوہ حنین (ہوازن)	شوال سنہ ۸ھ	بارہ ۱۲ ہزار	قتال ہوا
۲۶	غزوۂ طائف	شوال سنہ ۸ھ		قتال ہوا
۲۷	غزوۂ تبوک (غزوۃ العسرہ)	رجب سنہ ۹ھ	تیس ہزار ۳۰۰۰۰	قتال نہیں ہوا

سرایا

نمبر	سـریہ	سـنہ	بجانب	شرکاء	کیفیت
۱	سریۂ حمزہ بن عبد المطلب	رمضان سنہ ۱ھ	سیف البحر	تیس ۳۰ مہاجرین	قتال نہیں ہوا
۲	سریۂ عبیدہ بن حارث	شوال سنہ ۱ھ	بطن رابغ	ساٹھ ۶۰ مہاجرین	معمولی تیراندازی
۳	سریۂ سعد بن ابی وقاص	ذوقعدہ سنہ ۱ھ	خـرّار	بیس ۲۰ مہاجرین	قتال نہیں ہوا

نمبر	سریہ	سنہ	بجانب	شرکاء	کیفیت
۴	سریہ عبداللہ بن جحش اسدی	رجب ۱ھ	بطن نخلہ	بارہ ۱۲ مہاجرین	قتال ہوا
۵	سریہ عمیر بن عدی خطمی	رمضان ۲ھ	شاتمہ رسول عصماء بنت مروان	ایک نفر	قتل ہوا
۶	سریہ سالم بن عمیر عمری	شوال ۲ھ	شاتم رسول ابوعفک یہودی	ایک نفر	قتل ہوا
۷	سریہ قتل کعب بن اشرف یہودی	ربیع الاول ۳ھ	شاتم رسول کعب بن اشرف	محمد بن مسلمہ اور ایکے چند نفر	قتل ہوا
۸	سریہ زید بن حارثہ	جمادی الاخریٰ ۳ھ	قردہ (نجد)	ایک سو سوار	بغیر قتال حصولِ غنیمت
۹	سریہ ابی سلمہ بن عبدالاسد مخزومی	محرم ۴ھ	قطن (قریب فید)	۱۵۰ مہاجرین وانصار	بغیر قتال
۱۰	سریہ عبداللہ بن انیس	محرم ۳ھ	عرنہ برائے قتل سفیان بن خالد ہذلی	عبداللہ بن انیس	قتل ہوا
۱۱	سریہ منذر بن عمرو ساعدی	صفر ۴ھ	بئر معونہ	ستر ۷۰ نوجوان قراء	شب شہید کردیئے گئے
۱۲	سریہ مرثد بن ابی مرثد غنوی	صفر ۴ھ	مقام رجیع	دس ۱۰ نفر انصار	شہید کردیے گئے
۱۳	سریہ محمد بن مسلمہ	محرم ۵ھ	قرطاء (بطن بنی بکر)	ایک نفر	قتال اور حصولِ غنیمت
۱۴	سریہ عکاشہ بن محصن اسدی	ربیع الاول ۶ھ	غمر مرزوق	چالیس ۴۰ نفر	حصولِ غنیمت بغیر قتال
۱۵	سریہ محمد بن مسلمہ	ربیع الاول ۶ھ	ذی القصہ	دس ۱۰ نفر	
۱۶	سریہ ابوعبیدہ بن جراح	ربیع الآخر ۶ھ	ذی القصہ	چالیس ۴۰ نفر	" " "
۱۷	سریہ زید بن حارثہ	ربیع الآخر ۶ھ	بنی سلیم (جموم ناحیہ بطن نخل)		" " "
۱۸	سریہ زید بن حارثہ	جمادی الاولیٰ ۶ھ	مقام عیص	ایک سو ستر ۱۷۰ سوار	" " "
۱۹	سریہ زید بن حارثہ	جمادی الاخریٰ ۶ھ	مقام طرف (بنی ثعلبہ)	پندرہ ۱۵ نفر	غنیمت بغیر قتال
۲۰	سریہ زید بن حارثہ	جمادی الاخریٰ ۶ھ	مقام حسمیٰ (اور وادی القریٰ)	پانچ سو نفر	قتال وحصولِ غنیمت
۲۱	سریہ زید بن حارثہ	رجب ۶ھ	وادی القریٰ		قتال نہیں ہوا
۲۲	سریہ عبدالرحمٰن بن عوف	شعبان ۶ھ	دُومۃ الجندل		
۲۳	سریہ علی بن ابی طالب	شعبان ۶ھ	فدک (بنی سعد بن بکر)	ایک سو ۱۰۰ نفر	حصولِ غنیمت بغیر قتال

نمبر	سریہ	سنہ	بجانب	شرکاء	کیفیت
۲۴	سریہ زید بن حارثہ	رمضان ۶ھ	ام قرفہ (ناحیہ وادی القریٰ)		قتل وحصول غنیمت
۲۵	سریہ عبداللہ بن عتیک	رمضان ۶ھ	ابورافع بن ابی حقیق یہودی	پانچ نفر	قتل ہوا
۲۶	سریہ عبداللہ بن رواحہ	شوال ۶ھ	اسیر بن زارم یہودی (خیبر)	تیس ۳۰ نفر	قتال ہوا
۲۷	سریہ کُرز بن جابر فہری	شوال ۶ھ	عُرینہ (عرنیین) (خیبر)	بیس ۲۰ سوار	قتل کئے گئے
۲۸	سریہ عمرو بن امیہ ضمری		مکہ	دو ۲ نفر	ایک قتل ہوا، ایک گرفتار ہو کر مسلمان ہوا
۲۹	سریہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ	شعبان ۷ھ	تُربہ (ہوازن)	تیس ۳۰ نفر	قتال نہیں ہوا
۳۰	سریہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	شعبان ۷ھ	نجد (بنی کلاب)		قتال ہوا
۳۱	سریہ بشیر بن سعد انصاری	شعبان ۷ھ	فدک (بنی مرّہ)	تیس ۳۰ نفر	"
۳۲	سریہ غالب بن عبداللہ لیثی	رمضان ۷ھ	مَیفعہ (بنی عوال و بنی عبد بن ثعلبہ)	ایک سو تیس ۱۳۰	"
۳۳	سریہ بشیر بن سعد انصاری	شوال ۷ھ	یُمن و جبار	تین سو ۳۰۰ نفر	حصول غنیمت بغیر قتال
۳۴	سریہ ابن ابی العوجاء سُلمی	ذوالحجہ ۷ھ	بنی سُلیم	پچاس ۵۰ نفر	قتال ہوا
۳۵	سریہ غالب بن عبداللہ لیثی	صفر ۸ھ	بنی ملوح (کَدید)	دس ۱۰ نفر سے زائد	قتال نہیں ہوا
۳۶	سریہ غالب بن عبداللہ لیثی	صفر ۸ھ	فُدک	دو سو ۲۰۰ نفر	معمولی قتال
۳۷	سریہ شجاع بن وہب اسدی	ربیع الاول ۸ھ	سِیّ (بنی عامر)	چوبیس ۲۴ نفر	حصول غنیمت بغیر قتال
۳۸	سریہ کعب بن عُمیر غفاری	ربیع الاول ۸ھ	ذات اطلاح (قریب وادی القریٰ)	پندرہ ۱۵ نفر	شدید قتال اور شہادت
۳۹	سریہ مُوتہ (زید بن حارثہ)	جمادی الاولیٰ ۸ھ	مُوتہ (البلقاء، دمشق)	تین ہزار ۳۰۰۰ نفر	شدید قتال ہوا
۴۰	سریہ عَمرو بن عاص	جمادی الآخری ۸ھ	ذات السلاسل	تین سو انصار و مہاجرین پھر دو سو	قتال نہیں ہوا
۴۱	سریہ خبط (ابوعبیدہ بن جراح)	رجب ۸ھ	سیف البحر (جُہینہ)	تین سو انصار و مہاجرین	" "
۴۲	سریہ ابوقتادہ بن ربعی انصاری	شعبان ۸ھ	خضرہ (نجد)	پندرہ ۱۵ نفر	قتال ہوا
۴۳	سریہ ابوقتادہ بن ربعی انصاری	رمضان ۸ھ	بطن اضم	آٹھ ۸ نفر	قتال نہیں ہوا

۴۴	سریّہ خالد بن ولید	رمضان ۸ھ بعد فتح مکہ	عُزیٰ (بُت)	تیس سوار	عزیٰ بُت مسمار ہوا
۴۵	سریّہ عمرو بن عاص	رمضان ۸ھ	سُواع (بُت)		بُت مسمار ہوا
۴۶	سریّہ سعد بن زید اشہلی	رمضان ۸ھ	مناۃ (بُت) مشلل	بیس سوار	بُت مسمار ہوا
۴۷	سریّہ خالد بن ولید	شوال ۸ھ	بنی جذیمہ (اسفل مکہ)	۳۵۰ انصار و مہاجرین	قتال ہوا
۴۸	سریّہ طفیل بن عمرو دوسی	شوال ۸ھ	ذوالکفین (بُت)	قبیلہ دوس کے افراد	بُت مسمار ہوا
۴۹	سریّہ عُیینہ بن حصن فزاری	محرم ۹ھ	بنی تمیم	پچاس عرب سوار	قتال نہیں ہوا قیدی لائے گئے
۵۰	سریّہ قطبہ بن عامر	صفر ۹ھ	قبیلہ خثعم (ناحیہ بیشہ)	بیس نفر	قتال ہوا
۵۱	سریّہ ضحاک بن سفیان کلابی	ربیع الاول ۹ھ	بنی کلاب (قرطاء)	جیش	"
۵۲	سریّہ علقمہ بن مجزز مدلجی	ربیع الآخر ۹ھ	حبشہ	تین سو نفر	قتال نہیں ہوا
۵۳	سریّہ علی بن ابی طالب	ربیع الآخر ۹ھ	فلس صنم طی	۱۵۰ نفر	بُت مسمار ہوا
۵۴	سریّہ عکاشہ بن محصن اسدی	ربیع الآخر ۹ھ	جناب (ارض عذرہ و بلی)		
۵۵	سریّہ خالد بن ولید	ربیع الاول ۱۰ھ	نجران (بنی عبد المدان)		
۵۶	سریّہ علی بن ابی طالب	رمضان ۱۰ھ	یمن	تین سو سوار	قتال پھر اسلام
۵۷	سریّہ اسامہ بن زید بن حارثہ	صفر ۱۱ھ	اہل اُبنیٰ (ناحیہ بلقاء) برائے غزوۂ روم		

شرکاء ان غزوات وسرایا میں صحابہ اپنے جان و مال کے ساتھ نہایت ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے۔ بہت سے قدیم الاسلام صحابہ تمام غزوات وسرایا میں حاضر باش رہے، اور دُور دراز قبائل کے مسلمان حسب موقع ان میں شرکت کرتے رہے۔ اور بعد میں اس کو اسلامی مجد و شرف سمجھ کر تشکر و امتنان کے طور پر اس کا تذکرہ بھی کیا کرتے تھے،

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں نے سات

غزوات کیے ہیں، اور نو سریّہ میں رہ کر جہاد کیا ہے۔ ان میں امیر کبھی ابوبکرؓ ہوتے اور کبھی اسامہؓ بن زید ہوتے، [۱]

مشہور تابعی زِرّ بن حُبیش نے حضرت صفوان بن عسّال مرادیؓ سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، میں نے آپ کے ساتھ بارہ غزوات کئے ہیں[۲]۔ حضرت براء بن عازبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں پندرہ ۱۵ غزوات کئے ہیں[۳]

حضرت مجدی ضمریؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نو غزوات میں شرکت کی ہے[۴]۔ حضرت ابو برزہ اسلمی نضلہ بن عبیدؓ نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات کئے ہیں، میں نے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو سہولت اور رخصت دیکھی ہے، اس پر عمل کرتا ہوں[۵]

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقمؓ سے دریافت کیا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کتنے غزوات کئے ہیں؟ انھوں نے سترہ ۱۷ غزوات میں شرکت بتا کر ان کے اکثر احوال بیان کئے۔[۶]

حضرت انس بن مالکؓ نے بتایا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ، عمرۃ القضاء، حجۃ الوداع، فتح مکہ، غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف میں شریک رہا ہوں،[۷]

حضرت عمرو بن اخطب انصاریؓ کے بارے میں تصریح ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ ۱۳ غزوات میں شرکت کی ہے[۸]

حضرت جابر بن عبداللہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیس ۲۱ غزوات کئے ہیں

---

[۱] بخاری، کتاب المغازی، مسلم، کتاب الجہاد والسیر، [۲] طبقات ابن سعد ص ۲۷ ج ۶، [۳] تاریخ کبیر ص ۱۱۷ ج ۱ قسم ۲،
[۴] تاریخ کبیر ص ۵۶ ج ۴ قسم ۱، اصابہ ص ۴۴ ج ۶، [۵] تاریخ کبیر ج ۴ قسم ۲ ص ۱۱۸، [۶] معرفۃ علوم الحدیث ص ۲۳۸،
[۷] تہذیب التہذیب ص ۳۷۶ ج ۱، [۸] طبقات ابن سعد ص ۲۸ ج ۷، تہذیب التہذیب ص ۷ ج ۸،

اور میں تو ہیں شریک رہا ہوں، غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک نہیں ہو سکا۔ کیونکہ میرے والد نے روک دیا تھا۔ اور جب وہ شہید ہو گئے تو میں کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا۔[1]

اسحاق بن عثمان کلابی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انسؓ کے صاحبزادے موسیٰ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے ہیں؟ انھوں نے ستائیس ۲۷ غزوات بتائے۔ ان میں سے آٹھ غزوات میں مہینوں مہینوں قیام کیا، اور انیس ۱۹ میں کئی کئی دن ٹھہرے رہے، اس کے بعد میں نے پوچھا کہ آپ کے والد حضرت انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنے غزوات میں شرکت کی؟ انھوں نے بتایا کہ ایسے غزوات کی تعداد آٹھ ہے۔[2]

حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ میں اٹھارہ ۱۸ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں،[3]

حضرت حکم بن حارث سلمیؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سات غزوات کئے ہیں، جن میں آخری غزوۂ حنین ہے۔[4]

حضرت عتبہ بن فرقدؓ کے بارے میں تصریح ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو ۲ غزوات میں شرکت کی ہے۔[5]

حضرت کعب بن مالکؓ کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے علاوہ میں کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا البتہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھا، اور اس میں عدم شرکت پر کسی سے مواخذہ نہیں تھا۔[6]

ایک مہاجر صحابیؓ نے روم میں جہاد کے موقع پر بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین غزوات میں شرکت کی ہے، ان میں آپ سے سنتا رہا کہ تین چیزوں میں مسلمان

---

[1] مسلم، کتاب الجہاد والسیر، [2] تاریخ کبیر ج ۱ قسم ۱ ص ۲۹۸، [3] ایضاً ج ۲ قسم ۲ ص ۲۹۲، [4] طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۷۶، [5] الجرح والتعدیل ج قسم ۱ ص ۳۷۳، [6] بخاری شریف کتاب المغازی، باب غزوۂ تبوک،

برابر کے شریک ہیں، پانی، گھاس (چارہ) اور آگ [1]

طبقات وتراجم کی کتابوں میں بہت سے صحابہ کے بارے میں تصریح ہے کہ شَهِدَ المَشَاهِدَ کلّها۔ یعنی انھوں نے تمام غزوات میں شرکت کی ہے۔ ایسے حضرات سے سیَر ومغازی کی رُوایتیں نہایت تفصیل اور صحت کے ساتھ مروی ہیں۔

مغازی کے خصوصی راوی

یوں تو سیر ومغازی کے تذکرے عام طور سے ہوا کرتے تھے مگر کچھ حضرات خاص طور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی اور اس سلسلہ کے اسفار بیان کرنے میں شہرت رکھتے تھے، اور کچھ حضرات خاص خاص واقعات کی روایت کرتے تھے۔ اور لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوکر فیضیاب ہوتے تھے۔

حضرت صہیب بن سنان رومیؓ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق اور دوسرے تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسفر رہے ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے صرف آپ کے غزوات واسفار کی حدیثیں بیان کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے بارے میں بیان کیا ہے۔

لم یشهد رسول الله صلی الله علیه وسلم مشهداً قط الا کنت حاضره ولم یبایع بیعة قطُّ الا کنتُ حاضرہ، ولم یسر سریۃً قطُّ الا کنت حاضرها، ولا غزا غزاۃ الا کنت فیها عن یمینه اوشماله، وما خافوا امامهم الا کنت امامهم، ولا وراءهم الاکنتُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تشریف لے گئے میں حاضر رہا، آپ نے جو بیعت لی، میں حاضر رہا آپ نے جو سریہ روانہ فرمایا میں حاضر رہا، آپ نے جو غزوہ فرمایا میں آپ کے دائیں بائیں حاضر رہا، صحابہ جہاں آپ کے سامنے خطرہ محسوس کرتے میں ان کے آگے ہوتا، اور جہاں آپ کے پیچھے خطرہ محسوس کرتے میں ان کے

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صنہ۱۵،

وراءھم، وما جعلت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بینی وبین العدو قط حتی توفی، [1]

پیچھے ہوتا۔ الغرض آپؐ کے وصال تک میں آپ کے اور دشمن کے درمیان حائل رہا

حضرت صہیب صرف غزوات کے حالات بیان کرنے پر سختی سے عمل کرتے تھے۔ سلیمان بن ابو عبداللہ کا بیان ہے کہ جب ہم لوگ حضرت صہیبؓ سے حدیث کے بارے میں سوال کرتے۔ تو جواب دیا کرتے تھے۔

لا احدث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، ولکن ان شئتم حدثتکم عن مغازیہ، واسفارہ، [2]

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان نہیں کروں گا۔ البتہ اگر تم لوگ چاہو تو آپ کے غزوات اور اسفار بیان کردوں

سلیمان بن ابو عبداللہ سے دوسری روایت یوں ہے۔

کان صھیب یقول: ھلموا نحدثکم عن مغازینا، فاما ان اقول: قال رسول اللّٰہ فلا، [3]

حضرت صہیب کہا کرتے تھے کہ آؤ تم لوگوں سے ہم اپنے غزوات بیان کریں۔ البتہ "قال رسول اللہ" نہیں کہوں گا۔

بہت سے صحابہ غزوات میں اپنے اور دوسروں کے خاص خاص واقعات بیان کیا کرتے تھے، اور وہ ان کی روایت میں منفرد مانے جاتے تھے۔ سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت مقداد بن اسودؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تھا، ان سب حضرات میں صرف طلحہؓ بن عبیداللہ غزوۂ احد کے واقعات بیان کر رہے تھے۔

فما سمعت احدًا منھم یحدث عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

میں نے ان میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنا

---

[1] اصابہ ص ۲۵۵ ج ۲، [2] کتاب الثقات ابن حبان ص ۲۱۴ ج ۴، [3] طبقات ابن سعد ص ۲۲۹ ج ۳،

إلاَّ انّی سَمِعْتُ طلحة یحدث عن یوم احدٍ۔ [1]	البتہ طلحہ کو غزوۂ احد کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سُنا،

غزوۂ بدر میں ابوجہل کے قاتل دونوخیز بھائی معاذ بن حارثؓ اورمعوذ بن حارثؓ ہیں جو اپنی ماں کی نسبت سے ابنیٔ عفراء کی کنیت سے مشہور ہیں۔ ان دونوں لڑکوں کی بہادری کے چشم دید راوی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں جو اس واقعہ کو نہایت اچھے انداز میں بیان کرتے تھے، اور اس کے خاص راوی تھے۔ صحیح بخاری میں ان کی یہ روایت موجود ہے، ان کی اولاد اس واقعہ کو خاندانی روایت کے طور پر بیان کرتی تھی، اور اہل علم اس کو لکھتے تھے۔ امام بخاریؒ کے استاذ علی بن عبداللہ مدینیؒ نے بھی ان ہی کی روایت سے اس کو لکھا ہے، امام بخاریؒ کہتے ہیں۔

حدثنی علی بن عبد اللہ، قال: کتبتُ عن یوسف بن الماجشون، عن صالح بن ابراھیم، (بن عبدالرحمٰن بن عوف) عن ابیہ عن جدّہ فی بدر یعنی حدیث ابنی عفراء [2]	علی بن عبداللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ غزوۂ بدر میں عفراء کے دونوں لڑکوں کا واقعہ میں نے یوسف بن ماجشون سے لکھا ہے۔ انھوں نے صالح بن ابراہیم سے، انھوں نے اپنے والد ابراہیم سے۔ انھوں نے صالح کے دادا یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کیا،

* * * * *

ایک مرتبہ صحابہ میں اختلاف ہوا کہ غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کا علاج کس چیز سے ہوا۔ اس وقت مدینہ میں حضرت سہل بن سعدؓ آخری صحابی زندہ تھے، لوگوں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے پہلے کہا۔

ما بقی من الناس احدٌ اعلم منّی بہٖ	اس بات کا مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی شخص باقی نہیں رہا۔

* * * * *

[1] بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب من حدث بشاہدہ فی الحرب، [2] بخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جہل ج ۲ ص ۳ (بحاشیہ سندھی)

یہ مسند حمیدی کی روایت ہے، صحیح بخاری کی روایت میں ہے۔

اما واللہ انی لاعرف من کان یغسل جرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن کان یسکب الماء، وبما دُوِیَ،	واللہ میں اس شخص کو خوب پہچانتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم دھو رہا تھا، اور جو پانی ڈال رہا تھا، اور جس چیز کے ذریعہ آپؐ کا علاج کیا گیا تھا۔

پھر بتایا کہ حضرت فاطمہؓ زخم دھوتی تھیں، حضرت علیؓ پانی ڈالتے تھے، اور حضرت فاطمہ نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر زخم پر رکھا تو خون بند ہوا، [1]

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مغازی کے بہت سے واقعات مروی ہیں، خاص طور سے واقعۂ افک کی طویل روایت ان کے خواہر زادے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب، علقمہ بن وقاص اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود نے ان سے نقل کی ہے

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک رہے ہیں۔ البتہ غزوۂ تبوک میں شرکت سے محروم رہے۔ اور اس غزوہ کے مفصل حالات بیان کئے ہیں۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سترہ غزوات کئے ہیں اور ان کے اکثر و بیشتر حالات بیان کئے ہیں، ابو عبد اللہ حاکم نے لکھا ہے

قد اخبر زیدٌ عن اکثر الاحوال التی شہدھا [2]	زید بن ارقم نے جن غزوات میں شرکت کی ان کے اکثر واقعات بیان کئے ہیں۔

اسی طرح صحابہ میں ایک بڑی جماعت سے سیر و مغازی کے واقعات منقول ہیں، اور اس کے بارے میں اس کو نمایاں حیثیت حاصل ہے

حضرت عقیل بن ابو طالب رضی اللہ عنہ قبیلۂ قریش کے انساب و ایام اور مآثر کے

[1] مسند حمیدی ج ۲ ص ۴۱۵، بخاری کتاب المغازی، باب غزوۂ احد ج ۳ ص ۱۷ [2] معرفۃ علوم الحدیث ج ۲ ص ۲۳۸،

سب سے بڑے عالم تھے، لوگ ان سے مسجدِ نبوی میں اس کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور وہ نہایت اہتمام سے تکیہ لگائے ہوئے، لوگوں کو معلومات بہم پہونچاتے تھے۔ ان کے حال میں لکھا ہے۔

وکان اعلم قریش بالنسب واعلمھم بایامھا وکانت لہ طنفسۃ تطرح لہ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویجتمع الناس الیہ فی علم النسب ایام العرب۔	وہ قریش کے سب سے بڑے عالم انساب اور قریش کی جنگوں کے سب سے بڑے عالم تھے، مسجدِ نبوی میں ان کے لئے خاص طور سے تکیہ رکھا جاتا تھا اور لوگ ان کے پاس جمع ہو کر نسب اور ایام عرب کا علم حاصل کرتے ہیں۔

(اسد الغابہ ص ۴۲۳ ج ۳، اصابہ ص ۲۵۵ ج ۴، تہذیب الاسماء واللغات ص ۲۳۳ ج ۱)۔

ان ایام قریش اور ایام عرب میں جاہلی دور کی لڑائیوں کی طرح اسلامی دور کے غزوات کا ذکر بھی ہوتا تھا، خاص طور سے جن غزوات کا تعلق قریش سے تھا ان کو تفصیل سے بیان کیا جاتا تھا۔

ایامِ عرب کے تذکرے

ماضی کی شاندار روایات کو یاد رکھنا، اور آباء و اجداد کے محاسن و مفاخر کو بیان کرنا، قدیم زمانہ سے دنیا کی قوموں کا محبوب مشغلہ رہا ہے، جاہلی عربوں کے یہاں اس کا خاص اہتمام تھا۔ وہ اپنے قصائد و اشعار، اور قصص و اسمار کے ذریعہ آنے والی نسلوں کو آبائی اور قبائلی روایات سے آگاہ کرتے تھے، ان کے یہاں جود و سخا، ایفائے وعدہ، مہمان نوازی، قبائلی حمیت، حق جوار جیسے امور بہترین اوصاف شمار کئے جاتے تھے، اور باہمی جنگ و جدال، قومی ایام و وقائع، احساب و انساب کی داستانیں بڑے فخر سے سنی سنائی جاتی تھیں۔

عربوں میں نوشت و خواند کا رواج بہت کم تھا۔ اپنے خداداد حافظہ کی وجہ سے وہ

بڑی حد تک اس سے مستغنی تھے۔ اس لئے قبائلی اور قومی مفاخر و محاسن کو آنے والی نسلوں تک زبانی طور سے پہونچاتے تھے۔ اس کے لئے خاص اہتمام کرتے تھے، باہمی مفاخرہ کی مجلسیں قائم کی جاتی تھیں، مشاعرے منعقد کئے جاتے تھے، چاندنی راتوں میں کھلی جگہ میں جمع ہوکر اپنے قبائل کے بہادرانہ کارنامے سنائے جاتے تھے۔ یمن اور شام سے متصل قبائل اپنے بادشاہوں کے واقعات بیان کرتے تھے، جب کہ عام قبائل آبائی مفاخر کے بیان میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔

مجلسِ نبویؐ میں بعض ایّامِ عرب کا تذکرہ

جاہلی دور کے اچھے کارناموں اور معرکوں کا ذکر بعض اوقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بھی کیا کرتے تھے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلف الفضول کا تذکرہ فرمایا اور کہا کہ اگر آج بھی ایسی جماعت کے لئے مجھے دعوت دی جائے تو میں اس میں شریک رہوں گا۔

آپ کے عہد میں عربوں اور کسریٰ کی فوجوں میں کوفہ اور واسط کے درمیان مقام ذی وقار میں زبردست جنگ ہوئی جس میں عربوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عجم کے مقابلہ میں عرب کی پہلی فتح قرار دے کر فرمایا کہ یہ میرے وجود کا فیض تھا۔

یوم ذی وقار، اوّل یوم انتصفت العرب من العجم، و بی نصروا[1]	جنگِ ذی وقار پہلی جنگ ہے جس میں عربوں نے عجم پر فتح پائی، اور میری وجہ سے انکی مدد کی گئی،

اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ نعمان بن منذر نے کسریٰ پرویز کے خوف سے بھاگتے وقت اپنے اہل وعیال اور زرہ کو ہانی بن مسعود بن عامر شیبانی کے پاس امانت رکھا، کسریٰ پرویز نے ہانی بن مسعود سے نعمان بن منذر کے دو بیٹوں اور زرہوں کا مطالبہ کیا اس نے صاف انکار کر دیا تو کسریٰ نے بنو شیبان پر فوج کشی کا حکم دیا اور شدید جنگ کے بعد

[1] تاریخ کبیر ج ۱ قسم ۱ ص ۶۳،

بنو شیبان کو کسرائی لشکر کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوئی، یہ پہلا موقع تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عربوں کو عجمیوں پر فتح حاصل ہوئی۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ وہاں ایک جماعت ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک علامہ آدمی آیا ہے، آپ نے دریافت فرمایا کہ علامہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ۔

رجل عالم بایام الناس، وعالم بالعربیۃ، وعالم بانساب العرب۔	ایسا آدمی جو لوگوں کی جنگوں کا عالم ہو، عربی زبان کا عالم ہو، اور انساب عرب کا عالم ہو،

آپ نے فرمایا کہ یہ علم مضر نہیں ہے، بعض روایات میں الفاظ کچھ مختلف ہیں، [2]

حضرت عمرؓ اپنے دور خلافت میں عرب کے مشہور شہ سوار اور بہادر عمرو بن معدیکرب سے زمانۂ جاہلیت کی معرکہ آرائیوں اور ایرانیوں سے جنگوں کے واقعات معلوم کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ عمرو بن معدیکرب کوفہ سے مدینہ آئے تو حضرت عمر نے ان سے متعدد سوالات کئے اور ان کے جوابات سُن کر دریافت کیا کہ کیا تم کبھی ایرانیوں کی ہیبت و مرعوبیت کی وجہ سے پسپا ہوئے ہو؟ عمرو بن معدیکرب نے کہا کہ واللہ میں زمانۂ جاہلیت میں کبھی جھوٹ نہیں بولا ہوں۔ اسلام کے بعد کیسے جھوٹ بولوں گا؟ میں آپ سے ایک ایسا واقعہ بیان کرتا ہوں جس کو آپ سے کسی نے بیان نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد عمرو بن معدیکرب نے نہایت تفصیل سے اہل فارس سے اپنی جنگ کے واقعات بیان کئے، مسعودی نے مروج الذہب میں پورا بیان درج کیا ہے۔ (ج ۲ ص ۳۳۵ تا ص ۳۳۸)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عشاء کے بعد تہائی رات تک اخبار عرب، عرب و عجم کے ایام و حروب، گزشتہ بادشاہوں کے واقعات و حالات اور ان کی سیاست [illegible] کے احوال سنا کرتے تھے، اور رات کے آخری حصہ میں بادشاہوں کی لڑائیوں [illegible] واقعات

---

[1] المعارف ص ۲۶، العمدۃ فی الشعر و نقدہ، ابن رشیق ص ۲۰۶ ج ۲، [2] الانساب سمعانی ص ۹ ج ۱، جامع بیان العلم ص ۲۳ ج ۱، کنز العمال ص ۲۲۵ ج ۵ (طبع قدیم)

اوران کے احوال سنتے تھے اس کام کے لئے خاص طور سے چند لوگ مقرر تھے جو کتابیں پڑھ کران کو سناتے تھے، مسعودی نے تفصیل سے حضرت معاویہؓ کے اوقات اوران کے مشاغل بیان کئے ہیں۔ (مروج الذہب ج ۳ ص۳۹ تا ص۴۱)

حضرت عقیل بن ابوطالبؓ اپنے زمانہ میں قریش کے سب سے بڑے ماہر انساب اور ان کی لڑائیوں کے عالم تھے۔

وکان تطرح له طنفسة فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم فیجتمع الناس علیه فی علم النسب وایام العرب (تهذیب الاسماء واللغات ج۱ ص۳۳۷)

ان کے لئے مسجد نبویؐ میں تکیہ لگایا جاتا تھا اور لوگ نسب اور ایام عرب سننے کے لئے ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔

صحابہ اور تابعینؒ کی مجالس میں ایامِ عرب کا تذکرہ

حضرات صحابہ بھی بعض اوقات اپنی مجلسوں میں جاہلی دور کے ایام عرب یعنی عربوں کی جنگوں کا تذکرہ کیا کرتے تھے، ابو خالد والبیؒ کوفی متوفی ۱۰۰ھ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت خباب بن ارتؓ کے صحبت یافتہ اور عبداللہ بن عباسؓ اور جابر بن سمرہؓ سے حدیث کے راوی ہیں، امام اعمشؒ ان سے روایت کرتے ہیں کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن تابعی حضرات صحابہ کی مجالس میں رہ چکے ہیں، وہ ان کے بارے میں اپنا مشاہدہ اور تجربہ بیان کرتے ہیں۔

لم یکن اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم متحزقین، ولا متماوتین وکانوا یتناشدون الشعر فی مجالسهم، ویذکرون امر جاهلیتهم، فاذا دعوا علی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نہ منقبض تھے اور نہ ان پر مردنی چھائی رہتی تھی، بلکہ اپنی مجلسوں میں اشعار سنتے سناتے تھے، اور دور جاہلیت کے واقعات بیان کرتے تھے، اور جب

شیئٌ من امر اللہ دارت	ان میں سے کسی کو اللہ کے کسی حکم کی
حمالیق عینیہ کانہ مجنون	دعوت دی جاتی تو اس کی آنکھوں میں
(الادب المفرد، بخاری، باب الکبر)	گردش پیدا ہو جاتی تھی، جیسے وہ دیوانہ ہے
حدثنا ابو خالد الوالبی قال:	ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ
کنا نجالس اصحاب النبی صلی اللہ	کی مجلسوں میں بیٹھا کرتے تھے، وہ حضرات
علیہ وسلم فیتناشدون الاشعار،	آپس میں اشعار سنتے سناتے تھے اور زمانۂ
ویتذاکرون ایامھم فی الجاھلیۃ[1]	جاہلیت کی لڑائیوں کے تذکرے کیا کرتے تھے،

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی مجلسِ درس میں فقہ، تفسیر، مغازی، انساب کی طرح ایک دن خاص طور سے جاہلی عربوں کے ایام و وقائع کے بیان کے لئے مقرر تھا، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ کا بیان ہے۔

ولقد کان یجلس یوما لا یذکر فیہ	حضرت ابن عباس اپنی مجلس درس میں
الا الفقہ ویوما التاویل، ویوما	ایک دن صرف فقہ، ایک دن صرف تفسیر،
المغازی، ویوما الشعر، ویوما	ایک دن صرف مغازی اور ایک دن اشعار،
ایام العرب،	اور ایک دن صرف ایام عرب بیان کرتے تھے،

ایک روایت میں ہے کچھ لوگ ابن عباسؓ کے درس میں اشعار کے لئے، کچھ لوگ انساب کے لئے اور کچھ لوگ عربوں کے ایام و وقائع کے لئے آتے تھے۔

وناسٌ لایام العرب ووقائعھا[2]	کچھ لوگ آپ کی مجلسِ درس میں عربوں کی جنگوں کا تذکرہ سننے کے لئے آتے تھے۔

⁂ ⁂ ⁂ ⁂ ⁂

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلمیذ رشید اور علم و عمل میں ان کے مثنّٰی علقمہ بن قیس رح اپنے حلقۂ درس میں جب طلبہ کے اندر نشاط دیکھتے تو ان کو ایام عرب کی داستانیں سنانے لگتے تھے

---

[1] جامع بیان العلم ص ۱۰۱ ج ۱، [2] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۶۷،

کان علقمة اذا رای من القوم	علقمہ جب جماعت میں نشاط دیکھتے تو
اشاشا ذکر فی الایام [1]	ایام عرب کا ذکر چھیڑ دیتے تھے۔

جاہلی ایام وحروب کا تذکرہ، عبرت ونصیحت کے طور پر کیا جاتا تھا، اس میں فخر وغرور کا جذبہ نہیں ہوتا تھا،

سیر ومغازی کی اہمیت اور عام مذاکرہ

کسی تازہ دم قوم کے اسلاف کے فاتحانہ کارنامے اور شجاعانہ کردار اس کے نزدیک بہت عزیز ہوتے ہیں اور ان کی یاد سے زندگی میں تازگی وتوانائی باقی رہتی ہے، پھر عرب خاندانی معرکوں اور قبائلی جنگوں کے واقعات محفوظ رکھتے تھے، اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اور افعال واقوال میں سب سے پہلے مغازی کی روایتیں پھیلیں، اور سب سے پہلے اسی فن کی بنیاد پڑی۔

ابتدائی دور میں تکثیر روایت سے روکا گیا مگر غزوات وسرایا کے بیان کے لئے زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کیا گیا، خلافتِ راشدہ اور خلافت امویہ کا پورا دور اسلامی فتوحات سے پُر تھا، اس دور میں مسلمانوں میں ایمانی حرارت اور جذبۂ جہاد کے بقا وتحفظ کے لئے غزوات کے واقعات اور ان کے متعلق احکام ومسائل زیادہ سے زیادہ بیان کئے جاتے تھے، اور ان سے تشویق وترغیب اور تنفیر کا کام لیا جاتا تھا، حتیٰ کہ اسی زمانہ میں علم مغازی کی اہمیت وافادیت اس کی باقاعدہ تدوین کا باعث ہوئی اور پہلی صدی کے نصف ثانی ہی میں مدینہ منورہ میں اجلۂ تابعین نے کتاب المغازی کے نام سے کم از کم تین کتابیں لکھیں، اس کے بعد دوسری صدی کی ابتدا میں احادیث کے جمع وترتیب کا کام شروع ہوا، اور اس کے نصف میں پورے عالم اسلام میں فقہی ترتیب پر کتابیں تصنیف کی گئیں یعنی احادیث کی تدوین سے تقریباً سو سال پہلے سیر ومغازی پر

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ صنہ ۹۰،

کتابیں لکھی جا چکی تھیں،

صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں سیر و مغازی کا تذکرہ مسلمانوں کا محبوب مشغلہ تھا اور وہ طرح طرح سے اٹھتے بیٹھتے، چلتے، پھرتے، باتوں بات میں، عمومی اور خصوصی مجلسوں میں، مسجدوں میں باہمی ملاقاتوں میں، میدان جہاد میں ان کا مذاکرہ کرتے تھے، غزوات کے مقامات و مشاہد اور مقابر کی زیارت کرتے ان کے متعلق واقعات معلوم کرتے تھے، بعض اوقات اس سلسلہ میں سفر بھی کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ فن مغازی کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی تھی اور اس کے لئے خصوصی درسگاہیں تھیں جن میں اہل علم ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے، اور دینی علوم کے مرکزی مقامات مثلاً مدینہ منورہ مکہ مکرمہ، بصرہ، کوفہ اور شام وغیرہ میں مغازی کا عام چرچا تھا اور مدینہ مدرسۃ المغازی تھا، اس کے علاوہ دور دراز مقامات و قبائل کے صحابہ اور مجاہدین اپنے اپنے حلقہ میں غزوات و سرایا کا تذکرہ موقع و محل کی مناسبت سے کیا کرتے تھے اور مقامی لوگ اپنی قدیم روایات کے مطابق اپنے بزرگوں کے معرکوں کے واقعات نہایت ذوق و شوق سے سنتے اور یاد رکھتے تھے،

حضرات صحابہ غزوات و سرایا میں اپنی شرکت اور خدمات کا تذکرہ کیا کرتے تھے، اُن کا منشاء اظہار تشکر اور دوسروں کی تشجیع ہوتا تھا، امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد والسیر میں باب مَن حدث بمشاھدہ فی الحرب کا مستقل عنوان قائم کر کے حضرت سائب بن یزیدؓ کی یہ روایت درج کی ہے۔

صحبت طلحۃ بن عبید اللہ، و سعدًا، والمقداد بن الاسود، و عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم فما سمعت احدًا یذکر منھم یحدث	میں عبد الرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہ بن عبید اللہؓ اور سعد کی صحبت میں رہا ہوں، لیکن میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرتے نہیں سنا، بجز اس کے کہ

عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی سمعت طلحۃ یحدث عن یوم احد، ؎۱	میں نے طلحہ بن عبید اللہ کو غزوۂ اُحد کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سُنا۔

واقعہ یہ ہے کہ اکابر صحابہ حدیث بیان کرنے میں احتیاط برتتے تھے اور یہ حضرات بھی اسی پر عمل پیرا تھے، چنانچہ یہی سائب بن یزیدؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک گیا مگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سُنا؎۲ دوسری روایت میں ہے کہ میں سعد بن ابی وقاصؓ کے ساتھ سال سال بھر رہا ہوں مگر ایک حدیث کے علاوہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سُنا، ؎۳

نیز وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے مجھے حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت کعب بن مالکؓ کے پاس بھیج کر کہلوایا کہ کثرتِ روایت سے باز آجاؤ ورنہ میں تم لوگوں کو جبال دَوس اور جبال قروہ میں بھیج دوں گا۔ ؎۴

یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات شریعت کے متعلق احادیث کی روایت بہت احتیاط کے ساتھ کرتے تھے مگر مغازی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عام احوال بیان کرنے میں وسعت برتتے تھے، چنانچہ یہی سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر اندازی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعد! تم تیر اندازی کرو، میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، اور حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے غزوۂ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنی جاں نثاری اور فداکاری کی نمایاں مثال قائم کی جس کا تذکرہ بطورِ خاص تفصیل کے ساتھ کیا کرتے تھے، جس کا مقصد اظہارِ شکر و مسرت اور دوسروں کے لئے ترغیب ہوتا تھا، مگر علامہ شبلیؒ نے لکھا ہے کہ

؎۱ بخاری ج ۲ ص ۹۳، ؎۲ فتح الباری ج ۷ ص ۳، ؎۳ المحدث الفاصل بین الراوی والواعی ص ۵۵، ؎۴ ص ۵۵۴

روایات کے انواع میں مغازی کا درجہ سب سے متاخر رہا، اور دلیل میں سائب بن یزیدؓ کی یہی حدیث نقل کر کے لکھا ہے۔ اس لئے اس عبارت کے یہی معنیٰ ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ غزوات کے واقعات بیان نہیں کیا کرتے تھے [1]

حالانکہ کتب احادیث و مغازی میں ان مذکورہ حضرات کی بکثرت روایات موجود ہیں، نیز اُن کے علاوہ اجلّہ صحابہ کی روایات ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

سیر و مغازی کے بیان میں شدّتِ احتیاط اور دینی جذبہ

اسلامی دور آیا تو جاہلی، قبائلی اور نسلی جنگوں اور مفاخر کی جگہ اسلامی جہاد و غزوات نے لے لی، اور صحابہ و تابعین نے سیر و مغازی کو آبائی مجد و شرف اور اُخروی علم قرار دے کر ان کا ذکر عام کیا، امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد والسیر میں بَابُ مَن حدّث بمشاھدہٖ فی الحرب،، کے عنوان سے صحابہ کرام کی زبانی جہاد و غزوات کے واقعات بیان کئے ہیں۔ صحابہ کا ظاہر و باطن ایک تھا وہ اخفائے حال کا خاص خیال رکھتے تھے، اور سیر و مغازی کے بیان میں غایت احتیاط سے کام لیتے تھے، انھوں نے اپنے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے، اس میں تحدیثِ نعمت، اور تبلیغِ دین کا جذبہ کار فرما تھا، یا حالات اور ضرورت کے پیشِ نظر اُن کو بیان کرتے تھے،

ابو بُردہؒ کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک مرتبہ کہا کہ ہم لوگ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے، ہم چھ آدمیوں کے درمیان صرف ایک اونٹ تھا، جس پر باری باری سوار ہوتے تھے، پیدل چلتے چلتے ہمارے قدم لہولہان ہو گئے، میرے پیر کے ناخن تک گر گئے، ہم اپنے پیروں پر پیوند لپیٹ لیتے تھے، اسی لئے اس غزوہ کا نام "ذات الرقاع" مشہور ہوا، اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد

[1] مقدمہ سیرۃ النبی ج ۱ ص ۱۷ و ص ۱۸

ابو بُردہ کہتے ہیں۔

فَحَدَّثَ ابو مُوسیٰ بهذا الحديث وقال:	ابو موسیٰ نے یہ واقعہ بیان کر کے کہا کہ میں
ماكنتُ اصنع بان اذكره، قال: كانّهٗ	اس کو ذکر کرنا نہیں چاہتا تھا، گویا وہ
كره ان يكون شيئاً من عمله افشاء [۱]	اپنے کسی عمل کو ظاہر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک دن روزہ سے تھے، افطار کے وقت ان کے سامنے کھانا لایا گیا اور اسی حال میں ان کو اپنے دوست حضرت مصعب بن عمیرؓ کی یاد آگئی جو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے، کہنے لگے کہ مصعب بن عمیرؓ مجھسے بہتر تھے، اُن کے کفن کے لئے ایک چادر کے علاوہ اور کچھ نہ مل سکا، وہ بھی اتنی چھوٹی تھی کہ سر چھپایا جاتا تو پیر کھل جاتا اور پیر چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا، اور اب یہ زمانہ آیا ہے کہ ہم پر دُنیا اس قدر پھیلا دی گئی ہے کہ ہم کو ڈر معلوم ہو رہا ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا بدلہ دُنیا ہی میں تو نہیں دیدیا گیا ہے؟

ثمّ بَكٰى حتىّٰ ترك الطعام [۲]	اس کے بعد اس قدر روئے کہ کھانا چھوڑ دیا

حضرت خبابؓ بن ارتؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رضائے الٰہی کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی، اور اجر و ثواب کے مستحق ٹھہرے، اس کے بعد ہم میں سے کچھ لوگ اپنے اجر و ثواب کے نفع عاجل سے پہلے ہی دنیا سے چلے گئے، ان ہی میں مصعب بن عمیرؓ بھی ہیں، جو غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے اور ایک چھوٹا کمبل چھوڑا، جب ہم اس سے سر چھپاتے تو دونوں پیر کھل جاتے تھے اور جب پیر چھپاتے تو سر کھل جاتا تھا، یہ دیکھکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ ان کا سر چھپا کر دونوں پیروں پر تھوڑی سی اِذخر گھاس ڈال دو، اور ہم میں سے کچھ لوگوں کے اجر و ثواب کا درخت بار آور ہوا اور وہ پھل چُن رہے ہیں [۳]

---

[۱] بخاری کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع، [۲] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ اُحد ج۲ ص۵۷۹،
[۳] بخاری کتاب المغازی، باب غزوۃ اُحد،

حضرت عتبہ بن عزوانؓ نے امارتِ بصرہ کے زمانہ میں عوام کے سامنے ایک طویل خطبہ دیا، جس میں بتایا کہ میں ساتواں مسلمان ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں رہا کرتا تھا، ہم کو درختوں کے پتے کے علاوہ کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی، جن کے کھانے سے ہمارے جبڑے زخمی ہو گئے تھے میں نے اس زمانہ میں ایک چادر پائی جس کے دو ٹکڑے کر کے میں نے اور سعد بن ابی وقاص نے ایک ایک تہبند بنایا، آج یہ حال ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر و حاکم ہے اس کے بعد حضرت عتبہ نے کہا۔

وانی اعوذ باللہ ان اکون فی نفسی عظیماً وعند اللہ صغیراً۔ [1]	میں اس بات سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ اپنے کو بڑا سمجھوں اور اللہ کے نزدیک چھوٹا رہوں۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

ابن زغب ایادی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن حوالہ ازدیؓ میرے یہاں تشریف لائے، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا یہ صحیح ہے کہ آپ کا وظیفہ بیت المال سے دو سو تھا، مگر آپ نے صرف ایک سو لیا؟ انھوں نے کہا کہ کیا ایک سو ابن حوالہ کے لئے کافی نہیں ہے؟ اس کے بعد بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو مدینہ کے اطراف میں ایک سریہ میں بھیجا تھا، اور ہم ناکام واپس ہوئے تو آپ نے ہماری تکلیف دیکھ کر یہ دعا فرمائی۔

اللّٰھُمَّ لا تکلھُمْ الیَّ فاضعف عنھم ولا تکلھُمْ الی الناس الی انفسھِمْ فیعجزوا عنھا، ولکن تفرّد بارزاقھمْ	اے اللہ! تو ان لوگوں کو میرے حوالہ نہ کر کہ میں ان کی کفالت سے عاجز رہوں اور نہ ان کو لوگوں کے حوالہ کر وہ ان کی کفالت سے عاجز رہیں بلکہ تو تنہا ان کی روزی کا کفیل ہو،

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

---

[1] صحیح مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص۱۵۳،

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے شام فتح ہوگا، اور تم لوگ فارس وردم کے خزانے تقسیم کروگے، اور تمہارے پاس اتنا اتنا مال ہوگا، یہاں تک کہ اگر کسی کو ایک سو دینار دیئے جائیں گے تو وہ ناراض ہوجائے گا۔[1]

حضرت جبار بن سلمیٰ رضؓ غزوۂ بئر معونہ میں کفار کے ساتھ تھے، وہ اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس غزوہ میں ایک مسلمان کے دونوں مونڈھوں کے درمیان نیزہ مارا، میں دیکھ رہا تھا کہ جس وقت اس کے سینے سے نیزہ کا پر نکلا گیا۔ وہ کہہ رہا تھا فُزْتُ وَاللّٰہِ (واللہ میں کامیاب ہوا) میں نے دل میں سوچا کہ یہ شخص فائز المرام کیسے ہوا؟ میں نے اس کو قتل کردیا ہے، اور وہ ایسی بات کہہ رہا ہے۔ آخر میں نے لوگوں سے اس کی وجہ معلوم کی تو بتایا گیا کہ اس شخص نے شہادت پائی ہے جو مسلمان کے لئے سب سے بڑی کامیابی ہے، میں نے کہا کہ واقعی یہ شخص کامیاب ہوگیا اور اس واقعہ سے متأثر ہو کر میں مسلمان ہوگیا،"[2]

حضرت خالد بن ولید کا انتقال ۲۱ھ میں شام کے شہر حمص میں ہوا، انھوں نے آخری وقت میں بڑی حسرت سے کہا کہ میں فلاں فلاں غزوات میں شریک رہا ہوں جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جس میں تلوار یا تیر کا زخم نہ ہو، مگر میں بستر پر جان دے رہا ہوں، اس کے بعد کہا۔

وما من عملی شیئٌ ارجی عندی	میرے اعمال میں میرے نزدیک لا الٰہ الا اللہ
بعد ان لا الٰہ الا اللہ، من	کے بعد اس رات سے زیادہ باعثِ اجر و
لیلۃٍ بتّھا وانا متترس،	ثواب کوئی چیز نہیں ہے جس میں صبح تک
والسماء تھلنی تمطر الی صبح،	آسمان سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی اور
حتی نغیر علی الکفار،[3]	میں ڈھال لئے کھڑا رہا تاکہ کفار پر حملہ آور ہوں

[1] تاریخ کبیر ج ۴ قسم ۲ ص ۲۳۳، [2] تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۵، [3] المعارف ص ۱۱۶، اصابہ ج ۲ ص ۹۹ و ص ۱۰۰،

ان چند مثالوں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرات صحابہ اسلامی غزوات کے واقعات موقع بہ موقع بیان کرنے میں کس قدر شدت احتیاط، دینی جذبہ اور حسن نیت سے کام لیتے تھے، اور ان کو اجر و ثواب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

آبائی مجد و شرف اور دنیا و آخرت کی خیر

اسی کے ساتھ جاہلی ایام و حروب کے مقابلہ میں صحابہ اور تابعین اسلامی غزوات کو آبائی مجد و شرف اور اس میں دنیا و آخرت کی خیر سمجھتے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اپنے لڑکوں کو مغازی کی تعلیم دے کر غزوات میں ثابت قدمی، بہادری اور جوانمردی کی دعائیں یاد کراتے تھے، اور اسلامی غزوات کو آبائی شرف بتا کر ان کو یاد رکھنے کی تلقین فرماتے تھے، ان کے صاحبزادے محمد بن سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے۔

کان ابی یعلمنا المغازی والسرایا، ویقول: یا بُنیّ انھا شرف آبائکم فلا تضیعوا ذکرھا، [1]	ہمارے والد ہم لوگوں کو مغازی اور سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اے بیٹو! یہ تمہارے آباء و اجداد کا شرف ہیں، تم لوگ ان کو یاد رکھو، ضائع نہ کرو،

امام محمد بن شہاب زہری علم مغازی کو خیر الدنیا والآخرۃ کہا کرتے تھے، ان کے بھتیجے محمد بن عبد اللہ کا بیان ہے۔

سمعتُ عمّی یقول فی علم المغازی خیرالدُّنیا والاخرۃ، [2]	علم المغازی کے بارے میں میں نے اپنے چچا کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ دُنیا و آخرت کی خیر ہے۔

اس لئے مغازی کے پڑھنے پڑھانے کے لئے خاص اہتمام کیا جاتا تھا اور قرآن کی سورتوں کی طرح اس کے واقعات یاد کرائے جاتے تھے۔

---

[1] سیرت حلبیہ ص ۲ ج ۱، والسیرۃ النبویہ احمد بن زینی دحلان برحاشیہ سیرت حلبیہ ج ۲/۱،
[2] ایضاً

سیر ومغازی کے عام تذکرے اور تحقیق وتلاش

صحابہؓ اور تابعین سیر ومغازی کے موضوع پر آپس میں تحقیق کرتے ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرتے، اور بوقت ضرورت اس کے لئے سفر کرتے تھے، حضرت براء بن عازبؓ کا بیان ہے کہ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں کہا کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر تھی، اور ان سے ایک روایت میں ہے کہ جن صحابہ نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی وہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ اصحاب بدر کی تعداد اصحاب طالوت کے برابر تھی جنھوں نے دریا پار کیا تھا، یعنی تین سو دس سے کچھ زائد، [1]

ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں مدینہ میں بنی عبدالمطلب کی مجلس میں گیا، اور ان کے بڑے بوڑھوں سے پوچھا کہ غزوۂ بدر میں آپ لوگوں میں سے کتنے افراد گرفتار ہوئے تھے؟ انھوں نے عباس، عقیل، حارث بن نوفل کے نام لئے، [2]

نیز ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن یزیدؓ نے نماز استسقاء پڑھی اس میں زید بن ارقمؓ بھی شامل تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے اور ان میں سے کتنے غزوات میں آپ شریک تھے؟ انھوں نے بتایا کہ ان کی تعداد انیس ۱۹ ہے اور میں سات غزوات میں شریک رہا ہوں، پھر پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے کون سا غزوہ فرمایا، انھوں نے بتایا کہ ذات العسیر یا ذات العشیر، [3]

اسحاق بن عثمان کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ کے صاحبزادے موسیٰ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوات کئے اور آپ کے والد نے کتنے میں شرکت کی؟ انھوں نے بتایا کہ آپؐ نے ستائیس ۲۷ غزوات کئے ہیں، آٹھ غزوات میں

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب عدۃ اصحاب بدر، وکتاب الجہاد والسیر، [2] تاریخ کبیر ج ۲ قسم ۲ ص ۲۸۱،
[3] بخاری،

کئی کئی ماہ قیام فرمایا اور سترہ غزوات میں کئی کئی دن رہے، اور میرے والد ان میں سے آٹھ غزوات میں شریک رہے۔[1]

ابو حازم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوگوں میں اختلاف ہوا کہ غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کا علاج کس دوا سے کیا گیا، اس وقت مدینہ میں آخری صحابی حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ زندہ تھے، لوگوں نے ان کی خدمت میں جاکر اس کے بارے میں دریافت کیا، انھوں نے کہا کہ غزوۂ احد کے متعلق مجھ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی باقی نہیں رہا، حضرت فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے خون دھوتی تھیں، حضرت علیؓ ڈھال سے پانی گراتے تھے اور چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے آپ کا زخم بھرا گیا۔[2]

یونس بن عبید کا بیان ہے کہ میرے آقا محمد بن قاسم نے مجھ کو حضرت براء بن عازبؓ کے پاس اس بات کی تحقیق کے لئے بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا کس چیز کا تھا؟ انھوں نے بتایا کہ سیاہ کمبل کے چوکور ٹکڑے کا تھا۔[3]

نافع مولیٰ ابن عمر کہتے ہیں کہ لوگ آپس میں تذکرہ کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ سے پہلے ان کے صاحبزادے عبداللہ اسلام لائے، حالانکہ یہ بات نہیں ہے، بلکہ غزوۂ حدیبیہ میں حضرت عمر نے عبداللہ کو ایک انصاری کے پاس بھیجا تاکہ حضرت عمرؓ کا گھوڑا جوان کے پاس تھا لے آئیں، اسی درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے پاس صحابہ سے بیعتِ رضوان لینے لگے، اور حضرت عمر کو اس کی خبر ملنے سے پہلے ہی عبداللہ نے آکر بیعت کرلی، اس کے بعد انصاری کے یہاں گھوڑا لینے گئے، حقیقت یہی ہے۔ مگر لوگ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر اپنے والد سے پہلے مسلمان ہوئے،

---

[1] تاریخ کبیر ج ۱ قسم ۱ ص ۳۹۸، [2] مسند حمیدی ج ۲ ص ۴۱۵، بخاری، باب غزوۂ احد،
[3] تاریخ کبیر ج ۴ قسم ۲ ص ۴۰۳،

دوسری روایت میں کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع تھے، حضرت عمرؓ نے عبداللہ سے کہا کہ دیکھو کیا بات ہے؟ عبداللہ نے جاکر دیکھا کہ لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے اور اسی وقت انھوں نے بھی بیعت کرلی اور وہاں سے آکر حضرت عمر کو اس کی خبر دی تو انھوں نے جاکر بیعت کی۔ [1]

طارق بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میں سفر حج میں تھا، دیکھا کہ ایک جگہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے دریافت کیا کہ یہاں کون سی مسجد ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہاں وہی درخت ہے جس کے سایہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت رضوان لی تھی، بعد میں یہ واقعہ میں نے سعید بن مسیتب سے بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ میرے والد بھی اس بیعت میں شریک تھے، ان کا بیان ہے کہ جب ہم دوسرے سال اُدھر سے گذرے تو وہ درخت بھول چکے تھے اور تلاش کرنے کے باوجود اس کو نہ پاسکے، اس کے بعد سعید بن مسیتب نے کہا کہ۔

ان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لم یعلموھا وعلمتموھا انتم فانتم اعلم [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس درخت کو نہیں جانتے تھے اور تم لوگ جانتے ہو، تب تو تم ان سے زیادہ علم رکھتے ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ بڑھاپے میں جب کہ آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا تھا کہ تم لوگ رُوئے زمین کے بہترین لوگ ہو، اس وقت ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی، اس کے بعد حضرت جابرؓ نے کہا

لوکنتُ ابصر الیوم لاَرَیتُکُم مکان الشجرۃ [3]	اگر آج میری بینائی ہوتی تو میں تم لوگوں کو بیعتِ رضوان والے درخت کی جگہ دکھا دیتا۔

---

[1] بخاری، کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۹۹، [2] بخاری، کتاب المغازی، [3] بخاری، کتاب المغازی ج ۲ ص ۵۹۸۔

سہل بن سعد کہتے ہیں کہ حضرت ابو اسید آنکھوں سے معذور ہو جانے کے بعد ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگے کہ اگر میں اور تم مقام بدر میں موجود ہوتے اور میری بینائی اللہ تعالیٰ لوٹا دیتا تو میں تم کو وہ وادی دکھا دیتا جس سے ملائکہ ہماری مدد کے لئے آئے تھے، اور تم کو اس میں کسی قسم کا شک شبہہ نہ ہوتا۔[1]

ایک شخص ملک شام سے مدینہ سعید بن مسیّب کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ ابو محمد! ہم اپنے غزوات میں جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، میں آپ سے اس کو بیان کرنا چاہتا ہوں، ابن مسیّب نے اس کو روکا تو اس نے کہا۔

فحدثنی ما کان النبی صلی اللہ علیہ سلم واصحابہ یصنعون۔ — پھر آپ ہی بتایئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ غزوات میں کیا کرتے تھے۔

ابن مسیّب نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کفار کی کسی بستی میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے مقامی باشندوں کو دعوتِ اسلام دیتے اور ان کے مسلمان ہو جانے پر اپنی جماعت داخل کر لیتے۔ اگر وہ انکار کرتے تو ان سے جزیہ کا مطالبہ فرماتے۔ اور ادا کرنے کی صورت میں قبول کر لیتے، اور اگر اس سے بھی انکار کرتے تو ان کو مقابلہ کی دعوت دیتے، اور اسلامی لشکر کا ادنیٰ سپاہی بھی ان سے کوئی عہد وپیمان کر لیتا تو اسلامی لشکر اس کو پورا کرتا۔[2]

محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ ایک نوجوان حضرت حذیفہ رضؓ کے پاس آکر کہنے لگا کہ ابو عبداللہ! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور آپ کی صحبت اٹھائی ہے۔ حضرت حذیفہ نے کہا کہ بھتیجے! ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور آپ کی صحبت ومعیت میں رہے ہیں، نوجوان نے پوچھا کہ آپ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے؟ حضرت حذیفہؓ نے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص۲۹۰، [2] مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص۲۲۱

کہا کہ ہم آپ کے ہر حکم پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس پر نوجوان نے کہا۔

واللہ لو ادرکناہ ما ترکناہ یمشی علی الارض، ولحملناہ علی اعناقنا۔	واللہ اگر ہم آپ کو پاتے تو زمین پر چلنے پھرنے نہ چھوڑتے بلکہ آپ کو اپنی گردن پر اٹھائے رہتے۔

نوجوان کا یہ جذبۂ حُبّ رسول دیکھ کر حضرت حذیفہ نے کہا کہ بھتیجے! واللہ میں غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں، آپ نے رات میں نماز پڑھکر فرمایا کہ کون ہے جو جاکر دشمن کا حال معلوم کرے اور پھر ہمارے خیمہ میں لوٹ آئے۔ میں اس کے لئے دُعا کرتا ہوں کہ وہ جنت میں میرے ساتھ رہے۔ مگر خوف، بھوک اور سردی کی شدت کی وجہ سے کوئی شخص اس کام کے لئے تیار نہ ہو سکا، تو آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ حذیفہ! تم جاؤ، دیکھو دشمن کیا کر رہے ہیں۔ اور میرے پاس آنے سے پہلے کسی سے بات نہ کرنا، میں فوراً دشمن کی طرف گیا اور دیکھا کہ طوفانی ہوا، اور نزولِ ملائکہ کی وجہ سے ان کا حال بہت برا ہے، ان کی ہانڈیاں اور خیمے برقرار نہیں ہیں۔ [1]

جعفر بن عمرو ضمری کہتے ہیں کہ میں عبیداللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ ملک شام کے شہر حمص گیا، عبیداللہ نے کہا کہ چلو وحشی بن حرب سے حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے قتل کا واقعہ معلوم کریں، لوگوں نے بتایا کہ دیکھو وحشی اپنے مکان کے زیر سایہ بیٹھے ہیں، ہم نے جاکر سلام کیا انھوں نے جواب دیا، اس وقت عبیداللہ اپنا چہرہ چھپائے ہوئے تھے، وحشی نے صرف ان کی دونوں آنکھیں اور دونوں پیر دیکھے، عبیداللہ نے کہا کہ آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ نہیں، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ عدی بن خیار نے ام قتال بنت ابو عیص سے نکاح کیا تھا جس سے مکہ میں ایک لڑکا پیدا

[1] سیرت ابن ہشام ج۲ ص۲۳۱ و ص۲۳۲، تاریخ طبری ج۳ ص۵۲

ہوا تھا، اور دودھ پلانے کے لئے بچہ ماں کو دیدیا تھا، تمہارے دونوں پیر اسی بچہ کے معلوم ہوتے ہیں، اس کے بعد عبید اللہ نے اپنا چہرہ کھول دیا، اور وحشی سے کہا کہ آپ حضرت حمزہ کے قتل کا حال بیان کریں، وحشی نے بتایا کہ حمزہ نے غزوۂ بدر میں تمہارے بھائی طعیمہ بن عدی بن خیار کو قتل کیا تھا، اور میرے آقا جبیر بن مطعم نے مجھ سے کہا کہ اگر تم حمزہ کو قتل کردو گے تو آزاد ہو جاؤ گے۔ [1]

عثمان موہب سے روایت ہے کہ ایک شخص حج کیلئے مکہ آیا، دیکھا کہ کچھ لوگ ایک حلقہ میں بیٹھے ہیں، پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ اہل قریش ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان میں شیخ کون ہیں، بتایا گیا حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس حلقہ کے شیخ ہیں، اس شخص نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ میں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں، کیا آپ جواب دیں گے؟ پھر کہا کہ اس گھر کا واسطہ ہے کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان بن عفانؓ نے غزوۂ احد میں راہ فرار اختیار کی تھی؟ حضرت ابن عمر نے کہا کہ ہاں، پھر اس شخص نے کہا کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا ہاں، اس کے بعد اس شخص نے کہا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بیعتِ رضوان میں بھی شریک نہیں تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا کہ ہاں، یہ جواب سن کر اس شخص نے اللہ اکبر کہا،

اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے اس کو تفصیل سے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے عثمان کے غزوۂ احد سے فرار ہونے کو معاف کر دیا، غزوۂ بدر میں ان کے شریک نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ ان کی زوجیت میں بیمار تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان سے فرمایا تھا کہ تم کو شرکت کا اجر و ثواب ملے گا، اور آپ نے ان کو مالِ غنیمت سے حصہ دیا، اور بیعتِ رضوان سے حضرت عثمانؓ کے غائب ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اگر اہل مکہ کے نزدیک ان سے زیادہ معزز و محترم

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب قتل حمزہ رضی اللہ عنہ

کوئی شخص ہوتا تو اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کے پاس بھیجتے۔ اور بیعت رضوان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکہ جانے کے بعد ہوئی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھکر فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے، ان باتوں کو تم یاد کرو اور اپنے ساتھ لے جاؤ۔ [1]

ابوالقاسم مقسم کہتے ہیں کہ میں اور تلید بن کلاب قریشی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لئے گئے، اس وقت وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، فراغت کے بعد ہم نے ان سے کہا کہ کیا آپ اس وقت موجود تھے جب ایک تمیمی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے، اس نے کہا کہ اے محمد! میں دیکھ رہا ہوں کہ آج آپ کیا کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم نے کیا دیکھا؟ تمیمی نے کہا کہ آپ انصاف نہیں کر رہے ہیں، آپ نے خفا ہو کر فرمایا کہ اگر میرے یہاں انصاف نہیں ہے تو کس کے یہاں ہے، اس کی یہ جسارت دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیوں نہ ہم اس کو قتل کر دیں، آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو، ورنہ کچھ لوگ اس کے طرفدار بن کر دین ہی کو چھوڑ دیں گے۔ [2]

سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں مگر ڈر لگتا ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بھتیجے! جب تم کو معلوم ہو کہ مجھے کسی بات کا علم ہے تو دریافت کر لیا کرو، اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے، میں نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کیا فرمایا تھا، اور ان کو اس میں شرکت سے روکا تھا؟ حضرت سعد نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا آپ مجھے بچوں عورتوں میں چھوڑنا چاہتے ہیں تو آپ نے

---

[1] بخاری، کتاب المغازی ج ۳ ص ــ ، [2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص۴۹۶، تاریخ طبری ج ۳ ص۱۳۵

ان سے فرمایا۔

اَمَا تَرضٰی اَن تکون مِنّی بمنزلۃ هارون من موسیٰ۔	کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ جس طرح ہارون موسیٰ کے قائم مقام تھے، تم میرے قائم مقام ہو؟

یہ سنتے ہی حضرت علیؓ راستہ سے واپس چلے گئے، گویا اس وقت میں ان کے قدموں کا غبار دیکھ رہا ہوں۔ [1]

ابو حاجز یزید بن عامر سوائیؓ غزوۂ حنین میں کفار کے ساتھ تھے، بعد میں مسلمان ہوئے ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ اس رُعب کی کیا کیفیت تھی جو غزوۂ حنین میں مشرکوں کے دل میں ڈالا گیا تھا۔ انھوں نے اس کی کیفیت بتانے کے لئے ایک مٹھی کنکری لیکر طشت پر ماری جس سے طشت کے بجنے کی آواز پیدا ہوگئی، اور بتایا کہ اسی آواز کے مانند ہمارے شکم میں آواز پیدا ہوگئی تھی، پھر انھوں نے کہا کہ

صورت یہ ہوئی کہ اس غزوہ میں جب مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی لے کر مشرکوں کے سامنے پھینک دی اس وقت مشرک مسلمانوں کے سامنے تھے، آپ نے مٹی پھینکنے کے ساتھ فرمایا ارجعوا شاهت الوجوه، اور ہم لوگ اسی حالت میں پسپا ہوئے کہ ہر ایک شخص اپنی آنکھوں سے گرد و غبار صاف کر رہا تھا۔ [2]

حضرت زید بن ارقم انصاریؓ سترہ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک رہے ہیں، بعد میں کوفہ چلے گئے تھے اور وہیں ۶۶ھ میں انتقال کیا۔ اُن کے تلمیذ رشید یزید بن حیان تیمی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں، حصین بن سبرہ اور عمر بن مسلم تینوں حضرت زید بن ارقم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حصین بن سبرہ نے ان سے کہا کہ آپ نے بہت زیادہ نیکی جمع کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] طبقات ابن سعد ص۲۴ ج ۳، [2] تاریخ کبیر ج ۴ قسم ص۳۱۶ ۱

زیارت کا شرف پایا ہے، آپ سے حدیث سنی ہے، آپ کی معیت میں غزوہ کیا ہے، آپ کی اقتدار میں نماز پڑھی ہے، الغرض خیر کثیر جمع کیا ہے، ہم لوگوں کو کوئی حدیث سنائیے جس کو آپ نے براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔

زید بن ارقم رضؓ نے کہا بھتیجے! میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، ان باتوں پر بہت زمانہ گذر چکا ہے، اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی بعض باتیں بھول چکا ہوں، اس لئے جو کچھ بیان کروں تم لوگ سن لو، اور جو بات بیان نہ کرسکوں اس کے لئے مجھے تکلیف نہ دو،

اس کے بعد زید بن ارقمؓ نے بیان کیا کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام خم میں خطبہ دیا، حمد و ثنا اور وعظ و تذکیر کے بعد فرمایا کہ اے لوگو! میں بشر ہوں، قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد آئے اور میں اس کو جواب دوں، میں تمہارے درمیان دو ثقیل چیزیں چھوڑ رہا ہوں، ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے، تم لوگ اس کو مضبوطی سے پکڑو، آپ نے اس کے بارے میں بہت زیادہ تاکید فرمائی، پھر فرمایا کہ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں ان کے بارے میں تم لوگوں کو اللہ کو یاد دلاتا ہوں، یہ جملہ آپ نے دو مرتبہ فرمایا تھا۔

اس پر حصین بن سبرہ نے دریافت کیا کہ اہل بیت رسول کون لوگ ہیں، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اہل بیت سے نہیں ہیں؟ زید بن ارقمؓ نے کہا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں ہیں، مگر اہل بیت وہ لوگ ہیں جن پر زکوٰۃ حرام ہے، حصین بن سبرہ نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ زید بن ارقم نے بتایا کہ وہ آلِ علی، آلِ عقیل، آلِ جعفر، اور آلِ عباس ہیں، حصین بن سبرہ نے کہا کہ کیا ان سب کو زکوٰۃ لینا حرام ہے؟ زید بن ارقم نے اثبات میں جواب دیا[1]

[1] صحیح مسلم بحوالہ ریاض الصالحین ص۱۱۱،

قیس بن بشر تغلبی کے والد بیان کرتے ہیں کہ دمشق میں ابن حنظلیہؓ نامی ایک صحابی رسول تھے، جو لوگوں سے بہت کم ملتے جلتے تھے، اور تنہائی میں عبادت میں مشغول رہتے تھے، ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت ابو درداءؓ کے پاس تھے، اسی حال میں حضرت ابن حنظلیہؓ ادھر سے گذرے، حضرت ابو درداءؓ نے ان سے کہا کہ آپ کوئی ایسی بات بیان کریں جو ہمارے حق میں مفید ہو اور آپ کے حق میں مضر نہ ہو، انھوں نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دشمن کی طرف بھیجا اور واپسی پر اس کے لشکر میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص کی طرف متوجہ ہو کر دشمن سے مقابلہ کا پورا حال بیان کیا، [1]

میدان جہاد میں سیر و مغازی کے تذکرے

سیر و مغازی کی تعلیم کے بہترین مقامات جہاد و غزوات کے میدان تھے، جہاں اس کی عملی تعلیم ہوتی تھی، اور اسلامی لشکر کے علماء و قراء جہاد کی آیات اور مغازی کے واقعات سے مجاہدین کے دلوں کو گرماتے تھے، جب تک صحابہ دنیا میں رہے ان ہی کو امیر لشکر بنایا جاتا تھا، جن کی بابرکت ذات اور عہد رسالت کے مغازی کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جاتا تھا، اس کی ضرورت و افادیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا، صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

یاتی زمانٌ یغزو فئام من الناس، فیقال: من صحب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فیقال: نعم، فیفتح علیہ ثم یاتی زمان، فیقال: من صحب	آیندہ زمانہ میں لوگ جہاد کریں گے اور صحابیٔ رسول کی تلاش ہوگی جس کے ہاتھ پر فتح ہوگی، اس کے بعد والے زمانہ میں کسی ایسے شخص کی تلاش ہوگی جس نے

[1] ابو داؤد بحوالہ ریاض الصالحین ص۲۲۶،

اصحاب النبی صلی اللہ علیہ سلم فیقال نعم: فیفتح، ثم یاتی زمان فیقال: من صحب صاحب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ سلم، فیقال نعم، فیفتح، [1]

صحابہ کی صحبت اٹھائی ہو، یعنی تابعی ہو، اس کے ہاتھ پر فتح ہوگی، پھر اس کے بعد ایسے موقع پر کسی تبع تابعی کی تلاش ہوگی. جس کے ہاتھ پر فتح ہوگی،

چنانچہ جب تک حضرات صحابہ زندہ رہے، ان ہی کو امیر لشکر بنایا گیا، حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ مغازی میں صحابہ ہی امیر بنائے جاتے تھے [2]

بنوامیہ کا تقریبًا پورا دور جو اسلامی غزوات و فتوحات کا شاندار دور ہے۔ اسی انداز میں گذرا ہے اور جہاد وغزوات میں صحابہ و تابعین، تبع تابعین امیر لشکر ہوتے تھے اور ان کے ساتھ عُبّاد، زہّاد، صلحاء اور علماء و فضلاء کی بڑی جماعت ہوا کرتی تھی، جن کے برکات و تجربات، تعلیمات و ہدایات اور دُعاؤں کے جلو میں اسلامی لشکر کے قدم آگے بڑھ رہے تھے، ابن کثیر نے اس دور کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

کانت سوق الجهاد قائمة فی بنی امیة، لیس لهم شغل الا ذالك، قد علت کلمة الاسلام فی مشارق الارض ومغاربها، وبرها وبحرها، وقد اذلوا الکفر واهله وامتلأت قلوب المشرکین من المسلمین رعبًا، لا یتوجه المسلمون الی قطر من الاقطار الا اخذوه، وکان فی عساکرهم

بنوامیہ کے دور میں جہاد کی گرم بازاری تھی، اس کے علاوہ ان کا کوئی شغل نہیں تھا، اسلام کا کلمہ مشرق و مغرب اور بحر و بر میں بلند تھا، انھوں نے کفر اور کفار کو سرنگوں کر دیا تھا، اور مشرکوں کے قلوب مسلمانوں کے رعب سے بھر گئے تھے مسلمان جس علاقہ میں چلے جاتے اس کو فتح کر لیتے تھے۔ اور غزوات میں ان کے ہر لشکر میں کبار تابعین کے

[1] بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب من استعان بالضعفاء والصالحین فی الحرب، [2] اصابہ ص ۶ ج ۱،

وجيوشهم في الغزو الصالحون والاولياء، والعلماء من كبار التابعين في كل جيش منهم شرذمة عظيمة ينصرالله بهم دينه، [۱]	صلحاء، اولیاء اور علماء کی بڑی جماعت ہوتی تھی، ان کی ذات بابرکات سے اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد فرماتا تھا۔

امام اوزاعی کا قول ہے کہ صحابہ اور تابعین پانچ باتوں کے پابند تھے، لزوم جماعت، اتباعِ سنت، عمارتِ مسجد، تلاوت قرآن اور جہاد [۲] یہ حضرات اسلامی لشکر اور میدان جہاد میں موقع بہ موقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کے واقعات آپ کے احکام واحوال کو بیان کیا کرتے تھے، اور ان کے مطابق عمل ہوتا تھا، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

امام شعبی کہتے ہیں کہ میں نے اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ کیا ہے جب ہم کسی قریہ والوں کے پاس پہونچتے تھے، اور وہ اہل کتاب ہوتے تو اُن کا کھانا کھاتے اور حلال مشروب پی لیتے اور اگر اہل کتاب نہ ہوتے تو ان کے برتن دھوکر ان سے کام چلاتے تھے، [۳]

عبید بن بشر غنوی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ قسطنطنیہ ضرور فتح ہوگا، اس کے جہاد کا امیر بہترین امیر ہوگا اور اس کا لشکر بہترین لشکر ہوگا، ایک مرتبہ مسلمہ بن عبدالملک نے مجھے بلایا اور میں نے یہ حدیث بیان کی تو اس نے قسطنطنیہ کا جہاد کیا، [۴]

انصار کا لشکر فارس میں تھا، حضرت عمر باری باری سے وہاں لشکر روانہ کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کسی وجہ سے ایسا نہ کرسکے اور اسلامی لشکر کی مدتِ قیام طویل ہوگئی تو لشکر سرحد سے واپس چلا آیا اور حضرت عمر سے شکوہ کے انداز میں کہا۔

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۸۸، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۰، [۳] تاریخ کبیر ج ۱ قسم ۲ ص ۳۹، [۴] ج ۱ قسم ۲ ص ۸۱،

یاعمر انّك غفلت و ترکت فینا الذی امر به النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اعقاب بعض الغزیۃ بعضًا۔ [1]	اے عمر! آپ نے غفلت کی اور ہمارے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم پر عمل نہیں کیا کہ اسلامی لشکر باری باری سے بھیجا جائے۔

حضرت سلمان فارسی نے فارس میں جہاد کیا، حملہ کرنے سے پہلے اسلامی لشکر سے خطاب کر کے کہا۔

کفوا حتی ادعوھم کما کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یدعوھم،	تم لوگ رکے رہو تاکہ میں ان کو دعوت دوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دیتے ہوئے میں نے سنا ہے۔

اس کے بعد دشمن کے سامنے جاکر کہا کہ ہم تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر اسلام قبول کرلو گے تو تم بھی ہماری طرح ہو گے، اگر اس سے انکار کرتے ہو تو ذلت کے ساتھ جزیہ دو، اگر اس سے بھی انکار کرتے ہو تو ہم تم سے جنگ کریں گے، دشمنوں نے کہا کہ ہم نہ مسلمان ہوں گے اور نہ جزیہ دیں گے بلکہ تم لوگوں سے جنگ کریں گے۔ اس کے بعد اسی طرح حضرت سلمان نے تین بار ان سے کہا اور انھوں نے ہر بار یہی جواب دیا تو اسلامی فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا، [2]

اسی طرح حضرت سلمان فارسی نے ایران میں ایک قلعہ کا محاصرہ کیا، اور حملہ کرنے سے پہلے کہا کہ

حتی افعل بھم کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل۔	تم لوگ رکے رہو تاکہ میں ان کے ساتھ وہی معاملہ کروں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد دشمن کی قلعہ بند فوج کو اسلامی اصول جہاد کے مطابق دعوت دی، [3]

---

[1] مصنف عبدالرزاق ج۵ ص۲۹۱، و جمع الفوائد ج۲ ص۲۲۔ [2] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص۲۲۳، [3] کتاب الاموال ص۲۵،

۱۹ھ میں جنگ نہاوند ہوئی، امیر لشکر حضرت نعمان بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ تھے، آخری معرکہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر اسلامی لشکر کے سامنے آئے اور ان کو جوش دلایا، اس کے بعد وقت کا انتظار کرتے رہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتال فرماتے تھے، اور نصرت خداوندی اترتی تھی، یعنی زوال آفتاب اور ہوا کے چلنے کے وقت، چنانچہ جب اس کا وقت آگیا تو کہا کہ

شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا لم يقاتل اول النهار اخر القتال حتى تزول الشمس و تهب الرياح، وينزل النصر،

میں غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں۔ جب آپ دن کی ابتدا میں قتال نہیں کرتے تھے تو اس کو زوال آفتاب اور ہوا چلنے اور مدد اترنے تک مؤخر فرماتے تھے۔

پھر اسلامی لشکر کو خطاب کر کے کہا کہ میں اپنا جھنڈا تین مرتبہ لہراؤں گا، پہلی مرتبہ ہر سپاہی اپنی ضروریات پوری کر لے، دوسری مرتبہ اپنی تلوار سنبھالے، اور تیسری مرتبہ سب کے سب دشمن پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں، چنانچہ اسی کے مطابق ہوا، [۱]

حضرت سنان بن سلمہ ہذلی رضی اللہ عنہ کی امارت میں اسلامی لشکر نے سندھ کے علاقہ قیقان (کیکان، قلات) پر حملہ کیا، ابوالیمان نبال کا بیان ہے کہ ہم نے سنان بن سلمہ کے ساتھ قیقان میں جہاد کیا، دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی، سنان بن سلمہ نے ہم سے کہا۔

ابشروا فانتم بين خصلتين، الجنة اوالغنيمة،

تم لوگوں کی خوشخبری ہو، اس وقت تم دو نعمتوں جنت اور غنیمت کے درمیان ہو،

اس کے بعد سات عدد پتھر کے ٹکڑے لیکر سامنے آگئے، اور کہا کہ جب تم لوگ دیکھنا کہ میں نے حملہ کیا تو تم بھی حملہ کرنا، جب سورج آسمان کے بیچ میں ہوا تو ایک پتھر سامنے پھینکا

---

[۱] الاخبار الطوال ص۱۳۷،

اور اللہ اکبر کہا، اسی طرح تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد ایک ایک پتھر پھینکتے رہے اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سورج ڈھلنے کے بعد ساتواں پتھر پھینکا، اور حٰمٓ لا ینصرون کہکر نعرۂ تکبیر بلند کیا، پھر حملہ کر دیا، ان کے ساتھ ہم نے بھی حملہ کیا، اور دشمن کو مارتے ہوئے چار فرسخ تک تعاقب کیا، وہ ایک قلعہ کے پاس پہونچے جس میں بہت سے دشمن پناہ گزیں تھے، انھوں نے قسم کھا کر ہم سے کہا کہ تم لوگوں نے ہم سے جنگ نہیں کی ہے، جن لوگوں نے ہم کو قتل کیا ہے، ہم اُن کو تمہارے ساتھ نہیں دیکھ رہے ہیں، وہ لوگ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے، اور سر پر عمامے باندھے ہوتے تھے، ہم نے ان سے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے مدد آئی تھی، اس جنگ میں ہم فتح یاب ہو کر واپس ہوئے اور صرف ہمارا ایک آدمی شہید ہوا تھا، ہم نے سنان بن سلمہ سے پوچھا کہ آپ سورج ڈھلنے تک کیوں دشمن پر حملہ کرنے سے رُکے رہے؟ انھوں نے جواب دیا۔

کذٰلک کان یصنع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم [۱]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح غزوات میں کیا کرتے تھے۔

ابو لبید کا بیان ہے کہ ہم لوگ غزوۂ کابل میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ کے زیر امارت جہاد کر رہے تھے۔ اور دشمن کو شکست ہوئی، مسلمان مال غنیمت لوٹنے لگے، یہ دیکھکر حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ نے خطبہ دیا جس میں کہا کہ

سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ینھیٰ عن النھبیٰ	میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ لوٹ سے منع فرماتے تھے۔

یہ سننا تھا کہ سب لوگوں نے مال غنیمت واپس کرنا شروع کر دیا، اور بعد میں عبدالرحمٰن بن سمرہ نے شرعی طریقہ پر تقسیم کیا۔ [۲]

---

[۱] تاریخ خلیفہ بن خیاط ج۱ ص۲۴۹ تا ص۲۵۰، [۲] ابوداؤد کتاب الجہاد ج۳ ص۱۳

حنش صنعانی کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت رویفع بن ثابتؓ کے ساتھ غزوۂ مغرب میں شریک ہوئے، اور ایک جزیرہ جربہ نامی (قابس کے اطراف میں) فتح کیا، اس وقت حضرت رویفع بن ثابت نے اسلامی لشکر کے سامنے خطبہ دیا، جس میں کہا کہ اے لوگو! میں تم سے وہی بات کہوں گا جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ خیبر میں سُنی ہے، آپ نے مُسلمانوں کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی سینچے یعنی حاملہ قیدی باندیوں سے جنسی تعلق قائم کرے۔ اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ استبراء سے پہلے کسی قیدی عورت سے جنسی تعلق قائم کرے، اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ تقسیم سے پہلے غنیمت کو فروخت کرے، اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ مسلمانوں کے فئے میں سے کسی جانور پر سواری کر کے اور اس کو لاغر بنا کر واپس کرے، اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ مسلمانوں کے فئے سے کوئی کپڑا پہنے یہاں تک کہ اس کو پُرانا کر کے واپس کرے، [1]

حضرت سعید بن عاصؓ کی زیر امارت اسلامی لشکر طبرستان میں مصروف جہاد تھا، اسی حال میں نماز کا وقت آگیا، حضرت سعید بن عاصؓ نے دریافت کیا کہ آپ لوگوں میں سے کس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز خوف پڑھی ہے، حضرت حذیفہ بن یمانؓ اس مہم میں موجود تھے، بولے کہ میں نے آپ کے ساتھ نمازِ خوف پڑھی ہے، اس کے بعد تفصیل سے اس کی کیفیت بیان کی، [2]

حضرت ربیع بن زیاد حارثیؓ نے ۲۹ھ میں سجستان میں زبردست فتوحات حاصل کیں،

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۳۲، [2] تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۱۷۵،

زیاد بن ابیہ نے ان کو لکھا کہ امیر المؤمنین معاویہ نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ آپ کو تاکید کروں کہ مال غنیمت میں سے سونے اور چاندی کو علیحدہ کر کے باقی اشیاء مجاہدوں میں تقسیم کریں، اس کے جواب میں حضرت ربیع بن زیاد نے لکھا۔

اِنِّی وَجَدْتُ کِتَابَ اللّٰہِ قَبْلَ کِتَابِ امیر المومنین۔ امیر المومنین کے مکتوب سے پہلے میں نے کتاب اللہ پائی ہے۔

اور فوراً تمام مال غنیمت سونا چاندی سمیت اسلامی لشکر میں تقسیم کر کے دُعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کو وفات دیدے، چنانچہ واپسی سے پہلے ہی ان کی وفات ہو گئی[1]

جنگ قادسیہ میں ایک موقع پر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے امیر لشکر حضرت نعمان بن مقرنؓ سے کہا کہ مناسب ہو تو ایرانی فوج پر آپ حملہ کا حکم دیں، حضرت نعمان بن مقرن نے کہا کہ آپکے بڑے مناقب و فضائل ہیں، اور میں غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں، جب آپ شروع دن میں قتال نہیں کرتے تھے تو آفتاب ڈھلنے اور ہوا چلنے اور نصرت نازل ہونے کا انتظار کرتے تھے۔[2]

عمومی اور خصوصی مجلسوں میں سیر و مغازی کے تذکرے

عہد نبویؐ کے غزوات و سرایا میں شریک ہونے والے صحابہ بعد میں بہ سلسلۂ جہاد و تعلیم مفتوحہ ممالک میں پھیل گئے تھے، اور اپنے اپنے مقام میں دینی علوم کے ساتھ اپنی مجلسوں میں سیر و مغازی کو بھی بیان کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں انصار و مہاجرین، ان کی اولاد اور اعیان و اشراف کی مجلسیں برپا ہوتی تھیں، بہت سے اہل علم کی انفرادی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں جن مختلف موضوعات پر دینی و علمی مذاکرے ہوتے تھے، ان میں سیر و مغازی کا موضوع بہت

---

[1] اصابہ ج ۲ صفحہ ۱۹۵، [2] کتاب الخراج صفحہ ۳۹، ۴۰

دلچسپ ہوتا تھا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں بسر بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ ان کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، وعظ و تذکیر کے انداز میں بیان کرنے کے بجائے عام لوگوں کی طرح باتیں کرتے تھے اور اس کے درمیان احادیث رسول اور جہاد کے واقعات اور اخلاق سے متعلق باتیں بیان کرتے تھے، راوی بکیر کہتے ہیں کہ یہی طریقہ قاسم بن محمد بن ابو بکر اور ان جیسے اہل علم کا تھا[1]

قاسم بن محمد بن ابو بکر صدیق متوفی سنہ ۱۰۶ھ فقہائے مدینہ میں ہیں، ان کے مماثل و معاصر اہل علم سے مراد سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر، خارجہ بن زید، ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام، سلیمان بن یسار، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود مدینہ کے فقہائے سبعہ ہیں، یہ سب حضرات حضرت سعد بن ابی وقاص کی طرح عام گفتگو کے انداز میں احادیث رسول اور دینی مسائل کے درمیان غزوات و اخلاقیات کو بھی بیان کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے ابو معشر سندھی مدنی متوفی سنہ ۱۷۰ھ کے صاحبزادے محمد بن ابو معشر سے دریافت کیا کہ آپ کے والد نے مغازی کو کیسے یاد کیا کیف حفظ المغازی؟ انھوں نے بتایا کہ

کان التابعون یجلسون الی استاذٖ فکانوا یتذاکرون المغازی، فحفظ[2]	علمائے تابعین ان کے استاد کے پاس بیٹھکر مغازی کا مذاکرہ کرتے تھے اور والد نے انھیں سنکر یاد کر لیا

اس وقت مدینہ میں فن مغازی کے یہ جلیل القدر ائمہ موجود تھے، اور ان کی محفلیں جمتی تھیں، عروہ بن زبیر متوفی سنہ ۹۴ھ، ابان بن عثمان متوفی سنہ ۱۰۵ھ، عاصم بن عمر بن قتادہ متوفی سنہ ۱۲۰ھ، محمد بن مسلم بن شہاب زہری متوفی سنہ ۱۲۴ھ، شرحبیل بن سعد متوفی سنہ ۱۲۳ھ

[1] تاریخ کبیر ج ۲ القسم ۲ ص ۱۲۴، [2] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۸،

عبدالملک بن ابو بکر بن حزم انصاری متوفی سنہ ۱۵۱ھ، عبداللہ بن جعفر متوفی ۱۷۰ھ رحمہم اللہ، یہ ہمعصر و ہموطن علمائے سیر و مغازی یکجا بیٹھکر مذاکرہ کرتے اور سننے والے اپنے اپنے ظرف و حوصلہ کے مطابق حصہ لیتے تھے، مروان بن حکم اپنے دورِ امارت میں مدینہ منورہ کے علمائے صحابہ و تابعین کی مجلسیں منعقد کرکے ان سے استفادہ کرتا تھا، اوران سے امورِ مملکت کے بارے میں مشورہ کرکے ان کے فیصلہ پر عمل کرتا تھا، [1] اس کی مجلس میں سیر و مغازی کا تذکرہ بھی ہوا کرتا تھا، سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں مروان بن حکم کے شرکاء مجلس حضرت ابن برصاء لیثیؓ بھی تھے (حارث بن مالک بن قیس کنانی لیثیؓ کی والدہ یا دادی کا نام برصاء تھا) ایک دن مروان کی مجلس میں فئے کا ذکر آیا اور حاضرین نے کہا کہ فئے اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس نے اس کی تقسیم کو بیان کردیا ہے، اور حضرت عمرؓ نے اس کے مطابق مصارف متعین کردئے ہیں، یہ سُن کر مروان نے کہا کہ فئے امیر المومنین کا حق ہے وہ جس کو چاہیں دیں، جس کو چاہیں نہ دیں، ہر حال میں وہ مصیب ہیں۔ یہ سنتے ہی ابن برصاء مجلس سے باہر آگئے۔

شدہ شدہ اس کی خبر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ہوگئی، میں مسجد جارہا تھا۔ راستہ میں مجھے مل گئے اور ساتھ لے کر مروان کے پاس پہونچے، میں ایک گوشہ میں بیٹھ گیا تاکہ مروان کو میری خبر نہ ہو۔ حضرت سعدؓ نے جاتے ہی کہا اے مُرَیّ! (مروان کی تصغیر) تم ہی کہتے ہو کہ فئے معاویہ کا مال ہے؟ مروان نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات آپ سے کس نے کہی ہے؟ دوسری بار حضرت سعد نے یہی کہا اور مروان نے یہی جواب دیا، اور تیسری بار اقرار کیا کہ ہاں یہ بات میں نے کہی ہے، یہ سنتے ہی حضرت سعد نے دُعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھائے، مارے غصہ کے چادر بدن سے گر گئی تھی، مروان اس قدر خوف زدہ ہوا کہ کود کر ان کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگا کہ شیخ! اپنے ہاتھوں کو بددُعا

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۳،

کے لئے نہ اٹھائیے، آپ حضرات نے ہم کو اس حال میں رکھا ہے ورنہ یہ بات نہیں ہے، حضرت سعدؓ نے کہا کہ خدا کی قسم اگر تم میرا ہاتھ نہ پکڑتے تو مرتے دم تک بددعا کرتا۔

حضرت سعدؓ کے جانے کے بعد مروان نے حضرت ابن برصاء کو بلا کر ڈرایا دھمکایا، اور باز پرس کی، حضرت ابن برصاء نے کہا کہ ہاں یہ بات میں نے کہی ہے، میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اللہ کے سامنے جبری بنتے ہو، اور سعد سے ڈرتے ہو،

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ حضرت حکیم بن حزامؓ آگئے، مروان نے ان کی آمد کی خبر سن کر کہا کہ کہیں یہ شیخ بھی پہلے شیخ کی طرح ہم پر گرم نہ ہو جائیں، حضرت ابن برصاء کو باہر نکلوا دیا اور بڑھ کر نہایت گرم جوشی سے حضرت حکیم بن حزامؓ کا استقبال کیا اور صدر مجلس میں بٹھا کر گذارش کی کہ۔

حَدِّثنا حدیث بدر — آپ ہم سے غزوۂ بدر کا واقعہ بیان کریں۔

غزوۂ بدر تک حضرت حکیم بن حزام مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور کفارِ قریش کے ساتھ تھے، مروان کی خواہش پر انھوں نے کہا۔

نعم، خرجنا حتی نزلنا الجحفۃ	ہم اہل قریش مکہ سے نکل کر جحفہ میں اترے،
رجعت قبیلۃ من قبائل قریش باسرھا	تو قریش کا ایک خاندان پورا کا پورا واپس ہو گیا،
وھی زھرۃ، فلم یشھد احدٌ من	یہ بنو زہرہ تھے، ان کے مشرکوں میں سے کوئی
مشرکیھم بدرًا الخ	شخص غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوا،

زبیر بن بکار نے جمہرۃ نسب قریش و اخبارہا میں حکیم بن حزام کا یہ بیان ایک سے زائد صفحہ میں درج کیا ہے، [1]

عبد اللہ بن رباح سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں چند لوگوں کے ساتھ حضرت معاویہ کے یہاں شام گیا، یہ رمضان کا مہینہ تھا، ہم میں سے ہر ایک باری باری سے

[1] جمہرۃ نسب قریش و اخبارہا ص۳۵۷ تا ص۳۶۰،

ارکان وفد کے کھانے کا انتظام کرتا تھا۔ حضرت ابوہریرہ اس معاملہ میں ہم سب سے آگے تھے، اور اپنی قیام گاہ پر دعوت کیا کرتے تھے، ایک دن میں نے سب کے لئے کھانے کا انتظام کیا، اور اپنے یہاں بلالیا، کھانا تیار ہونے میں کچھ دیر تھی۔ میں نے حضرت ابوہریرہؓ سے کہا کہ کھانے میں کچھ دیر ہے، مناسب ہے کہ آپ کوئی حدیث یا کوئی واقعہ بیان کریں، اور انھوں نے تفصیل سے فتح مکّہ کا واقعہ بیان کیا،

فقال ابو ھریرۃ: الا اُعَلِّمُکم بحدیث من حدیثکم معشر الانصار، ثم ذکر فتح مکۃ	اور کہا کہ اے گروہِ انصار! کیا میں تم کو تمہاری ہی باتوں کے تذکرے سے خوش وقت نہ کروں؟ پھر فتح مکّہ کا ذکر چھیڑا،

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان بلاذری نے فتوح البلدان میں پورے ایک صفحہ میں درج کیا ہے، یہ واقعہ معمولی فرق اور اختصار کے ساتھ صحیح مسلم، اور کتاب الاموال میں بھی موجود ہے[1]

حضرت سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں طلحہ بن عبید اللہ، اور سعد بن ابی وقاص اور مقداد بن اسود، اور عبدالرحمٰن بن عوف کی صحبت میں رہا ہوں، لیکن میں نے ان میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سُنا، البتہ طلحہ بن عبید اللہ کو سُنا کہ وہ غزوۂ اُحد کا واقعہ بیان کرتے تھے[2]

خصوصی اور وقتی مجلسوں میں سیر و مغازی کے مذاکرے کی یہ چند مثالیں ہیں اس کے علاوہ مدینہ منورہ میں علماء و فضلاء، اعیان و اشراف، اور اہل فکر و نظر کی مستقل مجلسیں تھیں، جن میں مقررہ اوقات میں ارکان مجلس جمع ہو کر مختلف علمی، دینی، ادبی اور سیاسی امور پر کھل کر بحث و مذاکرہ کیا کرتے تھے، اور دیگر موضوعات کی طرح سیر و مغازی کے موضوع پر گفتگو ہوا کرتی تھی،

---

[1] فتوح البلدان ص۵۲، ۵۳، مسلم، کتاب الجہاد والسیر، کتاب الاموال ص۱۲۶، [2] بخاری، کتاب الجہاد والسیر باب من حدث بمشاہدہ فی الحرب ص۹۳ ج ۲،

ان مجلسوں میں مدینہ منورہ کی مَجْلِسُ القلادۃ بہت مشہور تھی، جس میں عبداللہ بن عباس، عبیداللہ بن عدی بن خیار، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن ابو ربیعہ مخزومی، ابو یسار بن عبدالرحمٰن ابن عبیداللہ، موسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ، عبدالرحمٰن بن عبد قاری جیسے پایہ کے صحابہ وتابعین اور علمی ودینی یواقیت وجواہر شریک ہوتے تھے، اسی لئے اس کا نام مجلس القلادہ تھا، یہ مجلس روزانہ رات کو منعقد ہوتی تھی، کسی زمانہ میں حضرت معاویہ بھی اس کے رکن تھے، اور ملکِ شام چلے جانے کے بعد جب کوئی شخص مدینہ سے ان کے پاس جاتا تو اس کے بارے میں سوال کرتے اور کہتے تھے لن تبرح المدینۃ عامرۃ مادام مجلس القلادۃ یعنی جب تک مجلس قلادہ قائم رہے گی مدینہ آباد رہے گا، (دنیا نہ شود ویراں تا میکدہ آباد است) حسب معمول ایک رات یہ مجلس جمی تھی، باتوں بات میں مہاجرین اور قریش کا تذکرہ آیا جس میں بڑی تلخی پیدا ہوگئی۔

ایک صاحب نے بعض قریشی لوگوں کا ذکر مبالغہ آمیز انداز میں کیا، اس کے جواب میں دوسرے صاحب نے کہا کہ تم اہل قریش کا ذکر مہاجرین کے ساتھ کر رہے ہو؟ واللہ اہل قریش موالی ہیں جن کو مہاجرین نے گھیرے میں لینے کے بعد آزاد کر دیا ہے۔ اس میں فتح مکہ کے واقعات کی طرف اشارہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ قریش سے فرمایا تھا کہ لاتثریب علیکم الیوم، انتم الطلقاء، اس وقت مَروان بن حکم حضرت معاویہ کی طرف سے مدینہ کا امیر تھا، جب اس کو اس واقعہ کی خبر لگی، تو فجر کے بعد منبر پر بیٹھکر کہنے لگا کہ کہاں ہے وہ شخص جس نے امیر المؤمنین کو غلام بتایا ہے، اور سخت دھمکی دی، یہ معاملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہونچا، انھوں نے فرمایا کہ افسوس مَروان اس بات کا انکار کر رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد ان کی جان کو ان ہی کو ہبہ کر دیا ہے۔

مروان نے اس واقعہ کی پوری تفصیل حضرت معاویہ کو لکھی، اور انھوں نے اس کے جواب میں لکھا فَسَدَ واللّٰہِ مجلسُ القلادۃ، لعن اللّٰہ مروان، اور یہی ہوا کہ اس ناگوار واقعہ کے بعد مجلس القلادہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گئی[1]

مجلس قلادہ کی طرح مدینہ کے قریب وادیٔ عقیق میں ایک مجلس قصر اسحاق بن ایوب مخزومی میں منعقد ہوتی تھی، اس میں مدینہ اور وادیٔ عقیق کے اہل علم و فضل اور ارباب مجد و شرف جمع ہو کر مختلف موضوعات پر کھل کر بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ اس میں منذر بن عبداللہ بن منذر قرشی اسدی، عمران بن موسیٰ بن عمران، محمد بن طلحہ بن عمیر، صالح بن محمد بن مسور، مفتی بن عبداللہ بن عنبسہ، عبدالمجید بن علی لیثی، محمد بن صالح ازرق بزار مولیٰ بن فہر شریک ہوتے تھے، بعض اوقات یہ مجلس کئی کئی دنوں تک قائم رہتی تھی، اس میں دیگر مباحث و موضوعات کی طرح موقع محل کی مناسبت سے سیر و مغازی پر مذاکرہ ہوتا تھا، زبیر بن بکار نے جمہرۃ نسب قریش میں مجلس قصر اسحاق بن ایوب مخزومی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے[2]

مسجدوں میں سیر و مغازی کے تذکرے

عہد سلف میں عام طور سے دینی تعلیم کی مجلسیں مسجدوں میں منعقد ہوا کرتی تھیں، جن میں ہر قسم کے دینی مسائل بیان کئے جاتے تھے، ابوالاحوص مولیٰ بنی لیث کہتے ہیں کہ ہم نے ان علماء کو پایا ہے جن کی مجلسیں صرف مسجدوں میں منعقد ہوتی تھیں[3] حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بعض امراء کے نام خاص طور سے لکھا کہ تم اہلِ علم کو حکم دو کہ وہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں، یہ سنت متروک ہو چکی ہے[4] حضراتِ مہاجرین رضی اللہ عنہم عام طور سے مسجدِ نبوی میں بیٹھا کرتے تھے، اور حضرت عمرؓ

---

[1] تفصیل کے لئے کتاب المنمق ص۴۲۵ تا ص۴۴۹ ملاحظہ ہو، [2] جمہرۃ نسب قریش واخبارہا ص۳۹۶، ص۳۹۷ [3] الفقیہ والمتفقہ ج ۲ ص۱۲۹، [4] المحدث الفاصل بین الراوی والواعی ص۶۰۳،

ان سے خلافت کے معاملات میں مشورہ لیا کرتے تھے، ایک دن کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجوسیوں کے بارے میں کیا کروں، اس پر عبدالرحمٰن بن عوف بولے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا معاملہ کرو۔ [1]

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مروان بن حکم کو مسجدِ نبویؐ میں دیکھا تو میں بھی اس کے پاس بیٹھ گیا، اس نے بیان کیا کہ ہم کو زید بن ثابتؓ نے خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ آیت لکھوائی۔

لا یستوی القاعدون من المومنین — مومنوں میں سے جہاد سے بیٹھ جانے والے

والمجاھدون فی سبیل اللہ۔ — اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔

اسی وقت ابن ام مکتومؓ آ گئے جو نابینا تھے، انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر میں بھی جہاد کی استطاعت رکھتا تو ضرور اس میں حصّہ لیتا، اس پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا یہ آخری حصّہ نازل فرمایا۔ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ [2]

حضرت اسود بن سریعؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہ کر آپ کے ساتھ غزوات میں شریک رہے ہیں ہم ان کے بارے میں، حسن بصری کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کی مسجد کے پچھلے حصّہ میں وعظ سنایا کرتے تھے، ایک دن اثنائے وعظ میں انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار غزوات میں شرکت کی ہے۔ [3]

سلیم بن عامر کہتے ہیں کہ میں نے معدیکرب بن کلال کو سنا ہے کہ وہ جمعہ کے دن

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۶۶، [2] بخاری، کتاب الجہاد

[3] طبقات ابن سعد صفحہ ۴۲ ج ۷،

منبر پر حضرت عوف بن مالکؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض مغازی بیان کرتے تھے [۱] حضرت عمران بن حصینؓ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ متعدد غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شریک رہے ہیں۔ آخر میں بصرہ میں آباد ہوگئے تھے ہلال بن یساف کا بیان ہے کہ میں بصرہ کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ایک بزرگ جن کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہیں ستون سے ٹیک لگائے ہوئے حلقہ میں حدیث بیان کر رہے ہیں۔ میرے دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت عمران بن حصین ہیں [۲] عمران بن سریع کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت حذیفہؓ کے ساتھ کوفہ کی مسجد میں گئے، جہاں انھوں نے غزوۂ احزاب بیان کرنا شروع کیا، [۳]

مشہور تابعی معاویہ بن قرہ مزنی بصری کا بیان ہے کہ میں نے اپنے قبیلہ مُزنیہ کے تیس صحابہ کو پایا ہے ان میں ہر ایک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں شمشیر و سنان سے دشمنوں کو مارا تھا، یا خود زخمی ہوا تھا، جب جمعہ کا دن آتا تو یہ حضرات نہا کر اچھے کپڑے زیب تن کرتے، بہتر بن خوشبو لگاتے، پھر نماز جمعہ کیلئے مسجد میں آتے اور دو رکعت نماز پڑھتے، اس کے بعد بیٹھکر علم دین اور سنت کی تعلیم و تلقین کرتے یہاں تک کہ امام خطبہ کے لئے نکلتا، [۴]

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ فارس رسول اللہ کے لقب سے مشہور تھے، ان کے پوتے عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری متوفی ۱۲۰ھ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جامع مسجد میں سیر و مغازی اور صحابہ کے مناقب و فضائل کی تعلیم کے لئے خاص طور سے مقرر کیا تھا، ان کے بارے میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔

کان راویۃً للعلم ولہ علم بالمغازی — وہ حدیث کے راوی اور مغازی و سیر کے عالم تھے

---

[۱] کتاب الثقات ابن حبان ج ۲ ص ۱۴۳، [۲] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۱۱،
[۳] تاریخ کبیر ج ۳ قسم ۲ ص ۱۱۳، [۴] الفقیہ والمتفقہ ج ۲ ص ۱۳۰،

والسیر، امر عمر بن عبد العزیز ان یجلس	عمر بن عبد العزیز نے ان کو حکم دیا کہ جامع دمشق
فی مسجد دمشق فیحدث الناس	میں بیٹھکر لوگوں کے سامنے مغازی اور مناقب
المغازی ومناقب الصحابۃ، ففعل [1]	صحابہ بیان کریں اور انھوں نے حکم کی تعمیل کی

مسجدوں میں عام دینی درس ومذاکرہ کی طرح مغازی کا مستقل حلقۂ درس قائم ہوتا تھا جس میں خاص طور سے علم مغازی کی تعلیم دیجاتی تھی، اور اہل علم اس میں شریک ہوتے تھے، چنانچہ مسجد نبویؐ میں حضرت عبداللہ بن عباس کے درس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے بتایا ہے کہ حضرت ابن عباس ایک دن صرف فقہ کا ایک دن صرف تفسیر کا، ایک دن صرف مغازی کا، ایک دن صرف اشعار کا۔ اور ایک دن صرف ایام عرب کا درس دیتے تھے، [2]

مشہور امام مغازی واقدی مسجد نبویؐ میں باقاعدہ مغازی کا درس دیا کرتے تھے۔ سمتی کا بیان ہے کہ ہم نے واقدی کو دیکھا کہ مسجد نبویؐ کے ایک ستون کے پاس درس دے رہے ہیں، ہم نے پوچھا کہ کس چیز کا درس دے رہے ہیں؟ تو انھوں نے بتایا کہ جُزْءٌ مِنَ المغازی یعنی مغازی کے ایک جزء کا، [3]

حضرت عقیل بن ابو طالبؓ کے لئے مسجد نبوی میں تکیہ لگایا جاتا تھا اور لوگ ان کے پاس جمع ہو کر ان سے انساب وایام کے واقعات سنتے تھے وہ خاص طور سے قریش کے ایام وانساب جن میں غزوات بھی شامل ہیں بیان کرتے تھے۔ [4]

عورتوں میں سِیَر ومغازی کے تذکرے

مردوں کی طرح عورتیں بھی سیر ومغازی کے تذکرے کے بارے میں بحث وتحقیق اور مذاکرہ کرتی تھیں، اور بہت سی خواتینِ اسلام نے اپنے

---

[1] تہذیب التہذیب ص ج ۵، [2] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۶۸،
[3] تاریخ بغداد ج ۳ ص، [4] اسد الغابہ ج ۳ ص ۴۲۳،

واقعات بیان کئے ہیں، اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

ابتداء میں عورتوں کو غزوات میں شرکت کی اجازت نہیں تھی، قبیلہ بنی قضاعہ کی ایک صحابیہ حضرت ام کبشہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ میں شرکت کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا۔

اجلسی لایتحدث الناس ان محمدًا یغزو بامراۃ، [1] — تم بیٹھ جاؤ، لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد عورت کو لیکر جنگ کرتے ہیں۔

اسی لئے ابتدائی غزوات میں صحابیات کی شرکت نہیں ہوسکی مگر غلبۂ اسلام کے بعد ان کو اس کی اجازت مل گئی اور عورتیں جہاد میں عام طور سے زخمیوں اور مریضوں کی خدمت کرتی تھیں اور پانی پلاتی تھیں اور بعض صحابیات نے جہاد میں حصہ لے کر شاندار بہادرانہ خدمات انجام دی ہیں، ان مجاہدات وغازیات نے بعد میں اپنے واقعات بیان کئے، ان کی تحقیق کی، باہمی مذاکرہ کیا، اور جب سیر ومغازی کی تالیف وتدوین کا دور آیا تو ان کی روایات سے کام لیا گیا،

حضرت اُمیّہ بنت قیس غفاریہ رضؓ نے ایک مرتبہ عورتوں کے مجمع میں غزوۂ خیبر میں اپنی شرکت کا واقعہ یوں بیان کیا کہ قبیلۂ غفار کی چند عورتوں کے ساتھ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور ہم سب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم آپ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں نکلنا چاہتی ہیں ہم اپنی حیثیت واستطاعت کے مطابق مجاہدوں کی مدد کریں گی، آپ نے فرمایا علیٰ برکۃ اللّٰہِ اور شرکت کی اجازت دیدی، اس وقت میں نوعمر لڑکی تھی۔ راستہ میں مجھے نسوانی کیفیت پیش آگئی، آپ نے پانی میں نمک ملا کر غسل کا حکم دیا، اور جب خیبر فتح ہوگیا تو مجھے فئے سے حصہ دیا۔

یہ کہکر امیّہؓ بنت قیس نے مجمع کو مخاطب کرکے اپنے گلے کا ہار پکڑ کر کہا کہ یہ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰۸،

ہار جس کو آپ سب دیکھ رہی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا ہے اور اپنے دست مبارک سے میرے گلے میں ڈالا ہے، واللہ یہ ہار میری گردن سے کبھی جدا نہیں ہوگا، چنانچہ وہ زندگی بھر اس کو پہنے رہیں اور انتقال کے وقت وصیت کی کہ یہ ہار ان کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا جائے، اسی طرح اپنی میت کے غسل کے پانی میں نمک ملانے کی وصیت کی، ان کا معمول تھا کہ جب غسل کریں تو پانی میں نمک ملا لیتی تھیں[1]

ام سعد جمیلہ بنت سعد بن ربیع خزرجیہؓ اپنے باپ کی تنہا اولاد تھیں، ان کی والدہ عمرہ بنت حزم بن زیدؓ غزوۂ خندق میں شریک تھیں، اس وقت جمیلہ صرف دو سال کی تھیں، ہوش سنبھالنے کے بعد ان کی والدہ غزوۂ خندق کے واقعات ان سے بیان کرتی تھیں، ان کا بیان ہے۔

انا یوم الخندق ابنۃ سنتین،	میں غزوۂ خندق میں دو سال کی تھی، میرے
وکانت امی تخبرنی بعد ان ادرکت	ہوش سنبھالنے کے بعد والدہ غزوۂ خندق
عن امرھم فی الخندق[2]	میں مجاہدین کے واقعات مجھ سے بیان کرتی تھیں

ان ہی ام سعد جمیلہ بنت سعد کا بیان ہے کہ میں ام عمارہ نسیبہ بنت کعب بن عمرو کے یہاں گئی اور کہا کہ خالہ! غزوۂ احد میں آپ نے جو کچھ دیکھا ہے بیان کریں، انھوں نے بتایا کہ میں سویرے ہی احد کی طرف چلی گئی تھی، میرے پاس پانی کا مشکیزہ تھا، اس وقت لڑائی ہو رہی تھی، مسلمانوں کا حال اچھا تھا، صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور جب نقشہ بدل گیا تو میں جلدی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی، اور آپ کی طرف سے دفاع کرنے لگی،

ام سعد جمیلہ کہتی ہیں کہ میں نے ام عمارہ کے مونڈھے پر گہرے زخم کا نشان دیکھکر

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۹۳، [2] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۵۹، ص ۳۶۰،

پوچھا کہ یہ زخم کیسے لگا؟ انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن قمیئہ نے تنہا پا کر گستاخی کا ارادہ کیا، یہ دیکھکر مصعب بن عمیرؓ ایک جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ میں آگئے، میں بھی ان ہی لوگوں میں تھی، میرا یہ زخم ابن قمیئہ کے وار کا ہے، اس زخم کے باوجود میں نے اس پر مسلسل حملہ کیا مگر عدو اللہ کے بدن پر دوہری زرہ تھی، [۱]

فاطمہ بنت عتبہ۔ بن ربیعہ کے والد عتبہ اور چچا شیبہ غزوۂ بدر میں کفار قریش کے ساتھ مارے گئے اور فاطمہ بنت عتبہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد عقیلؓ بن ابوطالب نے ان سے نکاح کر لیا تھا، اس زمانہ میں بھی فاطمہ والد اور چچا کے غم میں رہا کرتی تھیں اور جب عقیل بن ابوطالب باہر سے آتے تو ان سے کہا کرتی تھیں کہ عتبہ کہاں ہیں، شیبہ کہاں ہیں؟ ایک دن عقیل سے فاطمہ نے یہی سوال کیا تو انھوں نے خفا ہو کر کہا کہ علیٰ یسارِكِ اذا دخلتِ النار یعنی اگر تم جہنم میں جاؤ گی، تو وہ تمہارے بائیں جانب ہوں گے، یہ جملہ سنتے ہی فاطمہ یہ کہتی ہوئی حضرت عثمان رضؓ کے پاس گئیں کہ اب ہم دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کو بلایا اور فاطمہ کا قضیہ ان کے سامنے رکھا، حضرت معاویہؓ دونوں میں صلح مصالحت چاہتے تھے، اور حضرت ابن عباس تفریق کے حق میں تھے، پھر دونوں حضرات عقیل کے یہاں گئے تو معلوم ہوا کہ میاں بیوی میں صلح ہو گئی ہے۔ [۲]

زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ بازار گئے میں بھی ان کے ساتھ تھا ان کے پاس ایک عورت آکر کہنے لگی کہ امیر المؤمنین! میرے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کے لئے کوئی سہارا نہیں ہے، ڈر ہے کہ وہ ضائع نہ ہو جائیں، میں خفاف بن ایماء غفاری کی بیٹی ہوں

---

[۱] طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۴۱۳، [۲] ایضاً ج ۸ ص ۲۳۸۔

جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واقعہ حدیبیہ میں موجود تھے، حضرت عمرؓ نے اس عورت کو تسلی دی اور ایک اونٹ دو بار غلہ، اخراجات کے رقم اور کپڑا دیا اور اس کے ہاتھ میں اونٹ کی نکیل دیکر کہا کہ اس کو لے جاؤ، آئندہ اللہ تعالیٰ دوسرا انتظام کردے گا۔

یہ دیکھکر ایک شخص نے کہا کہ امیر المؤمنین! آپ نے اس کو بہت زیادہ ساز و سامان دے دیا، حضرت عمرؓ نے خفا ہو کر اس سے کہا کہ واللہ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس عورت کے والد اور بھائی نے طویل مدت تک ایک قلعہ کا محاصرہ کرکے اس کو فتح کیا، اور آج ہم اس مقام سے مالی فائدہ اٹھا رہے ہیں، [1]

مکتبوں اور درسگاہوں میں سیر ومغازی کی باقاعدہ تعلیم

عہدِ نبویؐ میں جہاد کی تعلیم کے سلسلہ میں تیراندازی، شمشیرزنی، شہسواری، نشانہ بازی، تیراکی، گھڑدوڑ، پیدل چلنے، دھوپ کھانے اور اسی قسم کی جہاد میں کام آنے والی باتوں کی مشق کرائی جاتی تھی، اس زمانہ میں یہی حربی تعلیم تھی، بعد میں صحابہ اور تابعین نے اسی کے ساتھ عہدِ نبویؐ کے غزوات کی تعلیم کا بھی اہتمام کیا، تاکہ جہاد وفتوحات میں ان سے کام لیا جائے، اور یہ آبائی مجد وشرف محفوظ رکھا جائے، جس میں دنیا وآخرت کی خیر ہے، چھوٹوں کے لئے گھروں اور مکتبوں میں اس کا انتظام کیا گیا اور بڑوں کے لئے مستقل درسگاہیں کھولی گئیں، اس طرح سیر ومغازی کا معتدبہ سرمایہ کتابوں کے پہلے سینوں میں محفوظ ہو گیا۔ ہم سیر ومغازی کی تعلیم کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔

پہلے بچوں کی حربی تعلیم ملاحظہ ہو،

اسلام میں بچوں کی تعلیم وتربیت پر خاص طور سے زور دیا گیا ہے جس میں

---

[1] بخاری، کتاب المغازی ج ۳ ص ۲۹،

دینی تعلیم کے ساتھ ان کو سیر و مغازی کی تعلیم بھی دی جاتی تھی، مکحول شامی سے روایت ہے۔

کتب عمر بن الخطاب الی الشام ان علّموا اولادکم الرمی والفروسیۃ[1]

حضرت عمرؓ نے شام کے مسلمانوں کو لکھا کہ تم لوگ اپنی اولاد کو تیر اندازی اور شہ سواری کی تعلیم دو،

ایک روایت میں ہے۔

کتب عمر بن الخطاب کتب الی امراء الشام ان یتعلّموا الغرض ویمشون بین الغرضین و علّموا صبیانکم الکتابۃ والسباحۃ[2]

حضرت عمرؓ نے امراء شام کو لکھا کہ تم لوگ نشانہ بازی سیکھو! اور دو نشانوں کے درمیان پیدل چلو اور اپنے لڑکوں کو لکھنا اور تیرنا سکھاؤ

عہد صحابہ میں عام طور سے بچوں کی تعلیم گھروں میں ہوتی تھی، حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں مدینہ منوّرہ میں تین مکتب جاری کئے، اور ان کے معلّموں کو پندرہ درہم ماہوار دیا کرتے تھے،[3]

ان مکاتب میں قرآن، قراءت، کتابت، لغت اور نحو کی تعلیم کے ساتھ شہ سواری، تیر اندازی وغیرہ کی تعلیم ہوتی تھی اور مغازی کے واقعات یاد کرائے جاتے تھے۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے صاحبزادے کے معلّم و مؤدّب سلیمان کلبی کو تعلیم کے بارے میں جو ہدایات کی تھیں ان میں یہ ہدایت خاص طور سے تھی۔

وبصّرہ طرفاً من الحلال والحرام والخطب والمغازی۔[4]

تم اس کو حلال و حرام، خطبات اور مغازی کے کچھ حصّہ میں صاحب نظر بناؤ،

---

[1] مجموعۂ فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۸ ص ۱۰، [2] مصنّف عبدالرزاق ج ۹ ص ۱۹، [3] کنز العمال ج ۲ ص ۱۹۲

[4] تربیۃ الاولاد فی الاسلام ج ۲ ص ۱۴۵، عبداللہ ناصح علوان،

عہد نبوی میں بچوں اور نوخیزوں کی غزوات میں شرکت کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ان کے مجاہدانہ ذوق وشوق اور اسلامی جذبہ کا حال معلوم ہوتا ہے، ان میں معاذ اور معوذ کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ جس میں انھوں نے ابوجہل کو قتل کیا تھا، ان نوخیز مجاہدوں کے واقعات خاص طور سے مکتبوں اور گھروں میں بچوں کو سنائے اور یاد کرائے جاتے تھے،

مشہور فاتح عرب وعجم حضرت سعد بن ابی وقاص رضؓ اپنے بچوں کو جمع کر کے ان کو مغازی کے واقعات سناتے تھے، ان کو یاد رکھنے کی تاکید کرتے تھے اور ان کو آبائی مجد وشرف قرار دیتے تھے، اسی کے ساتھ جہاد کرنے اور اس میں ثابت قدمی، بہادری اور جوانمردی کے لئے ماثور دعائیں یاد کراتے تھے۔

صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر میں باب ما یتعوذ من الجبن میں عمرو بن میمون اودی سے روایت ہے کہ

کان سعد یعلّم بنیہ ھٰؤلاء الکلمات کما المعلّم الغلمان الکتابۃ، ویقول ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یتعوّذ منھن دبر الصّلاۃ، اللّٰھمّ انّی اعوذ بک من الجُبن، وَاَعُوذُ بِکَ ان اُردّ الی ارذل العمر، واعوذ بک من فتنۃ الدنیا واعوذ بِکَ من عذاب القبر[1]	حضرت سعد اپنے لڑکوں کو یہ دعائیہ کلمات سکھاتے تھے، جس طرح استاد لڑکوں کو لکھنا سکھاتا ہے، اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں انتہائی زیادتی عمر سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنہ سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں عذاب قبر سے۔

[1] بخاری ج ۱ ص ۳۹۵،

اسی کے ساتھ حضرت سعد ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے مغازی و سرایا کی تعلیم دیتے تھے، [1]

صاحبزادے محمد بن سعد کا بیان ہے۔

کان ابی یعلّمنا مغازی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وسرایاہ، فیقول: یا بُنیَّ ھذہ شرف اٰبائکم فلا تنسوا ذکرھا [2]	ہمارے والد ہم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی و سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور کہتے تھے اے میرے بیٹو! یہ غزوات تمہارے آباء و اجداد کا مجد و شرف ہیں اس لئے تم ان کو یاد رکھو،

ؤ ؤ ؤ ؤ ؤ ؤ

سیر و مغازی کا یہ خانگی مدرسہ حضرت سعد کے بعد بھی جاری رہا اور ان کی اولاد اس کی تعلیم دیتی رہی، چنانچہ صاحبزادے محمد بن سعد خود اپنے متعلق اس کی تصریح کرتے ہیں

کنا نعلّم اولادنا مغازی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کما نعلّمھم السورۃ من القراٰن۔ [3]	ہم اپنی اولاد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کی تعلیم دیتے تھے، جس طرح اُن کو قرآن کی سورہ کی تعلیم دیتے تھے،

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنی جن اولاد کو مغازی و سرایا کی تعلیم دیتے تھے ان کے نام یہ ہیں، عمر بن سعد، محمد بن سعد، عامر بن سعد، عمیر بن سعد، ابراھیم بن سعد، صالح بن سعد، یحییٰ بن سعد، یعقوب بن سعد، موسیٰ بن سعد، ان میں محمد، عامر، ابراہیم، صالح اور یعقوب احادیث کے راوی ہیں اور انھوں نے اپنے والد حضرت سعد سے سُنے ہوئے مغازی و سرایا کی روایت کی ہے، اور اس سلسلہ کو آگے بڑھایا ہے۔

حضرت علی بن حسین زین العابدین بھی اپنی اولاد کو مغازی کی تعلیم قرآن کی تعلیم کی طرح نہایت اہتمام سے دیتے تھے۔ ان کا بیان ہے

---

[1] السیرۃ النبویہ، احمد بن زینی دحلان، برحاشیہ سیرت حلبیہ ص ج ۲، [2] سیرت حلبیہ ص ج ۱، طبع قدیم،
[3] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۴۲،

كُنَّا نُعَلَّمُ مَغَازِي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا نُعَلَّمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ۔ [۱]	کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کو قرآن کی سورہ کی طرح پڑھاتے تھے۔

مغازی کے اولین مصنف عروہ بن زبیر کے والد حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر اور غزوۂ تبوک میں تلوار کے تین گہرے زخم آئے تھے اور عروہ بن زبیر بچپن میں ان سے کھیلا کرتے تھے، ان کا بیان ہے۔

كنت ادخل اصابعي في تلك الضربات العب، وانا صغير [۲]	میں زخموں کے ان گہرے نشان میں بچپن میں اپنی انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا۔

ظاہر ہے کہ حضرت زبیر بن عوامؓ اپنے بچے کو ان زخموں کے واقعات سناتے رہے ہوں گے، اور بدر و تبوک کے غزوات سے بچہ اسی زمانہ سے آشنا رہا ہوگا۔ آگے چل کر بچپن کی یہ باتیں عروہ بن زبیر کے لئے فن مغازی میں امامت کا باعث ہوئیں، انھوں نے اپنی اولاد کو مغازی کی تعلیم دی اور کتاب المغازی لکھی، ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ میرے والد مجھے، عبداللہ، عثمان، اسمٰعیل اور دوسرے بھائیوں کو بلا کر کہا کرتے تھے کہ تم لوگ عام طالب علموں کے ساتھ میرے سامنے بھیڑ نہ لگاؤ، بلکہ میں تنہائی میں ہوں تو مجھ سے علمی سوال کرو، چنانچہ ہم ان کے پاس ایسے ہی وقت میں جاتے اور وہ ہم سے حدیث بیان کرتے، پھر طلاق، خلع، حج ہدی اور اسی طرح الگ الگ ابواب و موضوعات کو بیان کر کے کہتے کہ میرے سامنے دُہراؤ اور میرے حافظہ پر خوش ہوتے تھے۔ [۳]

---

[۱] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۴۲، [۲] بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب قتل ابی جہل،
[۳] تاریخ کبیر ج ۴ قسم ۱ ص ۵۵، جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۱۱،

اگرچہ اس بیان میں سیر و مغازی کی تشریح نہیں ہے، مگر صورتِ حال سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ بن زبیر اپنے لڑکوں کو مغازی کی تعلیم بھی دیتے تھے، مدینہ میں عروہ بن زبیر کی مستقل درسگاہ "کتاب عُروہ" کے نام سے مشہور تھی، اسی میں وہ درس دیا کرتے تھے، یہ درسگاہ مسجدِ نبوی کے باب السّلام اور مصلّی (مسجد غمامہ) کے درمیان مسجدِ بنی زریق کے قریب واقع تھی، اسی علاقہ میں حضرت عمارؓ بن یاسر، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارث کے مکانات تھے، اور عبدالرحمٰن بن حارث کے مکان کی ایک کھڑکی کتابِ عروہ کی طرف کھلتی تھی [۱]

بچوں اور لڑکوں کو ان کی استعداد اور حیثیت کے مطابق مغازی کی تعلیم دی جاتی تھی، اور بڑوں کے لئے مستقل درسگاہیں تھیں جن میں وہ مغازی کا درس لیتے تھے اور اس کی باقاعدہ روایت ہوتی تھی، مدینہ میں مغازی کی مشہور درسگاہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مجلسِ درس تھی اس میں علمِ مغازی کی باری مقرر تھی اور طلبہ جوق درجوق نہایت ذوق وشوق سے اس میں شریک ہوتے تھے، عبید اللہ ابن عبداللہ بن عتبہ کا بیان ہے۔

ولقد کان یجلس یومًا مایذکر فیہ الا الفقہ، ویومًا التاویل، ویومًا المغازی، ویومًا الشعر، ویومًا ایام العرب [۲]	ابن عباس مجلس میں ایک دن صرف فقہ کا درس دیتے تھے ایک دن صرف تفسیر، ایک دن صرف مغازی، ایک دن صرف اشعار اور ایک دن صرف ایّام عرب بیان کرتے تھے۔

ان ہی سے دوسری روایت ان الفاظ میں ہے۔

لقد کنا نحضر مجلسہ فیحدثنا العشیۃ کلّھا فی المغازی، والعشیۃ	ہم لوگ ابن عباس کی مجلس میں حاضر ہوتے تو ایک شام کو پورے وقت مغازی بیان کرتے

---

[۱] وفاء الوفاء، ج ۳ ص۱۰۹۳، [۲] طبقات ابن سعد ج ۲ ص۳۶۸،

کلھا فی النسب والعشیۃ کلّھا فی الشعر، ؎۱	اور ایک شام کو پورے وقت انساب اور ایک شام کو پورے وقت اشعار بیان کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس کے تبحّرِ علمی کا یہ حال تھا کہ جو عالم ان کی مجلسِ درس میں شریک ہوتا اپنے کو ان کے سامنے ہیچ سمجھتا اور جو شخص کوئی علمی سوال کرتا تسلّی بخش جواب پاتا تھا۔

امام المغازی محمد بن عمر واقدی اپنی مجلس میں مستقل طور سے مغازی کا درس دیتے تھے جس میں اہلِ علم شریک ہوتے تھے، ان کے شاگرد یوسف سمتی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے واقدی کو دیکھا کہ مسجدِ نبوی کے ایک ستون سے ٹیک لگائے درس دے رہے ہیں، ہم نے دریافت کیا کہ کس چیز کا درس دے رہے ہیں، انھوں نے بتایا کہ مغازی کا ایک جزء پڑھا رہا ہوں،

سمتی ہی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ اثنائے درس میں ہم نے واقدی سے کہا کہ بعض اہلِ علم مختلف روایات کو جمع کرکے ان کا مفہوم بیان کرتے ہیں جس کی وجہ سے ان روایتوں میں تمیز نہیں ہوتی، آپ ہم سے ہر راوی کی حدیث علیحدہ بیان کریں، انھوں نے کہا کہ اس طرح ہر روایت علٰحدہ علٰحدہ بیان کرنے میں بہت طول ہوجائے گا۔ اور ہم نے اس پر رضامندی ظاہر کی، اس کے بعد وہ ایک ہفتہ تک مجلسِ درس میں نہیں آئے، اور ایک دن آئے تو صرف غزوۂ احد کے متعلق بیس اجزاء (ایک روایت میں ہے کہ سو اجزاء) لکھ کر لائے یہ ضخامت دیکھ کر ہم نے عرض کیا کہ آپ حسبِ سابق تمام روایات کو جمع کرکے مختصر طور سے بیان کیا کریں، ان سب روایات کے الفاظ متقارب المعنی ہوتے ہیں۔ ؎۲

؎۱ سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۲۳۵، ؎۲ تاریخ بغداد ج ۳ ص ۶

عکرمہ مولیٰ ابن عباس رضؓ بھی مغازی کا نہایت دلنشین انداز میں درس دیتے تھے جس سے مجلسِ درس میدانِ جہاد کا نمونہ بن جاتی تھی، اور اس میں زیادہ سے زیادہ لوگ شریک ہو کر میدانِ کارزار کا نقشہ دیکھتے تھے، سفیان بن عُیینہ بیان کرتے ہیں،

کان عکرمۃ اذا تکلم فی المغازی فسمعہٗ انسانٌ قال: کأنّہٗ مُشرِفٌ علیھم یراھم [۱]	عکرمہ جب مغازی بیان کرتے تھے اور کوئی آدمی سنتا تھا تو کہتا تھا کہ گویا وہ میدان جہاد میں مجاہدین کو دیکھ رہا ہے۔

امام شعبی بھی اسی انداز میں مستقل طور سے مغازی کی تعلیم دیتے تھے۔ اور اُن کے حلقہ نشین محسوس کرتے تھے کہ وہ بھی مجاہدین کے ساتھ شریک تھے، امام شعبیؒ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کا درس دے رہے تھے۔ اسی حال میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ ادھر سے گذرے اور ان کا بیان سُن کر فرمایا۔

انّہ لیحدّث حدیثًا کانّہ شہد القوم [۲]	یہ اس طرح مغازی بیان کر رہے ہیں جیسے مجاہدین کے ساتھ تھے۔

الغرض مغازی کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کی تعلیم و تدریس کے لئے مستقل مجلسیں اور مخصوص حلقے قائم ہوتے تھے۔ جن میں صرف سیر و مغازی کا بیان ہوتا تھا۔

غزوات کے مقاماتُ و مشاہد کی تحقیق اور شہداء کے مزارات کی زیارت

حضرات صحابہ و تابعین اور علماء و مشائخ کو جہاد و غزوات کے مشاہد و مقامات، شہداء کے مقابر و مزارات اور مغازی و سرایا کے آثار و علائم اور ان کے نشان سے خاص شغف تھا، وہ ان کی دید و زیارت کے لئے اہتمام کرتے تھے، ان کے بارے میں تحقیق کرتے تھے، اور ان سے متعلق واقعات کی یاد تازہ رکھتے تھے، جبل اُحد کے

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ، ص۲۶۶ ، [۲] کتاب الآثار قاضی ابو یوسف ص۲۱۲

بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔

هٰذا اَجَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ ؕ[1] یہ جبل احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال کی ابتدار میں شہدار احد کی قبروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اور ان کو خطاب کرکے یوں سلام کرتے تھے، سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّار، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کا بھی یہی معمول تھا، حضرت معاویہؓ ایک مرتبہ ملک شام سے حج کو آئے تو شہدائے احد کی زیارت اور دعائے مغفرت کے لئے گئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سید الشہدار حضرت حمزہؓ کی قبر کی زیارت کے لئے جایا کرتی تھیں، اس کی اصلاح و مرمت کرتی تھیں اور نشان کے لئے قبر پر ایک پتھر رکھا تھا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہر دوسرے تیسرے دن اور ایک روایت میں ہے کہ ہر جمعہ کو حضرت حمزہؓ اور دوسرے شہدار کی قبروں کی زیارت کے لئے جایا کرتی تھیں۔[2]

حضرت انیسہ بنت عدی انصاریہؓ کے صاحبزادے عبداللہ بن سلمہ عجلانیؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے اور وہیں شہدار کے ساتھ دفن کئے گئے بعد میں حضرت انیسہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا بیٹا عبداللہ بن سلمہؓ غزوۂ احد میں شہید ہوا ہے، میں اس کو اپنے قریب لاکر دفن کرنا چاہتی ہوں۔ تاکہ اس کی قربت سے مامون رہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی،[3]

حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان ہے کہ میرے والد غزوۂ احد میں سب سے پہلے

---

[1] بخاری و مسلم، [2] وفار الوفاج ۳ صـ ۹۳۲، [3] اسد الغابہ ج ۵ صـ ۴۰۶، اصابہ ج ۸ صـ ۲۳،

شہید ہوئے اور انکو ایک دوسرے شہید کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا بعد میں مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ میں اپنے والد کو دوسرے کے ساتھ دفن کروں۔ چنانچہ میں نے چھ ماہ کے بعد ان کو قبر سے نکالا تو ویسے تر و تازہ تھے جیسے دفن کے دن تھے، البتہ ان کے کان میں کچھ تغیر ہو گیا تھا۔ ؎۱

حضرت معاویہؓ نے مدینہ منورہ میں عین زرقاء کے اجراء کے وقت اعلان کرایا کہ اُحد کے نشیبی علاقہ میں جن شہداء کی قبریں ہیں اُن کو بالائی علاقہ میں دفن کیا جائے، اس کے بعد شہداء کو نکالا گیا تو ان کے جسم بالکل تر و تازہ اور نرم تھے، ان ہی میں حضرت عمرو بن جموح سلمی انصاریؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن حزم سلمی انصاریؓ بھی تھے، دونوں حضرات غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے اور ایک ہی قبر میں دفن کئے گئے ان کو اس موقع پر قبر سے نکالا گیا، ان کے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا، گویا ابھی کل ہی ان کا انتقال ہوا ہے۔ ایک صاحب کے جسم پر زخم تھا اور ان کا ہاتھ زخم کی وجہ سے الگ تھا، اسی طرح دفن کئے گئے تھے، باہر نکالنے کے بعد ان کا ہاتھ وہاں سے ہٹا کر چھوڑا گیا تو پھر وہیں چلا گیا، یہ واقعہ غزوۂ اُحد کے چھیالیس ۴۶ سال بعد کا ہے۔ ؎۲

حضرت جابرؓ بڑھاپے میں دونوں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، ایک مرتبہ انھوں نے بیان کیا کہ غزوۂ حدیبیہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم لوگ روئے زمین کے بہترین لوگ ہو، اس وقت ہماری تعداد چودہ سو ۱۴۰۰ تھی، اس کے بعد حضرت جابرؓ نے کہا۔

ولو کنتُ ابصر الیوم لأریتکُم مکان الشجرۃ ؎۳

اگر آج میری آنکھیں ہوتیں تو میں تم لوگوں کو بیعتِ رضوان کے درخت کی جگہ دکھا دیتا

؎۱ بخاری، ج ۱ ص ۱۶۱، کتاب الجنائز، ؎۲ موطا امام مالک، ؎۳ بخاری، کتاب المغازی ج ۲ ص ۲۹،

طارق بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں سفرِ حج میں تھا، راستہ میں دیکھا کہ کچھ لوگ ایک جگہ نماز پڑھ رہے ہیں، میں نے دریافت کیا کہ کیا یہاں کوئی مسجد ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہاں وہی درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعتِ رضوان لی تھی، اس کے بعد میں نے سعید بن مسیب سے یہ واقعہ بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ میرے والد بھی اس بیعت میں شریک تھے، ان کا بیان ہے کہ جب ہم دوسرے سال اُدھر سے گذرے تو اس درخت کو بھول چکے تھے اور تلاش کے بعد بھی نہ پا سکے، اس کے بعد سعید بن مسیب نے کہا کہ

ان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم لم یعلموھا وعلمتموھا انتم، فانتم اعلم.[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اس درخت کو نہیں جانا اور تم لوگ جان گئے، تب تو تم ان سے بڑے عالم ہو،

سہل بن سعد کا بیان ہے کہ حضرت ابو اسیدؓ نے بینائی سے محروم ہو جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ بھتیجے! اگر تم اور میں مقام بدر میں ہوتے اور اللہ تعالیٰ میری بینائی لوٹا دیتا تو تم کو وہ وادی دکھاتا جس سے ملائکہ ہماری مدد کے لئے آئے تھے، اور تم کو اس میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہتا۔[2] یہ واقعات پہلے گذر چکے ہیں۔

حضرت ابو قتادہ انصاریؓ غزوۂ احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک تھے، اور ان کے مواقع ومقامات کی معلومات رکھتے تھے، فارس رسول اللہ کے لقب سے مشہور تھے، جس زمانہ میں مروان بن حکم حضرت معاویہؓ کی طرف سے مدینہ کا والی تھا۔ اس نے حضرت ابو قتادہ انصاریؓ کو بلا بھیجا تاکہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] بخاری، کتاب المغازی ج ۲ ص ۲۹، [2] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۵۲۹،

اور صحابہ کے مواقف ومشاہد کی زیارت کرائیں اور اس نے ان کی رہنمائی میں زیارت کی۔ لہ سلیمان بن عبدالملک بن مروان اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں ۸۲ھ میں حج وزیارت کے سلسلہ میں مدینہ گیا، وہاں کے اعیان واشراف اس کے استقبال کے لئے نکلے" اس موقع پر اس نے ابان بن عثمان ابن عفان، ان کے بھائی عمرو بن عثمان اور ابو بکر بن عبداللہ بن ابو احمد کی رہنمائی میں مدینہ کے متبرک مشاہد ومقامات کی زیارت کی، جن جگہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی اور جن مقامات پر صحابہ شہید ہوئے تھے، سب کی زیارت کی، اسی سلسلہ میں جبل احد، مسجد فضیح، مشربۂ ابراہیم، اور قبا تک گیا، اور ہر مقام ومشہد کے بارے میں مذکورہ اہل علم وخبر سے معلومات حاصل کی، اور ان حضرات نے ان مقامات سے متعلق واقعات وحالات تفصیل سے بیان کئے، سلیمان بن عبدالملک نے قبا پہونچ کر ابان بن عفان سے کہا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر ومغازی مرتب کردیں، ابان نے بتایا کہ میں نے یہ کتاب پہلے ہی مرتب کرلی ہے۔ ؎

مشہور مصنف مغازی محمد بن عمر واقدیؒ کا بیان ہے کہ صحابہ اور شہداء کی اولاد اوران کے موالی میں سے جس کو میں پاجاتا اس سے معلوم کرتا کہ تم نے اپنے خاندان کے کسی فرد سے جو غزوہ میں شریک تھا کوئی بات سنی ہے؟ اگر کوئی شہید ہوا ہے تو کہاں اور کس غزوہ میں؟ اور جب کوئی بات معلوم ہوجاتی تو جائے وقوع پر خود جاکر تحقیق کرتا تھا، چنانچہ غزوۂ مریسیع کا محل وقوع وہاں جاکر دیکھا، اسی طرح جس غزوہ کے بارے میں کوئی بات معلوم ہوتی جاکر تحقیق کرتا تھا،

ایک راوی ہارون فردی کا بیان ہے کہ میں نے واقدی کو مکہ میں دیکھا کہ برتن

لہ تہذیب التہذیب ج ۱۲، ص۲۰۵، ؎ کتاب الموفقیات فی الاخبار، زبیر بن بکار ص۳۳۲ و ص۳۳۳ بحوالہ مغازی رسول اللہ لعروۃ بن زبیر، روایۃ ابی الاسود، ص۲۸،

میں پانی لیئے کہیں جا رہے ہیں، میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ بولے حنین جا رہا ہوں تاکہ غزوۂ حنین کا موقع محل اور اس کی نوعیت معلوم کروں،[1]

واقدی غزوات اور مشاہد کی چشم دید معلومات کے بارے میں مستند عالم تسلیم کیئے جاتے تھے، خلیفہ ہارون رشید حج کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوا، اور واقدی کی رہنمائی میں متبرک مقامات ومشاہد اور مزارات کی زیارت کر کے ان کے بارے میں معلومات حاصل کی، واقدی کا بیان ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے مدینہ آکر یحییٰ بن خالد سے کہا کہ تم ایسے عالم کو تلاش کرو، جو مدینہ کے مشاہد، مقدس ومتبرک مقامات، شہدار کے مقابر، اور نزول وحی کے موقع محل کے بارے میں علم رکھتا ہو، لوگوں نے یحییٰ بن خالد کو میرا نام بتایا اور اس نے عصر کے بعد آدمی بھیجکر مجھے بلوایا اور کہا کہ امیرالمومنین کی خواہش ہے کہ آپ عشار کی نماز ہمارے ساتھ ادا کریں، میں نے عشار کی نماز مسجد نبوی میں ادا کی اور باہر نکل کر دیکھا کہ دو سوار کھڑے ہیں اور سامنے روشنی ہو رہی ہے، یحییٰ بن خالد نے مجھے بلایا، میں نے ان دونوں کو لیجا کر مسجدِ نبوی کے مقدس مقامات دکھائے، دونوں نے مقام جبریل پر دو، دو رکعت نماز ادا کر کے دُعا کی، اس کے بعد ان دونوں کو لے کر رات بھر مدینہ کے مشاہد ومقابر کی زیارت کراتا رہا اور وہ دونوں ہر جگہ دو رکعت نماز پڑھکر دُعار کرتے رہے، حتیٰ کہ جب مسجد نبوی میں پہونچے تو فجر کی اذان ہو رہی تھی، اس خدمت کے عوض ہارون رشید نے مجھے دس ہزار دینار دینے کا حکم دیا،[2]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص۳، الانساب، سمعانی ج ۱۳ ص۲۷۱،

[2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص۴۲۵ و ص۴۲۶،

سیر و مغازی کے احکام و مسائل کی تحقیق

اموی دورِ خلافت میں غزوات و فتوحات کی کثرت کی وجہ سے جہاد و سیر کے بارے میں بہت سے نئے نئے مسائل و معاملات پیدا ہو گئے تھے، بعض مفاد پرست امراء و حکام کی طرف سے غنائم، انفال، فے، صفایا وغیرہ میں بے اعتدالی، اور ان کے مصارف کے نظام میں ابتری پیدا ہو رہی تھی، اسی کے ساتھ اسلامی لشکر میں ایسے مجاہدین کی کثرت تھی جو جہاد و سیر کے احکام و مسائل سے ناواقف تھے اس لئے ہر اسلامی لشکر میں علماء و فقہاء اور صلحاء رکھے جاتے تھے، اور وہ سپاہیوں کو عام اسلامی تعلیم کے ساتھ بوقت ضرورت جہاد کے احکام و مسائل بتاتے تھے، نیز یہ مجاہدین اپنے زمانہ کے مستند علماء و فقہاء اور اہل فتویٰ سے اس سلسلہ کے مسائل دریافت کرتے تھے، یہ بھی سیر و مغازی کی تعلیم و تعلّم کی ایک شکل تھی، اور مغازی کی درسگاہوں میں اس کا درس بھی جاری تھا،

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ راستہ سے گذر رہے تھے، دیکھا کہ ایک جماعت آپس میں ایک ایسے سریّہ کے بارے میں گفتگو کر رہی ہے جس کے مجاہدین شہید ہو گئے تھے، کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ لوگ شہید ہیں اور ان کا مقام جنّت ہے اور کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ ان کی نیت اجر و ثواب کی نہیں تھی اس لئے وہ شہید نہیں ہیں، حضرت عمرؓ نے ان سے کہا کہ کیا بات کر رہے ہو؟ انھوں نے پوری بات بیان کر دی، حضرت عمرؓ نے ان کو بتایا کہ کچھ لوگ ریا و نمود کے لئے لڑتے ہیں، بعض لوگ مجبوراً دفاعی جنگ کرتے ہیں اور بعض لوگ رضاءِ الٰہی کے لئے جنگ کرتے ہیں، یہی لوگ شہید ہیں، جو شخص جس حالت میں فوت ہوا ہے اسی پر اس کا حشر ہوگا۔ کسی مقتول کے بارے میں کوئی نہیں جانتا ہے کہ اس کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دئے گئے ہیں۔ [1]

[1] مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۶۷،

ابن محیریز کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں مسجد نبوی میں گیا۔ وہاں حضرت ابوسعید خدری رضؓ تشریف رکھتے تھے، میں نے ان سے عزل کے بارے میں سوال کیا تو کہا کہ ہم لوگ غزوۂ بنی مصطلق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، اور آپ سے عزل کی اجازت چاہی تو آپؐ نے منع فرمایا۔[1]

محمد بن ابو مجالد کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مسجد نبویؐ کے حلقۂ درس والوں نے مجھ کو حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضؓ کے پاس بھیجا تاکہ میں ان سے دریافت کروں کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے غلہ سے خمس نکالا تھا؟ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضؓ نے بتایا کہ آپؐ نے خمس نہیں نکالا تھا بلکہ ہم میں سے ہر شخص اپنی ضرورت کے مطابق غلہ لے لیتا تھا،[2]

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ کا حلقۂ درس مسجدِ نبوی میں ہوتا تھا، ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس کس طرح تقسیم فرماتے تھے، حضرت جابر رضؓ نے بتایا کہ اس میں لوگ یکے بعد دیگرے بیجا یا کرتے تھے۔[3]

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء بن ابی رباح سے فرار عن الزحف (عین مقابلہ کے وقت بھاگنے) کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے بتایا کہ جو شخص حربی داؤ پیچ کی وجہ سے نہیں بلکہ بزدلی کی وجہ سے بھاگتا ہے وہ فرار عن الزحف کا مرتکب ہے، پھر میں نے کہا کہ مڈ بھیڑ نہ ہونے کی صورت میں فرار کیسا ہے؟ تو بتایا کہ اس میں حرج نہیں ہے فرار کی ممانعت مڈبھیڑ کے وقت میں ہے۔

ابوحمزہ ضبعی نے حضرت ابن عباس رضؓ سے کہا کہ ہم لوگ امراء کے ساتھ جہاد کرتے ہیں، وہ دنیا کے لئے قتال کرتے ہیں، ایسی صورت میں ہم کیا کریں؟ ابن عباس رضؓ نے کہا کہ تم ان کے ساتھ جہاد کرتے رہو تم کو اس کا اجر ملے گا۔

---

[1] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ بنی المصطلق ج۲ ص۳۵ ، [2] المنتقی، ابن جارود ص۵۲۹ ، [3] کتاب الاموال ص۳۲۰ و ص۳۲۱

ابو عمران نے حضرت جندب بن عبداللہؓ سے پوچھا کہ کیا آپ لوگ عجمیوں سے بیگار لیتے تھے؟ انھوں نے بتایا کہ ہم ان کو رہبری کے لئے ساتھ لیا کرتے تھے، پھر ان کو چھوڑ دیتے تھے۔

کہمس بن حسن نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ مجاہد دشمن پر حملہ کرے، یا صف میں رہے؟ حسن بصری نے جواب دیا کہ صف میں رہے، جب اسلامی لشکر حرکت کرے تو وہ بھی ساتھ چلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم صف میں رہو اور جب مسلمان حملہ آور ہوں تو تم بھی حملہ کرو، ایک مرتبہ کہمس نے حسن بصری سے کہا کہ ہم جن امیروں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں، وہ ہم کو کسی معاملہ کی خبر نہیں دیتے ہیں۔ جب وہ صلح کرتے ہیں تو ہم بھی صلح کر لیتے ہیں اور جب وہ قتال کرتے ہیں تو ہم بھی قتال کرتے ہیں، اس پر حسن بصری نے کہا کہ تم مسلمانوں کے ساتھ مل کر ان کے دشمنوں سے قتال کیا کرو،

حضرت ابو درداءؓ سے سوال کیا گیا کہ رومیوں کے ساتھ جھڑپ میں کھانے کی جو چیزیں ملتی ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ حضرت ابو درداءؓ نے بتایا کہ ان چیزوں کو اسلامی لشکر اپنے قبضہ میں رکھے، اگر ان میں سے کوئی چیز فروخت کی جائے گی تو اس کی قیمت میں خمس ہوگا جس میں تمام شرکاء برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

ابن جریج نے عطاء بن ابی رباح سے دریافت کیا کہ مسلمانوں کا جو سامان دشمن پا جاتا ہے، اگر فتح کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو لوٹا دے تو اس کا کیا حکم ہے۔؟ عطاء نے جواب دیا کہ اگر دشمن کے یہاں اس سامان پر ایک سال نہ گذرا ہو تو اس کو اصلی مالک کو واپس کر دینا بہتر ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب کہ مالِ غنیمت تقسیم نہ ہوا ہو، اور اگر تقسیم ہو گیا ہے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔ جابر

کہتے ہیں کہ میں نے شعبی سے سوال کیا کہ جس مجاہد کا نام اور وظیفہ باقاعدہ دفتر میں ہے، وہ افضل ہے، یا وہ مجاہد افضل ہے جو متطوّعانہ اور رضاکارانہ طور پر جہاد میں شریک ہوتا ہے وہ افضل ہے؟ شعبی نے جواب دیا کہ صاحب دیوان (وظیفہ یاب) افضل ہے، کیونکہ متطوّع اور ثواب کی نیت سے نفلی جہاد کرنے والا جب چاہے گا واپس چلا جائے گا۔ [1]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت حذیفہ بن یمان ایک مجلس میں تھے، ایک شخص نے آکر حضرت ابوموسیٰ سے کہا کہ کسی آدمی نے تلوار لی اور جہاد کیا، یہاں تک کہ قتل کر دیا گیا، کیا اس کے لئے جنّت ہے؟ حضرت ابوموسیٰ نے اثبات میں جواب دیا تو حضرت حذیفہ نے ان سے کہا کہ اس شخص سے دوبارہ پوچھیے، حضرت ابوموسیٰ نے پوچھا اور اس شخص نے وہی سوال دُہرایا۔ حضرت ابوموسیٰ نے وہی جواب دیا، حضرت حذیفہ نے پھر حضرت ابوموسیٰ سے وہی کہا اور انھوں نے تیسری بار سوال سُن کر وہی جواب دیا اور کہا کہ میرے نزدیک اس کا یہی جواب ہے، یہ سُن کر حضرت حذیفہ نے کہا کہ جو شخص ایسا ایسا کرے گا جہنم میں داخل ہوگا، البتہ جو شخص اپنی تلوار سے راہِ خدا میں حق کے لئے جنگ کرے گا اس کے لئے جنّت ہے، حضرت ابوموسیٰ نے یہ جواب سُن کر کہا کہ حذیفہ نے سچ کہا،

یادگار آثار و علامات سیر و مغازی کے زبانی مذاکرہ کے ساتھ اس سلسلہ کے کچھ ایسے آثار اور واقعات بھی پائے جاتے تھے، جن سے غزوات کی یاد تازہ ہوتی تھی، مثلاً مجاہدین کے زخم، ان کے اسلحہ، اور مخصوص حالات اپنے اندر پوری تاریخ رکھتے تھے، اور ان سے متعلق واقعات کا علم ہوتا تھا، اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

[1] مصنف عبدالرزاق ج ۵ صفحہ ۲۵۱، صفحہ ۲۷۹، صفحہ ۲۸۲، صفحہ ۲۹۳، صفحہ ۲۸۰، صفحہ ۲۶۸۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں حضرت رافع بن خدیج رضؓ کو صغر سنی کی وجہ سے شرکت کی اجازت نہیں دی، ان کے چچا ظہیر بن رافع رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! میرا بھتیجا ماہر تیر انداز ہے اور ان کو شرکت کی اجازت مل گئی۔ میدان قتال میں ان کے سینے یا حلق میں دشمن کا ایک تیر لگا جس کا پر جسم میں پیوست ہو گیا، چچا ان کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، آپ نے فرمایا کہ تم کہو تو میں اس کو نکال دوں، ورنہ چھوڑ دوں، اگر اس تیر کی موجودگی میں انکا انتقال ہو گیا تو شہادت کا مرتبہ ملے گا، چچا نے کہا کہ تب آپ اس تیر کو جسم میں رہنے دیں،

راوی محمد بن طلحہ کا بیان ہے کہ رافع بن خدیج جب کھانستے تھے تو یہ پَر اوپر اٹھ جاتا تھا۔ اور صاف نظر آتا تھا، [1]

حضرت رافع بن خدیج رضؓ کا انتقال حضرت معاویہ رضؓ کے دور میں عصر کے بعد ہوا، تدفین کی تیاری ہونے لگی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ نے کہا کہ رافع بزرگ آدمی تھے جب تک اطرافِ مدینہ میں ان کی موت کی خبر نہ کی جائے ان کا جنازہ نہ اٹھایا جائے، اور دوسرے دن ان کی تجہیز و تکفین ہوئی، [2]

حضرت ابو عبیدہ بن جرّاح رضؓ نے غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے تیر یا خود کی کڑی اپنے دانت سے کھینچ کر نکالی تھی، اور سامنے کے دو دانت ٹوٹ گئے تھے، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ کوئی چہرہ جس کے دانت ٹوٹے ہوئے ہوں ابو عبیدہ کے چہرے سے حسین و جمیل دیکھنے میں نہیں آیا، [3]

ایک مرتبہ حضرت معاذ بن جبل رضؓ نے حارث بن عمیرہ کو حضرت ابو عبیدہ رضؓ کے پاس خیریت معلوم کرنے کے لئے بھیجا، حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے اپنی ہتھیلی کا زخم جو آر پار ہو گیا تھا حارث بن عمیرہ کو دکھایا جس کو دیکھ کر وہ گھبرا گئے، حضرت ابو عبیدہ رضؓ نے

---

[1] بخاری و مسلم، [2] المطالب العالیہ، ابن حجر ج ۲ ص ۱۳۶، [3] المعارف ص ۱۳۳۔

ان سے تسلی کے انداز میں کہا کہ واللہ اس زخم کے بدلے مجھے سُرخ اونٹ گوارا نہیں ہے، [1]

قیس نامی ایک راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہؓ کا وہ شل ہاتھ دیکھا ہے جس سے انھوں نے غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشمن کا وار روکا تھا [2]

یزید بن ابو عبید کا بیان ہے کہ میں نے حضرت سلمہؓ سے کہا کہ ابومسلم! آپ کی پنڈلی میں زخم کا یہ نشان کیسا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ غزوۂ خیبر میں یہ زخم لگا اور میں اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس پر تین بار دَم فرمایا، اس کے بعد آج تک کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ [3]

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کے ہاتھ میں زخم کا نشان تھا، انھوں نے بتایا کہ یہ زخم غزوۂ حنین میں لگا ہے، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوہ میں موجود تھا، [4]

حضرت زید بن ثابتؓ کا پاؤں غزوۂ احد میں زخمی ہوگیا تھا اس لئے بیٹھکر نماز پڑھتے تھے، ابومحمد حسن کہتے ہیں کہ ایک شخص کے ساتھ ان کی خدمت میں گیا، جب نماز کا وقت ہوا تو حضرت زید بن ثابتؓ نے بیٹھے بیٹھے اذان واقامت کہی، اور ایک شخص سے کہا کہ تم آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ [5]

عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میرے والد حضرت زبیر بن عوامؓ کے جسم پر شدید زخم کے تین نشان تھے، ایک مونڈھے پر اتنا گہرا تھا کہ میں اس میں اپنی انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتا تھا، اور دو زخم غزوۂ بدر میں آئے تھے، ان کے علاوہ غزوۂ احد میں ایک زخم آیا تھا۔ [6]

---

[1] الزہد والرقائق، ابن مبارک ص۳، [2] بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ احد، [3] بخاری، کتاب المغازی، [4] بخاری، کتاب المغازی، [5] طبقات ابن سعد ص ۶۲ ج ۲، اصابہ ص ۲۳ ج ۸، [6] بخاری، کتاب المغازی،

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو غزوۂ بدر میں تیروں کے کئی زخم آئے اور ان کا جُبّہ خون آلود ہوگیا، امام زہری کا بیان ہے کہ جب اُن کا آخری وقت آیا تو اس جُبّہ کو منگوا کر کہا کہ اسی کا مجھے کفن دیا جائے۔ میں نے اسی میں غزوۂ بدر میں قتال کیا ہے، اور اسی دن کے لئے اس کو چھپا رکھا تھا۔ [1]

اس سلسلہ میں ایک اور واقعہ قابلِ ذکر ہے، ابراہیم نخعیؒ بیان کرتے ہیں کہ ان کے استاذ علقمہ بن قیسؒ کے بدن پر ایک پُرانا کپڑا تھا، جس پر خون کے دھبّے تھے، وہ اسی کپڑے میں نماز پڑھتے تھے، لوگوں نے کہا کہ آپ یہ کپڑا بدل کر دوسرا کپڑا پہن لیں، انھوں نے کہا کہ میں اسی کپڑے میں نماز پڑھنا بہتر سمجھتا ہوں، اس میں معضد کے خون کے دھبّے ہیں۔ پھر بتایا کہ ہم لوگ اذربیجان میں ایک قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے، اندر سے معضد کو ایک پتھر لگا، اور خون کے چھینٹے ان کے چہرے پر پڑنے لگے، اس وقت انھوں نے میری چادر لیکر سر اور چہرے پر رکھ لی، وہ خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ واللہ یہ ہلکا زخم ہے، اللہ تعالیٰ اسی ہلکے زخم میں برکت دے گا، اس ضرب سے ان کا سر پھٹ گیا تھا۔ اور اسی زخم میں ان کی وفات ہوئی۔ [2]

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے بھائی حضرت براء بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت وہ چت لیٹے ہوئے نہایت خوش الحانی سے نغمہ سرائی کرکے اپنی کمان پر ضرب لگا رہے تھے، میں نے کہا کہ بھائی! شوق جہاد میں کب تک یہ حال رہے گا؟ یہ سنتے ہی اُٹھ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ تم سمجھتے ہو کہ میں بستر پر جان دوں گا، واللہ میں نے سیکڑوں مشرکوں کو تہ تیغ کیا ہے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ صـ۲۲ ج ۱، طبقات کبریٰ، شعرانی صـ۱۹ ج ۱،

[2] مصنف عبدالرزاق صـ۲۷۵ ج ۱،

اور بہت سے مشرکوں کے قتل میں شریک رہا ہوں۔ [۱]

عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ میرے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ عبدالملک بن مروان نے مجھ سے پوچھا کہ آپ اپنے والد زبیرؓ بن عوام کی تلوار پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں، اس نے علامت دریافت کی، میں نے بتایا کہ غزوۂ بدر میں قتال کی وجہ سے اس میں دندانے پڑ گئے تھے، عبدالملک نے کہا کہ سچ ہے۔ بِھِنَّ فلولٌ من قراع الکتائب، اس کے بعد وہ تلوار ہم کو واپس دیدی،

ہشام بن عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ ہم نے باہمی مشورہ سے اس کی قیمت تین ہزار درہم رکھی، اور خاندان کے ایک آدمی نے اس کو خرید لیا، اے کاش! میں اس کو خرید لئے ہوتا، اس پر چاندی کی قلعی تھی، [۲]

امام جعفر صادقؒ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا، میں نے دیکھی ہے اس کا قبضہ وغیرہ چاندی کا تھا، اور بنو عباس کے پاس موجود ہے۔ [۳]

امام زہریؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے علی بن حسین (زین العابدین) مدینہ آئے تو مسور بن مخرمہؓ نے ان سے ملاقات کرکے کہا کہ کوئی ضرورت ہو تو کہئے، انھوں نے کہا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کے بعد مسور بن مخرمہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کیا آپ مجھے دیں گے؟ ڈر ہے کہ لوگ آپ سے اس کو لے لیں گے، واللہ میں جان پر کھیل جاؤنگا مگر کسی کو نہیں دوں گا، [۴]

حضرت حنظلہ بن ابو عامرؓ غزوۂ احد میں بحالت جنابت شہید ہوئے، اور ملائکہ نے ان کو غسل دیا اس لئے ان کا لقب "غسیل الملائکہ" ہو گیا، ان کی شہادت کے

---

[۱] مصنف عبدالرزاق ج۵ ص۲۳۳، طبقات ابن سعد ج۷ ص۱، شرح السیر الکبیر، باب المبارزہ ج۳ ص
[۲] بخاری، کتاب المغازی ج۳ ص، [۳] مصنف عبدالرزاق ج۵ ص۲۹۶، [۴] مسلم، باب فضائل فاطمہؓ،

بعد صاحبزادے عبداللہ بن حنظلہ پیدا ہوئے اور ابن الغسیل کی کنیت سے مشہور ہوئے۔ بعد میں اس خاندان کا ہر فرد ابن الغسیل کی کنیت سے پہچانا جاتا تھا، ان ہی میں عبدالرحمٰن بن سلیمان بن عبداللہ بن حنظلہ بھی ہیں، ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ان کے پردادا حنظلہ بن ابو عامر کو ملائکہ نے غسل دیا، [1]

حضرت سہل بن قیس رضؓ غزوۂ احد میں شہید ہوئے اور سیدالشہداء حضرت حمزہ رضؓ کی قبر میں ان کے پہلو میں دفن کئے گئے، اس لئے ان کو ضجیع حمزہ بن عبدالمطلب کہا جاتا تھا، بعد میں ان کے خاندان کے تمام افراد ابن ضجیع کی کنیت سے مشہور ہوئے ان ہی میں طالب بن حبیب بن عمرو بن سہل بن قیس انصاری مدنی بھی ہیں جن کو طالب بن ضجیع کہا جاتا تھا، [2]

حضرت سلمہ بن محبّق ہذلی رضؓ غزوۂ خیبر یا غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اسی اثناء ان کو سنان بن سلمہ کی پیدائش کی خوشخبری دی گئی اور انھوں نے اس خبر کو سنتے ہی کہا کہ

لسنان ارمی بہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احب الی مما بشرتمونی [3]	جس نیزہ سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لڑ رہا ہوں وہ میرے نزدیک اس بچہ سے زیادہ محبوب ہے جس کی تم نے بشارت دی ہے۔

حضرت سنان بن سلمہ بن محبّق ہذلی رضؓ نے حضرت معاویہؓ کے دور میں سندھ کے شہر قیقان میں جہاد کیا ہے جس میں ملائکۃ الرحمٰن کا نزول ہوا تھا،

حضرت مالک بن عبداللہ بن سنان خثعمی رضؓ مالک السرایا کے لقب سے مشہور تھے، کیونکہ وہ بعوث وسرایا میں بہت زیادہ حصہ لیتے تھے، [4]

---

[1] تہذیب التہذیب ص۱۸۹ ج ۶، [2] تہذیب التہذیب ص۳ ج ۵

[3] اصابہ ص۱۱۹ ج ۳، [4] اصابہ ص۲۷ ج ۶،

غزوات وسرایا کے حفظ و یاد کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ صحابہ اپنی اولاد وغیرہ کی عمر کا شمار غزوہ سے کرتے تھے، سعد بن ہشام بن عامر انصاری نے حضرت عائشہؓ سے اپنا تعارف کرایا تو انھوں نے کہا کہ تم ابن قتیل یوم اُحد ہو؟ یعنی ہشام بن عامر جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے ان کے لڑکے ہو؟ [1]

عبّاد بن تمیم بن غزیّہ انصاری کہتے ہیں کہ میں غزوۂ خندق کے وقت پانچ سال کا تھا، [2]

ابوالطفیل کا قول ہے کہ میں غزوۂ احد کے سال پیدا ہوا تھا، میں نے حیات نبوی کے آٹھ سال پائے ہیں، [3]

[1] طبقات ابن سعد ج، ص۲۰۹، [2] الکفایہ فی علم الروایہ ص۵۵،
[3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص۱۹۰،

باب دوم
سیر و مغازی کا تحریری سرمایہ

قرآن کریم

سیر و مغازی کے ماٰخذوں میں وحی آلٰہی یعنی قرآن حکیم سب سے پہلا مستند و معتبر اور صحیح تحریری ماٰخذ ہے جس کا نزول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا۔ آپ نے اپنے سامنے کاتبانِ وحی کو بٹھا کر لکھوایا، اور حضرات صحابہ نے پڑھا، پڑھایا، سنا اور یاد کیا، بہت سے صحابہ کو پورا قرآن یاد تھا۔ خاص طور سے حیات نبوی میں جن صحابہ نے پورا جمع کیا ان کے نام محمد بن حبیب بغدادی نے کتاب المحبّر میں اس عنوان کے ذیل میں درج کئے ہیں۔

تسمیۃ الجمّاع للقرآن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قرآن جمع کرنے والوں کے نام۔

(۱) سعد بن عبید بن نعمان اوسیؓ انھوں نے سب سے پہلے پورا قرآن جمع کیا، (۲) ابو درداء عویمر بن زید بن قیسؓ (۳) معاذ بن جبل بن عمرو خزرجیؓ (۴) ثابت بن زید بن نعمان خزرجیؓ، (۵) اُبَیّ بن کعب بن مالک نجاریؓ (۶) زید بن ثابت بن ضحاک نجاری رضی اللہ عنہم۔[1]

[1] کتاب المحبّر ص ۲۸۶۔

حضرت زید بن ثابتؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر رقعات اور ٹکڑوں سے قرآن جمع کرتے تھے،

عہد نبوی میں پورا قرآن جمع کیا جا چکا تھا عہد صدیقی میں موجودہ شکل میں سورتوں کی ترتیب دی گئی، اس کی یہ صورت ہوئی کہ سالھ میں غزوۂ یمامہ میں بہت سے قُرّار صحابہ یعنی قرآن کے حُفّاظ شہید ہو گئے اس حادثہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اگر اسی طرح قُرّار و حُفّاظ غزوات میں شہید ہوتے رہے تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں قرآن کا زیادہ حصہ ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے حفظِ قرآن کے ساتھ اس کے لکھنے کا بھی انتظام ہونا چاہیئے تاکہ مصحف کی شکل میں محفوظ رہے، حضرت ابوبکرؓ کو اس نئے کام میں پس و پیش ہوا مگر جب حضرت عمرؓ کا اصرار زیادہ ہوا تو ان کو شرح صدر ہو گیا، اور حضرت زید بن ثابت کی سرکردگی میں قرآن کو صحیفہ کی شکل میں مرتب کر کے حضرت ابوبکرؓ کے پاس رکھ دیا گیا، ان کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس رہا، پھر ام المؤمنین حضرت حفصہؓ کے پاس رکھا گیا۔ [۱]

مغازی موسیٰ بن عقبہ میں ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ جنگ یمامہ میں مسلمانوں کے بھاری جانی نقصان کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ بہت گھبرائے کہ کہیں قرآن کا ایک حصہ ضائع ہو جائے، پھر ان کے حکم سے جن لوگوں کے پاس قرآنی اجزاء تھے ان سے حاصل کر کے پہلی بار عہد صدیقی میں قرآن کاغذ پر مصحف کی صورت میں رکھا گیا، [۲]

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن کے نسخے مختلف شہروں میں بھیج دیئے جائیں، اور حضرت زید بن ثابتؓ کے زیر اہتمام قرار صحابہ کی ایک جماعت نے یہ خدمت انجام دی، اس کا سبب یہ ہوا کہ ۲۵ھ میں

---

[۱] بخاری ص۹۲ ج۳، [۲] اتقان ص۵۸ ج۱،

حضرت حذیفہ بن یمان رضؓ آرمینیہ اور آذربیجان میں شامی اور عراقی لشکر کے ساتھ جہاد کر رہے تھے، اور ان دونوں علاقوں کے مجاہدین کی قرارت میں کچھ فرق پایا، تو واپسی پر حضرت عثمان رضؓ سے کہا کہ امت کو یہود ونصاریٰ کی طرح اختلاف کرنے سے بچائیے، حضرت عثمان رضؓ نے حضرت حفصہ رضؓ کے یہاں سے قرآن حکیم طلب کیا، اور حضرت زید بن ثابت رضؓ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ، حضرت سعید بن عاص رضؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث رضؓ کے ذریعہ اس کے متعدد نسخے تیار کرا کر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، شام، بحرین، یمن، بصرہ، کوفہ روانہ کئے۔[1]

قرآن میں سیر ومغازی سے متعلق بہت سے واقعات اور احکام ہیں، اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک مفصل کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ ہم یہاں پر چند غزوات و سرایا کی نشاندہی کرتے ہیں۔ بعثت، ہجرت کے علاوہ غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ خیبر، غزوہ فتح مکہ، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک وغیرہ کا مفصل یا مجمل ذکر موجود ہے، سریۂ ابن حضرمی سورۂ بقرہ میں، غزوۂ بدر سورۂ انفال میں، غزوۂ احد، اور غزوۂ بدر صغریٰ سورۂ آل عمران میں، غزوۂ خندق سورۂ احزاب میں، صلح حدیبیہ سورۃ الفتح میں، غزوۂ بنی نضیر سورۂ حشر میں، غزوۂ حنین اور غزوۂ تبوک سورۂ برارت میں، اور حجۃ الوداع سورۂ مائدہ میں مذکور ہے، اس کے علاوہ مختلف سورتوں اور آیتوں میں غزوات وسرایا، غنائم، انفال، فئ، اور جہاد وقتال کے احکام وفضائل، کفار ومشرکین کے ساتھ عہد وپیمان، اور اسی قسم کے امور بیان کئے گئے ہیں۔

اسی لئے حضرات صحابہ غزوات کے بارے میں سب سے پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے تھے، مسور بن مخرمہ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن -------

---

[1] تفصیل کے لئے اتقان ج۱ ص۵۹ تا ص۶۰ ملاحظہ ہو،

ابن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا۔

یَا خالِ اخبرنا عن قصتکم یوم اُحُــد ،	ماموں! غزوۂ اُحــد میں اپنا واقعہ ہم سے بیان کریں ،

تو انھوں نے اس کے جواب میں کہا۔

اقرء بعد العشرین ومائۃ آل عمران تجد قِصتنا، وَاذ غَدَوْتَ مِن اَھْلِكَ تبوّیٔ المُؤمنین مقاعد لِلقِتالِ، لہ	تم سورۂ آل عمران کی ایک سو بیس ۱۲۰ آیتوں کے بعد پڑھو، اس میں ہمارا واقعہ پاؤ گے، جو اس آیت سے شروع ہوتا ہے. وَاذ غدوت من اھلكَ الخ

ابو عمران کا بیان ہے کہ غزوۂ قسطنطنیہ میں مہاجرین کے لشکر سے ایک شخص دشمن کی صف پر حملہ کر کے اندر گھس گیا، یہ دیکھکر کچھ لوگوں نے کہا۔

القیٰ یدہٗ الی التھلکۃ	اس نے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا

اس غزوہ میں ہمارے ساتھ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے، لوگوں کی یہ بات سن کر انھوں نے کہا کہ تم لوگ اس آیت کو بے موقع محل چسپاں کرتے ہو،

نحن اعلم بھٰذہ الآیۃ، انما نزلت فینا،	اس آیت کا مطلب ہم زیادہ جانتے ہیں یہ ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

پھر فرمایا کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے، آپ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے، اور آپ کی مدد کی، جب اسلام کا ظہور و غلبہ ہوگیا تو ہم نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و نصرت کا شرف بخشا یہاں تک کہ اسلام کا ظہور و غلبہ ہوگیا، ہم نے آپ کو اپنے اہل و عیال اور اموال و اولاد پر ترجیح دی، اب جہاد کا دور ختم ہوگیا، اس لئے ہم لوگ چل کر

لہ اتقان صفحہ ۹۰ ج ۱ ،

اپنے اپنے خاندان اور بال بچوں میں رہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وانفقوا فی سبیل اللہ، ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ	اور تم لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرو، اور اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو،

اس لئے ہلاکت اولاد واموال میں رہنے اور جہاد ترک کرنے میں ہے۔[1]

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے سورۂ انفال کے بارے میں سوال کیا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ سورۂ غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور سورۂ حشر کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ یہ سورہ غزوۂ بنی نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2]

ابراہیم بن حارث بن خالد تیمی قرشیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک سریہ میں روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ صبح وشام یہ آیت پڑھتے رہیں۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ، چنانچہ ہم اس ارشاد نبوی پر عمل کرکے اس سریہ میں صبح وشام اس آیت کا ورد کرتے رہے یہاں تک مال غنیمت لیکر صحیح وسالم واپس آگئے۔[3]

جہاد و غزوات میں صحابہ کرام قرآن کے بعض الفاظ کو شعار کے طور پر آپس میں استعمال کرتے تھے تاکہ اسی سے ایک دوسرے کو میدانِ جہاد میں پہچان سکیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتایا تھا کہ جب تم پر شب خون مارا جائے تو آپس میں حٰمٓ لا ینصرون کو شعار کے طور پر کہو، مسیلمہ کذاب سے جنگ کے موقع پر مجاہدین کا شعار "یا اصحاب سورۃ البقرۃ" تھا۔[4]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ کی خدمت میں رہ کر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کے

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۸، [2] بخاری [3] اسد الغابہ ج ۱ ص ۴۰، [4] مصنف ج ۵ ص ۲۳۲ و ۲۳۳،

بارے میں اور قرآن میں مغازی کے بارے میں جو کچھ نازل ہوا ہے، سب کو معلوم کیا کرتا تھا، لہ، حضرت ابن عباسؓ ترجمان القرآن تھے تفسیر کے حلقۂ درس کے ساتھ مغازی کا حلقۂ درس بھی قائم کرتے تھے۔

حضرات صحابہ اور مجاہدین سفر و حضر میں قرآن سیکھتے سکھاتے تھے حتیٰ کہ جہاد میں یہ مشغلہ جاری رہتا تھا۔ البتہ جہاں قرآن کے دشمن کے ہاتھ میں پڑنے اور اس کی اہانت کا خطرہ ہوتا تھا وہاں قرآن لیجانے کی ممانعت تھی۔ امام بخاریؒ نے کتاب الجہاد والسیر کے باب السفر بالمصاحف الی ارض العدو، روایت کی ہے۔

وقد سافر النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ فی ارض العدو، وھم یعلمون القرآن۔ ؎	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ دشمن کے علاقہ میں بحالتِ سفر قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے۔

عہدِ نبویؐ میں جب کوئی سریّہ روانہ کیا جاتا تو صحابہ زیادہ سے زیادہ اس میں نکل جاتے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں چند صحابہ کے ساتھ رہ جاتے تھے، اس درمیان قرآن کا نزول ہوتا تو تمام شرکاءِ سریّہ اس سے بے خبر رہتے، اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی،

وما کان المومنون لینفروا کافۃً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون، (توبہ)	اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہئے کہ سب نکل جائیں پس ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر جماعت سے چند لوگ جائیں تاکہ باقی لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور تاکہ یہ لوگ ڈرائیں اپنی قوم کو، جب وہ قوم واپس آئے، تاکہ وہ ڈریں اور احتیاط کریں،

ؐ ۔۔ ؐ ۔۔ ؐ ۔۔ ؐ

لہ اصابہ ص۹ ج۳ و ص۹۲، ؎ بخاری، کتاب الجہاد والسیر ص۱۱ ج۲،

اس کے بعد صحابہ کرام کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر باش رہ کر نازل شدہ قرآنی احکام کو سریّہ سے واپس آنے والے مجاہدین سے بیان کرتے تھے، اسی طرح جب آپ غزوہ میں تشریف لیجاتے تو ماذون اور معذور لوگوں کے علاوہ تمام صحابہ ساتھ ہوتے اور اس درمیان میں جو قرآنی احکام نازل ہوتے واپس آکر مدینہ والوں سے بیان کردیتے۔[1]

غزوات میں قرآن کی تعلیم کا سلسلہ خلافت راشدہ میں بھی قائم رہا عہدِ صدیقی میں جنگ یمامہ میں جابر بن عبداللہ سلمی رضؓ زخمی ہوگئے اور قریب ہی مقام عقر میں علاج و معالجہ کے لئے ٹھہر گئے اس درمیان میں وہاں کے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے رہے یہاں تک کہ صحت یاب ہوکر واپس ہوئے۔[2]

عہدِ فاروقی میں آذربیجان مقامی باشندوں کی سرکشی کے بعد دوبارہ فتح کیا گیا۔ اس مرتبہ امیر لشکر اشعث بن قیس نے وظیفہ یاب عربوں کو وہاں آباد کیا، ان لوگوں نے مقامی باشندوں کو دعوتِ اسلام دی، اور جو لوگ مسلمان ہوئے ان کو قرآن کی تعلیم دی، جب حضرت علی رضؓ کے دور میں اشعث بن قیس وہاں کے امیر بن کر آئے تو اکثر باشندوں کو مسلمان پایا، جنھوں نے قرآن پڑھ لیا تھا۔[3]

حضرت معاویہ رضؓ کے دور میں ردوس (روڈشیا) فتح ہوا، اسلامی فوج سات سال تک وہاں ایک قلعہ میں مقیم رہی، حضرت معاویہ رضؓ باری باری سے مجاہدوں اور مرابطوں کو روانہ کرتے تھے، جن میں مجاہد بن جبیرؒ بھی تھے، اور قلعہ کے اندر اسلامی لشکر کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے، نیز مجاہد بن جبر نے قسطنطنیہ کے قریب اروادنامی جزیرہ میں قرآن کی تعلیم دی، تبیع (کعب احبار کی بیوی کے بیٹے) نے ان سے ردوس یا ارواد میں قرآن پڑھا تھا۔[4]

---

[1] الجرح والتعدیل ص۳۵ ج۱، [2] تاریخ کبیر ص۲۰۸ ج۱ قسم۲، [3] فتوح البلدان ص۳۳۲، [4] ایضاً ص۲۳۷،

ربیع بن زیاد حارثیؓ عجم وخراسان کی مہم پر تھے، ایک مرتبہ زیاد بن ابوسفیان نے ان کو لکھا کہ امیرالمومنین (حضرت معاویہ) کی طرف سے میں آپ کو حکم دیتا ہوں کہ مالِ غنیمت میں سے سونا چاندی الگ کر کے تمام مالِ غنیمت اسلامی لشکر میں تقسیم کردیں، اس کے جواب میں ربیع بن زیاد نے لکھا کہ

الی وجدت کتاب اللہ قبل کتاب امیرالمؤمنین۔ — امیرالمومنین کی کتاب (خط) سے پہلے مجھے کتاب اللہ مل چکی ہے۔

اس کے بعد خمس نکال کر سارا مالِ غنیمت مستحقین میں تقسیم کردیا۔ [1]

ابوراشد جرانیؒ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت مقداد بن اسودؓ کو دیکھا کہ حمص میں ایک صراف کی دکان پر بیٹھے ہیں، خیال ہوا کہ کسی جہاد میں جانے کیلئے تیار ہیں، میں نے ان کے بڑھاپے اور ضعف کو دیکھتے ہوئے کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معذور ہیں۔ اس عمر میں جہاد پر نہ نکلیں، یہ سنکر انھوں نے کہا کہ

اتت علینا سورۃ البعوث، انفروا خفافاً وّثقالاً [2] — ہمارے پاس سورۂ بعوث (جہاد میں شرکت کی سورہ) آئی ہے یعنی انفروا خفافاً وثقالاً۔

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ سورۂ برارت کی تلاوت کر رہے تھے، جب اس آیت پر پہونچے انفروا خفافاً وثقالاً تو بولے۔

لا اری ربنا الا یستنفرنا، شبابنا، وشیوخنا، یا بنیّ جھزّونی، جھزّونی — میں دیکھ رہا ہوں کہ ہمارا رب ہم کو، ہمارے نوجوانوں کو اور ہمارے بوڑھوں کو جہاد کیلئے ابھار رہا ہے، اے میرے بیٹو! میرا انتظام کرو

یہ سن کر ان کے لڑکوں نے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

---

[1] اصابہ، ص ۱۹۵ ج ۲، [2] طبقات ابن سعد

جہاد کیا حتیٰ کہ آپؐ کا وصال ہو گیا، اور حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ جہاد کیا حتیٰ کہ وہ بھی انتقال کر گئے، اور حضرت عمرؓ کے ساتھ جہاد کیا یہاں تک کہ ان کا بھی انتقال ہو گیا، اب ہم آپ کی طرف سے جہاد کریں گے، مگر حضرت ابو طلحہؓ نہیں مانے، اور بحری جہاد کے لئے نکل گئے، اتفاق سے جہاز پر ان کا انتقال ہو گیا، اور اُن کے دفن کے لئے سات دن کے بعد ایک جزیرہ ملا، اور اسی میں ان کو دفن کیا گیا، اس وقت تک ان کے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا، [1]

سعد بن ابراہیم سے روایت ہے کہ جنگ قادسیہ میں لوگ ایک شخص کے پاس سے گذرے جس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر کٹے ہوئے تھے اور وہ اس حال میں یہ آیت پڑھ رہا تھا۔

مع الذین انعم اللہ علیھم من النبیین	انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین
وَالصدّیقین و الشھدٰاءِ والصالحین	کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، یہ بہترین
وحسنَ اولٰئک رفیقًا ،	رفیق ہیں۔

ایک شخص نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا کہ قبیلہ انصار کا ایک آدمی ہوں، [2]

عہدِ نبویؐ کی یادگار تحریریں

عہد رسالت میں دیوان الانشاء کا باقاعدہ شعبہ قائم نہیں ہوا تھا۔ مگر تمام اہم امور و معاملات تحریری شکل میں انجام پاتے تھے، اور ان تحریروں کو محفوظ رکھا جاتا تھا، اس کام کے لئے عام کاتبوں کے علاوہ چند مخصوص کاتب مقرر تھے، جو مفوّضہ خدمات کو حسن وخوبی اور ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتے تھے،

---

[1] طبقات ابن سعد — تفسیر ابن کثیر ص۲۵۹ ج ۲

[2] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص۳۶ ،

جہشیاری نے کتابُ الوزراء والکتاب میں اسماء مَن ثبت علی کتابۃ رسُول اللہ صَلی اللہ عَلیہٖ وسَلم کے عنوان سے ان کے نام اور شعبۂ کتابت کو یوں بیان کیا ہے
علی بن ابی طالبؓ اور عثمان بن عفانؓ دونوں حضرات وحی کی کتابت کرتے تھے، اگر یہ موجود نہ ہوتے تو اُبیؓ بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ یہ خدمت انجام دیتے تھے،
خالد بن سعید بن عاصؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر آپ کی ذاتی ضروریات وحوائج لکھتے تھے،
مغیرہ بن شعبہؓ اور حصین بن نمیرؓ عام لوگوں کے قرضہ جات اور باہمی معاملات وقضایا لکھتے تھے، عبداللہ بن ارقم بن عبدیغوثؓ اور علاء بن عقبہؓ عرب قبائل کے پانی کے چشموں، اور انصار کے زن وشوئی کے امور لکھا کرتے تھے۔
زید بن ثابتؓ کتابتِ وحی کے ساتھ امراء وسلاطین کے نام خطوط اور دعوت نامے لکھتے تھے، معیقیب بن ابو فاطمہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غنائم لکھتے تھے، حنظلہ بن ربیع بن موقعؓ ان کاتبوں کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت کرتے تھے، اسی لئے ان کا لقب "الکاتب" تھا، یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم بردار بھی تھے۔ [1]
عبداللہ بن سعد بن ابو سرحؓ بھی ان ہی کاتبوں میں تھے، مگر بعد میں مُرتد ہو گئے تھے، پھر اسلام لائے
اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شعبہ کے لئے دو دو ذمہ دار کاتب رہا کرتے تھے، اور ان کی اتفاقیہ غیر موجودگی میں ان کے کام دوسرے کاتب انجام دیتے تھے۔
ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے شعبہ میں پوری مہارت اور واقفیت رکھتا تھا اور خلافتِ راشدہ میں جب باقاعدہ دیوان الانشاء کا قیام ہوا تو ان کی خدمات حاصل

---

[1] کتابُ الوزراء والکتاب، ورق ۱۰ ب (طبع دینا)

کی گئیں، چنانچہ عبداللہ بن ارقم عہدِ صدیقی میں شعبۂ انشاء کے ذمہ دار تھے، اور عہدِ فاروقی میں بیت المال کے کاتب و محاسب تھے، ان کی دیانت و امانت کا یہ حال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات بادشاہوں کے نام ان سے خطوط لکھوا کر بغیر سنے ہوئے مہر بند فرما دیا کرتے تھے۔ [1]

معیقیب بن ابو فاطمہؓ بھی عہدِ فاروقی میں بیت المال کے محاسب و کاتب اور حضرت عمر کے فرامین لکھتے تھے۔ اور عہدِ عثمانی میں خاتم بردار تھے۔ [2]

ان تحریروں کی اہمیت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد نامے، صلح نامے، قطائع نامے، دعوت نامے اور اسی قسم کی دوسری تحریریں اور رسائل ان ہی کاتبوں سے املاء کراتے تھے، پھر ان کو سُن کر توثیق و تصدیق فرماتے تھے، اس لئے یہ تحریریں وحی الٰہی کے بعد بڑی اہمیت رکھتی ہیں، اور ان کے مستند و معتبر ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ان کی اہمیت کا اندازہ مشہور تابعی امام محمد بن سیرینؒ متوفی ۱۱۰ھ کے اس قول سے ہوتا ہے۔

لو کنتُ متخذٌ اکتابًا لاتخذتُ رسائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم [3]

اگر میں احادیث کو کتاب میں لکھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط و رسائل کو ضرور لکھتا۔

ابن سیرینؒ حفظِ حدیث کے مقابلہ میں کتابتِ حدیث کے حق میں نہیں تھے، ان تحریروں میں سے بہت سی تحریریں کئی صدیوں تک محفوظ رہیں اور جب احادیث اور سیر و مغازی کی تدوین کا دور آیا تو ان سے کام لیا گیا، بلکہ آج تک اس دور کی بعض تحریریں موجود ہیں۔ اس وقت ہم ایسی چند یادگار تحریروں کی نشاندہی کر رہے ہیں جو مختلف قبائل اور افراد کے پاس خاندان در خاندان محفوظ رکھی گئیں،

[1] اصابہ صفحہ ۳۳ ج ۴، [2] اصابہ صفحہ ۱۳۰ ج ۶، [3] طبقات ابن سعد صفحہ ۹۴ ج ۷،

اور بعد میں بڑے کام کی ثابت ہوئیں،

ان مکاتیب ورسائل کی علمائے سیر ومغازی کے نزدیک بڑی اہمیت تھی، اور انھوں نے ان کو کتابی شکل میں جمع کیا تھا، ابن ندیم نے ابوالحسن مدائنی متوفی ۲۲۵ھ کی تصانیف میں (۱) کتابُ عہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۲) کتاب رسائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) کتاب صلح النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۴) کتابُ کُتُبُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۵) کتاب مَن کتب لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاباً اوامانًا، (٦) کتاب الخاتم والرُسُل کے نام لکھے ہیں۔ (الفہرست ص۱۴۷ وص۱۴۸)

ابتدائے اسلام سے اس کا انتظام

سیر ومغازی سے متعلق تحریروں کا سلسلہ ابتدائے اسلام سے شروع ہو گیا تھا، حضرت عباس بن عبد المطلبؓ غزوہ بدر سے پہلے ہی خفیہ طور سے مسلمان ہو چکے تھے، اور کفار مکہ کی سازشوں اور چالوں سے تحریر کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کیا کرتے تھے، اس لئے مخالفین اسلام کی کوئی بات آپ سے پوشیدہ نہیں رہتی تھی، اور مکہ میں جو مسلمان رہ گئے تھے حضرت عباسؓ کی وجہ سے مامون ومطمئن تھے، [۱]

اسی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ سے فرمایا کہ میرے لئے اسلام قبول کرنے والوں کے نام لکھو، چنانچہ ڈیڑھ ہزار مسلمانوں کے نام لکھے گئے، حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ یہ تعداد دیکھکر ہم نے کہا کہ آج ہم ڈیڑھ ہزار ہوکر ڈر رہے ہیں، میں نے وہ زمانہ بھی پایا ہے جس میں ہم لوگ سخت ابتلاء میں تھے، حتی کہ آدمی تنہا نماز پڑھتے ہوئے ڈرتا تھا،

غزوات میں شریک ہونے والے مجاہدین کے نام دفاتر میں لکھے جاتے تھے،

[۱] تہذیب التہذیب ص۱۲۳ ج ۵،

ایک مرتبہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

یارسُول اللہ انی کُتبتُ فی غزوۃ کذا کذا، وامرأتی حاجۃ	یارسول اللہ! میرا نام فلاں فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے اور میری بیوی حج کو جانیوالی ہے

آپ نے فرمایا جاؤ، اپنی بیوی کے ساتھ حج ادا کرو، [1]

حضرت کعب بن مالکؓ نے غزوۂ تبوک میں مجاہدین کی کثرت یوں بیان کی ہے

والمسلمون مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثیرٌ لایجمعھم کتاب حافظ، یرید الدیوان [2]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مسلمان اتنی کثیر تعداد میں تھے کہ کسی رجسٹر میں نہیں آسکتے تھے،

غنائم کے جمع وتقسیم کا باقاعدہ اندراج ہوتا تھا، یہ خدمت حضرت معیقیب بن ابوفاطمہ انجام دیتے تھے، اوراس کے خاص کاتب تھے، جہشیاری نے لکھا ہے۔

معیقیب بن ابی فاطمۃ الاوسی کان یکتب غنائم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [3]	معیقیب بن ابوفاطمہ اوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غنائم لکھتے تھے،

⁂ ⁂ ⁂ ⁂

محمد بن مسلمہ اوسی انصاریؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں میں قدیم الاسلام اور فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔ غزوۂ بدر اور دوسرے غزوات میں شریک رہے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد خاص ہیں، وہ بھی مالِ غنیمت کا حساب وکتاب رکھتے تھے، چنانچہ غزوۂ بنی قینقاع میں یہودی زرگروں کا مالِ غنیمت انھوں نے جمع کیا تھا۔ [4]

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب کتابۃ الامام الناس ج ۲ ص۱۱۱، [2] بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک، [3] کتاب الوزراء والکتاب ص۱۲، ۱۳، [4] طبقات ابن سعد ج ۲ ص۳۰،

غزوۂ بنی قریظہ میں حصار کے بعد یہودی باہر نکلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ وہ مردوں کو عورتوں بچوں سے جدا کر کے ان کی مشکیں بندھوائیں [1]

غزوۂ بنی نضیر میں یہودیوں کا اخراج محمد بن مسلمہ ہی کی ذمہ داری اور نگرانی میں ہوا، [2] بعض غزوات کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات لکھ لیئے جاتے تھے اور صحابہ ان کو اپنے پاس رکھتے تھے، فتح مکہ میں آپ نے جو خطبہ دیا تو یمن کے ابو شاہ نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے لیئے اس کو لکھ دیں، اور آپ نے صحابہ سے فرمایا اکتبوا لابی شاہ یعنی ابو شاہ کیلئے یہ خطبہ لکھ دو۔ [3]

یہ تحریریں احادیث و سیر اور تواریخ میں روایت کی گئیں اور ان کو محفوظ کر لیا گیا، ہم یہاں ایسی تحریروں کا ذکر کرتے ہیں جو عہد نبوی میں لکھی گئیں اور کئی صدیوں تک بطور یادگار باقی رہیں۔

مکاتیبِ نبویؐ کا عربوں میں احترام

عام طور سے عرب قبائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی خطوط ورسائل کو عظیم انسان کی تحریر سمجھکر بہت معزز و محترم گردانتے تھے، اور ان کی ناقدر شناسی کو باعثِ وبال تصور کرتے تھے، قبیلہ کے افراد جمع ہو کر ان کو پڑھتے اور سنتے تھے، اس کا بطور خاص اہتمام کرتے تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمعان بن عمرو بن قریط عُرنیؓ کے پاس دعوتی مکتوب روانہ فرمایا جو چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تھا، سمعان بن عمرو نے نامۂ مبارک سے اپنے ڈول کی پیوندکاری کر دی، اس پر ان کی لڑکی نے ان سے کہا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ص۸۳ ج ۲، [2] ایضاً ص۵۸ ج ۲، [3] بخاری ومسلم،

ما اراك الا سيصيبك قارعة	میں دیکھ رہی ہوں کہ تم پر بہت جلد کوئی
اتاك كتاب سيد العرب فرقعت	مصیبت آنے والی ہے سید العرب کا خط
به دلوك ۔	تمہارے نام آیا اور تم نے اس سے ڈول کی پیوند کاری کر دی،

اس لڑکی کی یہ پیشین گوئی یوں صحیح ہوئی کہ اُدھر سے اسلامی لشکر کا گذر ہوا اور اس نے ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد انھوں نے خدمتِ نبویؐ میں آ کر اسلام قبول کر لیا اور اپنی حرکت پر معذرت کر کے ندامت ظاہر کی، سمعان بن عمرو نے یہ حرکت بحالتِ کفر کی تھی، مگر اسلام کے بعد بھی یہ داغ ان کے خاندان پر باقی رہا اور انکی اولاد کا لقب بنوالراقع (پیوند کار کی اولاد) پڑ گیا،[1]

ابو عمارہ عبد خیر ہمدانی کا بیان ہے کہ میں بچپن میں اپنے وطن یمن میں تھا، اسی زمانہ میں ہمارے قبیلہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتی مکتوب آیا، اس کے پڑھنے اور سننے کے لئے بڑا اہتمام کیا گیا، منادی ہوئی، لوگ ایک میدان میں جمع ہوئے، میرے والد بھی گئے اور دوپہر تک وہاں سے لوٹے، والدہ نے کہا کہ تم اب تک کہاں تھے، کھانا تیار ہے، بچے کھانے کے لئے ضد کر رہے ہیں، والد نے کہا کہ اے ام فلاں! ہم لوگ مسلمان ہو گئے ہیں، تم بھی اسلام قبول کر لو، ہم نے دین بدل دیا ہے، تم بھی دین بدل ڈالو،[2]

ابو شدّاد ذماری عمانیؓ ایک سو بیس سال تک زندہ رہے، ان کا بیان ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب آیا تو ہم نے کسی لکھے پڑھے آدمی کو تلاش کیا، آخر ایک لڑکا ملا جس نے یہ مکتوب پڑھ کر سنایا،[3]

---

[1] طبقات ابن سعد ص۲۸۰ ج ۱، وص۲۸۱، [2] الانساب سمعانی ص۲۶۵ ج ۱۰،

[3] اصابہ ص۱۰۱ ج ۸،

چند یادگار تحریریں

اب ایسے وثائق نبویہ کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جو مدتوں محفوظ رکھی گئیں، مغازی کے مشہور عالم مجالد بن سعید بن عمیر ہمدانی کوفی متوفی ۱۴۴ھ کے دادا عمیر ذو مرّان ہمدانی کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت نامہ روانہ فرمایا تھا، جو قبیلہ بنو ہمدان میں محفوظ تھا اور مجالد بن سعید نے اس کی زیارت کی تھی، ان کا بیان ہے،

کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی جدّی عندنا [۱] — میرے دادا کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط ہمارے پاس ہے۔

قبیلہ بنو عبس بن جبیب کے سردار ابو سیارہ عامر بن ہلال متعی کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی خط بھیجا تھا، جو ان کے خاندان میں موجود تھا، ابن ابو حاتم نے لکھا ہے۔

والکتاب عند بنی عمہ المتعیین، [۲] — یہ خط عامر بن ہلال کے چچازاد بھائیوں کے پاس محفوظ ہے۔

قبیلہ بنی طے کے سردار جابر بن ظالم خدمتِ نبوی میں آکر مسلمان ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تحریر عنایت فرمائی جو ان کے قبیلہ میں موجود تھی۔ یہ قبیلہ اجا اور سلمیٰ دو پہاڑوں کے درمیان آباد تھا۔

وکتب لہ کتابا ھو عند اھلہ بالجبلین، — آپ نے جابر کیلئے ایک تحریر لکھی جو ان کے قبیلہ بنو طے کے پاس دونوں پہاڑوں (اجاء اور سلمیٰ) کے درمیان موجود ہے،

ابن حجر اور سمعانی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

وفد الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم — جابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

---

[۱] المعارف ابن قتیبہ ص۲۳۳، [۲] الجرح والتعدیل ج ۳ قسم ا ص۳۲۸،

وکتب لہ کتاباً فھو عندھم [1] | میں گئے اور آپ نے ان کے لئے ایک تحریر لکھی جو ان کے خاندان کے پاس محفوظ ہے

سعیر بن عداء قریعی رض کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب بھیجا تھا جس کو ان کی اولاد نے بحفاظت رکھا تھا، اور عبداللہ بن یحییٰ بن سلیمان نے اس کی زیارت کی تھی، ان کا بیان ہے۔

ارانی ابنٌ لسعیر بن عداء کتاباً من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] | سعیر بن عداء کے ایک لڑکے نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب دکھایا،

قبیلہ بنی عقیل بن کعب کے تین افراد ربیع بن معاویہ، مطرف بن عبداللہ اور انس بن قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اپنے قبیلہ کی طرف سے آپ کے دست اقدس پر بیعتِ اسلام کی، اور آپ نے ان کو بنی عقیل کا علاقہ عقیق جاگیر میں دے کر سُرخ چمڑے پر تمسک نامہ لکھ دیا جو مطرف بن عبداللہ کے پاس محفوظ تھا،

فکان الکتاب فی ید مطرف [3] | یہ تمسک نامہ مطرف کے پاس تھا،

اس تحریر کا پورا متن طبقات ابن سعد میں منقول ہے،

جہضم بن ضحاک کہتے ہیں کہ مجھکو بادیہ میں ایک شخص ملا، اس نے بتایا کہ میں نے بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، آپ نہایت حسین وجمیل تھے، پھر اس نے آپ کا ایک مکتوب دکھایا جو اس کے چچا کی جاگیر کے متعلق تھا۔

فاخرج الینا کتاباً فاذا فیہ ھذا ما قطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلان بن فلان یعنی عمہٗ [4] | اس نے ہمارے سامنے ایک مکتوب پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ یہ جاگیر اس کے چچا فلاں بن فلاں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے،

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۳۲۱، الانساب ج ۹ ص ۳۹۹، [2] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۲، [3] ج ۱ ص ۳۰۲، [4] تاریخ کبیر ج ۱ قسم ۱ ص ۳۲۳ •

قبیلہ جعد بن کعب سے رقاد بن عمرو خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقام فلج میں ایک قطعۂ زمین عطا فرما کر تحریر لکھدی، یہ تحریر اُن کے خاندان میں موجود تھی،

واعطاه رسول الله صلی الله علیہ وسلم بالفلج ضیعة، وکتب لہ کتابًا، وھو عندھم لہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مقام فلج میں ایک قطعۂ زمین دی اور ان کو ایک تحریر لکھدی جو ان کے خاندان میں ہے،

قبیلہ عکل کی شاخ بنی زہیر بن اقیش کے مشہور شاعر نمر بن تولب نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بنو زہیر بن اقیش کو ایک مکتوب روانہ فرمایا جو اس قبیلہ کے پاس مدتوں موجود تھا ابو العلاء یزید بن عبداللہ بن شخیر بصری متوفی ۱۰۸ھ کا بیان ہے۔

اتانا رجل من عکل ومعه کتاب من رسول الله صلی الله علیه وسلم فی قطعة جراب کتبه لھم من محمد رسول الله الی بنی زھیر بن اقیش الخ۔ ؎	ہمارے پاس قبیلہ عکل کا ایک شخص آیا جس کے ساتھ چمڑے کے ٹکڑے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تحریر تھی جو آپ نے انکے لئے لکھی تھی محمد رسول اللہ کی طرف سے بنی زہیر بن اقیش کے نام۔

اس مکتوب نبوی کا ذکر متعدد کتابوں میں معمولی فرق کے ساتھ موجود ہے، مثلاً کتاب المنتقیٰ، ابن جارود اور جمع الفوائد میں یزید بن عبداللہ بن شخیر کا بیان ہے کہ ہم لوگ بصرہ کے مقام مربد میں باتیں کر رہے تھے، ہمارے پاس ایک اعرابی آیا جس کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک ٹکڑا تھا، اس نے بتایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے، میں نے اس کو لے کر ساتھیوں کو سنایا، اس کی ابتداء

؎ طبقات ابن سعد ص۳۰۳ ج ۱، ؎ طبقات ابن سعد ص۳۹ ج ۲،

یوں تھی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، ھٰذا کتاب من محمد رسول اللّٰہ لبنی زھیر بن اقیش الخ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ کی طرف سے یہ مکتوب بنی زہیر بن اقیش کے نام۔

ہم سے اس اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان کی، میں نے پوچھا کہ یہ حدیث آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ انھوں نے کہا کہ تم لوگ سمجھتے ہو کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جھوٹ بولوں گا، یہ کہہ کر وہ ہمارے ہاتھ سے مکتوب لے کر چلے گئے۔[1] ابو عبید قاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں یزید بن عبد اللہ بن شخیر سے تقریباً یہی روایت درج کی ہے، اور اس مکتوب کا مضمون یوں بیان کیا ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ لبنی زھیر بن اقیش من عکل: انکم ان شھدتم ان لا الٰہ الا اللّٰہ، واقمتم الصلوٰۃ، واٰتیتم الزکوٰۃ وفارقتم المشرکین، واعطیتم من المغانم الخمس، وسھم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم، والصفیّ۔ او قال: وصفیۃ فانتم اٰمنون بامان اللّٰہ ورسولہ[2]	محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عکل سے بنی زہیر بن اقیش کے لئے، اگر تم لوگ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دو گے، اور زکوٰۃ ادا کرو گے، اور مشرکین سے ترک تعلق کرو گے، اور مال غنیمت سے خمس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ دو گے، تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امن وامان میں رہو گے،

[1] کتاب المنتقیٰ، ابن جارود ص۳۰، وجمع الفوائد ص۲۸ ج ۲،
[2] کتاب الاموال ص۱۱ و ص۱۲،

عدّاء بن خالد بن ہوذہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے ان کو پانی کا ایک چشمہ جاگیر میں دیکر ایک تحریر دی، جس کو وہ بحفاظت رکھتے تھے، اور آنے جانے والوں کو اس کی زیارت کراتے تھے، عبد المجید بن ابو یزید وہبؒ کہتے ہیں کہ میں اور حجر بن ابو نصر مکۂ مکرمہ کے ارادے سے نکلے، راستہ میں زُخیخ نامی ایک چشمہ پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے ایک بزرگ رہتے ہیں، ہم نے ان کے پاس جاکر پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے آپ کی تحریر دکھائی اور کہا،

فقال: نعم، وکتب لی بھذا الماء، قال: فاخرج جلدۃ فیھا کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]	ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس چشمہ کیلئے تحریر لکھی ہے، پھر انھوں نے ایک چمڑے کا ٹکڑا نکالا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر تھی۔

عباس سلمی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام ذثینہ میں ایک کنواں طلب کیا، آپ نے ان کی خواہش پوری کرکے ایک تحریر دیدی جوان کے پوتے نائل بن مطرف کے پاس محفوظ تھی نائل بن مطرف مقام ذثینہ میں قیام کرتے تھے اور وہاں کے امیر تھے، ابو الازہر نے اس تحریر کی زیارت کی تھی، ان کا بیان ہے

فاخرج الیّ حقّۃ فیھا کراع من ادم احمر فکان فیہ ما اقطعہ[2]	انھوں نے میرے سامنے ایک ڈبہ نکالا جس میں سُرخ چمڑے پر اس جاگیر کے بارے میں تحریر تھی۔

قبیلہ بنی شیبان کے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا

---

[1] طبقات ابن سعد صـ۵۲ ج ۷، [2] ایضاً صـ۲۶ ج ۷،

کہ آپ مجھے حیرہ کے حاکم بقیلہ کی لڑکی کے بارے میں ایک تحریر عنایت فرما دیں۔آپ نے فرمایا کیا تم کو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حیرہ پر تم کو فتح دے گا؟ اس نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے وہ ہم کو حیرہ پر فتح دے گا، اور جب عہد صدیقی میں حضرت خالد بن ولید رضؓ نے اہل حیرہ سے صلح کی تو اس شیبانی نے خالد بن ولید کو وہ تحریر دکھائی اور حاکم حیرہ بقیلہ کی لڑکی اس کو مل گئی۔

فجاء الشیبانی بکتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی خالد بن الولید، فلما اخذہ قبلہ ثم قال: دونکھا، [1]	شیبانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب خالد بن ولید کے پاس لائے تو انھوں نے اس کو بوسہ دیا اور کہا کہ تم بقیلہ کی بیٹی لے لو،

ہلال بن حارث مزنی رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قطعہ زمین کی جاگیر دے کر تحریر لکھدی، بعد میں ان کی اولاد نے وہ زمین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ہاتھ فروخت کردی، ان کے پاس دو عدد دکان بھی تھی، مالکوں نے کہا کہ ہم نے زمین فروخت کی ہے، دکان فروخت نہیں کی ہے، اس کے بعد راوی کا بیان ہے

وجاؤا بکتاب القطعۃ التی قطعھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابیھم فی جریدۃ، قال: فجعل عمر یمسحھا علی عینیہ، وقال لقیمہ: انظر ما استخرجت منھا، و ما انفقت علیھا، فقاضھم بالنفقۃ	ہلال بن حارث کی اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب لائی جو ان کے باپ کے نام ایک شاخ پر تھا، عمر بن عبد العزیز بار بار اس کو اپنی آنکھوں سے لگاتے تھے، اور اپنے کارندے سے کہا کہ دیکھو اس جاگیر سے کتنی آمدنی ہوئی ہے اور اور اس پر کتنا خرچ ہوا ہے، خرچہ کا حساب کر کے

[1] کتاب الاموال ص۱۸۲،

وردّ علیہم الفضل، [1]	فاضل آمدنی ان کو واپس کردو،

بسر بن سفیان خزاعیؓ اپنے قبیلہ کے سردار تھے، ۶ھ میں مسلمان ہوئے اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تحریر دی جو ان کے خاندان میں مدتوں محفوظ رہی، زکریا بن ابوزائدہ ہمدانی وادعیؒ متوفی ۱۴۸ھ بیان کرتے ہیں کہ میں اور ابواسحاق سبیعیؒ مکہ اور مدینہ کے درمیان جارہے تھے، بنو خزاعہ کا ایک آدمی بھی ہمارے ساتھ ہو گیا، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مکتوب ہم کو دکھایا جو بنو خزاعہ کے نام تھا اور اس کی ابتدا یوں تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ من	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف
محمد رسول اللہ الی بدیل بن ورقاء	سے بدیل بن ورقاء، اور بسر اور بنی عمرو
وبسر وسرواتِ بنی عمرو، [2]	کے سرداروں کے نام،

دُومۃ الجندل کے باشندوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستاویز عنایت فرمائی تھی جو تیسری صدی تک ان کے پاس موجود تھی، ابوعبید قاسم بن سلام متوفی ۲۲۴ھ نے اس کی زیارت کی تھی اور کتاب الاموال میں اس کو حرف بہ حرف نقل کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے۔

قال ابوعبید: اما ھذا الکتاب فانا	میں نے اس مکتوب کا اصل نسخہ پڑھا ہے،
قرأت نسختہ واتانی بہ شیخ	دُومۃ الجندل کا ایک بوڑھا شخص میرے پاس
ھناک مکتوبًا فی قضیم صحیفۃ بیضاء	اس کو لایا جو سفید چمڑے پر لکھا ہوا تھا، اور
فنسختہ حرفًا بحرفٍ فاذا فیہ الخ [3]	میں نے حرف بہ حرف نقل کر لیا۔ اس میں تھا کہ الخ

۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی علاقے ایلہ، اذرح، مقنا، اور جرباء کی طرف توجہ فرمائی اور وہاں کے باشندوں سے صلح کرکے تحریر دیدی، اہل مقنا

---

[1] کتاب الاموال ص ۳۲۸، [2] تاریخ کبیر ج ۱ قسم ۱ ص ۲۷۶ و اصابہ ج ۱ ص ۱۵۴، [3] کتاب الاموال ص ۱۹۴ و ص ۱۹۵

کی یہ تحریر تیسری صدی میں ابوالحسن بلاذری متوفی ۲۷۹ھ کے ایک مصری دوست نے دیکھی تھی، اوران کی روایت سے بلاذری نے اس کو فتوح البلدان میں نقل کیا، ان کا بیان ہے۔

واخبرنی بعض اھل مصر انہ رأی کتابھم بعینہ فی جلد احمر دارس الخط، فنسخہ واملی علیّ، نسختہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ الی ابن جیبۃ واھل مقنا الخ [1]	مصر کے بعض اہل علم نے مجھے بتایا کہ انھوں نے اہل مقنا کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل تحریر دیکھی ہے جو سُرخ چمڑے پر تھی۔ اس کا خط بہت کہنہ تھا، انھوں نے اس کو نقل کرکے مجھے لکھایا، جو اس طرح ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی طرف سے ابن جیبہ اور اہل مقنا کے نام الخ۔

نجرآن کے عیسائی وفد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صلح نامہ عنایت فرمایا تھا ان کے پاس مدّتوں محفوظ رہا۔ اور وہ بار بار اس سے کام لیتے تھے حسن بن صالح متوفی ۱۶۹ھ نے بچشم خود اس کو دیکھا تھا، اوران کی روایت سے ان کے شاگرد یحیٰی بن آدم قرشی متوفی ۲۰۳ھ نے اس کا ذکر کیا ہے، بلاذری نے لکھا ہے۔

یحیی بن آدم قال: اخذت نسخۃ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاھل نجران من کتاب رجل عن الحسن بن صالح رحمہ اللہ وھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا ما کتب النبی رسول اللہ محمد لنجران الخ	یحیی بن آدم نے کہا ہے کہ نجران والوں کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کا نسخہ میں نے ایک آدمی سے حاصل کیا ہے جس کو اس نے حسن بن صالح سے روایت کیا ہے، وہ اس طرح ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ تحریر ہے جس کو نبی رسول اللہ محمدؐ نے نجران والوں کیلئے لکھا ہے

[1] فتوح البلدان ص۷۱،

اس کے بعد خود یحییٰ بن آدم کا بیان نقل کیا ہے۔

قال یحیی بن آدم: وقد رأیت کتابًا فی ایدی النجرانیین، کانت نسخته شبیهة بهذه النسخة، و فی اسفله، وکتب علی بن ابی طالب، ولا ادری ما اقول فیه [1]

میں نے نجرانیوں کے ہاتھ میں ایک مکتوب دیکھا ہے جس کا نسخہ اسی نسخہ کے مشابہ ہے اور اس کے نیچے "وکتب علی بن ابی طالب" ہے"، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس کے بارے میں کیا کہوں؟۔

خلافتِ فاروقی میں اہل نجران نے شرائطِ صلح کی خلاف ورزی کر کے آپس میں سود کا لین دین شروع کر دیا، تو حضرت عمرؓ نے ان کو نجران سے جلاد طن کر کے کوفہ کے قریب مقام نجرانیہ میں بھیج دیا اور ایک تحریر دیدی، حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اہل نجران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ کی تحریریں لے کر ان کے پاس آئے، حضرت عثمانؓ نے امیر کوفہ ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو لکھا کہ اہل نجران نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ کی تحریریں دکھائیں، تم ان کے معاملات کی تحقیق کرو، حضرت علیؓ کے دورِ خلافت میں نجرانیوں نے حضرت عمرؓ کے حکم کے خلاف ان سے ایک تحریر چاہی تو حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ حضرت عمرؓ معاملہ فہم تھے، میں ان کے خلاف نہیں کر سکتا ہوں۔ [2] قاضی ابو یوسفؒ نے یہ واقعات بیان کئے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ

واتی اسقف نجران علیا رضی الله عنه ومعه کتاب فی ادیم احمر

نجران کا راہب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس سرخ چمڑے پر ایک مکتوب لیکر آیا،

اور حضرت علیؓ نے ان کو جواب دیا کہ تم لوگ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب لے کر آئے ہو جس میں تم پر شرط عائد کی گئی ہے، اور تم نے اس کے

---

[1] فتوح البلدان ص۷۲، [2] فتوح البلدان ص۷۴

خلاف کیا ہے، [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضؓ کو یمن بھیجا اور عشر وغیرہ کے بارے میں ان کو ایک تحریر دی، جو مشہور تابعی و فقیہ موسیٰ بن طلحہ بن عبید اللہ قرشی مدنیؒ نزیل کوفہ متوفی ۱۰۳ھ کے پاس موجود تھی۔ قاضی ابو یوسف نے گندم، جو، کھجور، انگور، کشمش کی زکوٰۃ کے بیان میں ان کا قول نقل کیا ہے۔

قال: عندنا کتاب کتبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لمعاذ، اوقال: نسخۃ او وجد نت نسخۃ ھکذا، [2]	موسیٰ بن طلحہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کے لئے جو مکتوب لکھا تھا، ہمارے پاس موجود ہے۔ میں نے اس نسخہ میں ان چیزوں کی زکوٰۃ کے بارے میں ایسا ہی پایا ہے

بلاذری نے موسیٰ بن طلحہ کا قول یوں نقل کیا ہے۔

قرأت کتاب معاذ بن جبل حین بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن فکان فیہ ان توخذ الصدقۃ من الحنطۃ والشعیر والتمر، والزبیب، والذرۃ، [3]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن بھیجنے کے وقت جو تحریر لکھی تھی۔ میں نے اس کو پڑھا ہے۔ اس میں ہے کہ گندم اور جو اور کھجور اور کشمس اور جوار سے صدقہ عشر، لیا جائے،

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے ابو جعفر محمد بن علی بن حسین باقرؒ متوفی ۱۱۸ھ کا بیان ہے۔

وُجِد فی قائم سیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیفۃ فیھا مکتوب الخ [4]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ میں صحیفہ پایا گیا جس میں لکھا تھا کہ الخ

[1] کتاب الخراج ص۸۵ تا ص۹۰، [2] ایضاً ص۹۲، [3] فتوح البلدان ص۸۰ و ص۸۴، [4] جامع بیان العلم ص۷۱ ج ۱،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کو جو تحریر دی تھی وہ ساتویں صدی تک محفوظ تھی، حتیٰ کہ ۶۱۳ھ میں امیر مکہ قتادہ بن ادریس نے طائف پر حملہ کیا اور اس کی فوجوں کی لوٹ مار میں یہ تحریر ضائع ہو گئی تقی الدین فاسی مکی رحمہ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

ان فی ھذہ الوقعۃ فقد کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاھل الطائف لما نھب جیش قتادۃ البلاد،

جب قتادہ کی فوجوں نے شہر میں لوٹ مچائی تو اس حادثہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب جو اہل طائف کے لئے تھا ضائع ہو گیا،

اور تمیم بن حمدان ثقفی کا یہ بیان نقل کیا ہے،

ففقد الکتاب فی جملۃ ما فقد ناہ، و ھو کان عند ابی لکونہ شیخ قبیلتہ، [1]

دیگر چیزوں کے ساتھ یہ مکتوب بھی ضائع ہو گیا، یہ مکتوب میرے والد کے پاس تھا، کیونکہ وہ اپنے قبیلہ کے سردار تھے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم بن اوس داری رضؓ اور ان کے بھائی نعیم بن اوس داری رضؓ کو ملک شام میں حبری اور بیت عینون کی ہیشگی جاگیر عطا فرمائی تھی، اور ان کو اس بارے میں ایک تحریر بھی دیدی تھی، جب عہد فاروقی میں ملک شام فتح ہوا تو تمیم داری وہ تحریر حضرت عمر رضؓ کے پاس لائے اور حضرت عمر رضؓ نے اس کی تصدیق کر کے وہ جاگیر دیدی، ابو عبید قاسم بن سلام نے لکھا ہے۔

فلما استخلف عمر اظھر علی الشام، جاء تمیم الداری بکتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال

حضرت عمر رضؓ جب ملک شام پر قابض ہوئے تو تمیم داری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر لے کر آئے، حضرت نے اس کو

[1] العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین ص۴۶ ج ۷،

عمر: انا شاهد ذالك فاعطاها ایاہ، [1] دیکھ کر کہا کہ میں اس کا گواہ ہوں اور وہ جاگیر ان کو دیدی،

خلیفہ ہشام بن عبدالملک اس علاقہ سے بہت احترام واحتیاط کے ساتھ گذرتا تھا اور کہتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ جاگیر سے گذرتے ہوئے ڈر رہا ہوں،

احمد بن قلقشندی متوفی ۸۲۱ھ نے مآثر الانافہ اور صبح الاعشیٰ میں اس کا نسخہ یوں نقل کیا ہے۔

هذا ما انطى محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم تميم الداري واصحابه، انی انطیتکم عینون، وحبرون، والرطوم، وبیت ابراهیم برمتهم وجمیع ما فیهم نطیة بت، ونفذت وسلمت ذالك لهم ولاعقابهم ابد الابد فمن اذاهم فیها اذاه الله،

یہ وہ تحریر ہے جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری اور ان کے ساتھیوں کو دی ہے، میں نے تم لوگوں کو عینون اور حبرون، اور رطوم اور بیت ابراہیم سب کا سب دیا، یہ عطیہ حتمی ہے، میں نے ان کو اور ان کی اولاد کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیدیا ہے جو شخص ان قطائع کے بارے میں ان کو ستائے گا، اللہ اس کو ستائے گا،

اس پر ابوبکر بن ابی قحافہؓ، عمر بن خطابؓ، عثمان بن عفانؓ، علی بن ابی طالبؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ کی شہادت ہے

قلقشندی نے آخر میں لکھا ہے کہ یہ رقعہ چمڑے میں آج بھی تمیم داری کے خاندان میں خلیل شہر میں موجود ہے۔ [2]

ابن درید نے کتاب الاشتقاق میں اس مکتوب نبوی اور تمیم داری کی جاگیر کا ذکر کیا ہے

---

[1] کتاب الاموال ص ۲۸۲، [2] مآثر الانافہ ج ۳ ص ۲۱۱ و ص ۲۱۳، (کویت)

اور حاشیہ میں ابن شحنہ کے پوتے محمد بن عمر کا بیان درج ہے کہ ہمارے زمانہ میں تمیم داری کی اولاد میں یہ منشور نبوی موجود تھا، جس میں حبری اور بیت عینون کا عطیہ درج ہے، اس کو مقامی لوگ "انطا" کہتے ہیں کیونکہ اس کی ابتداء ھذا ما انطی محمد بن عبد اللہ الخ سے ہے، یہ مکتوب ہرن کی کھال میں بخط کوفی حضرت علیؓ کے ہاتھ کا ہے،

اس خاندان میں ایک عالم تقی الدین صاحب علم وادب اور بڑی سمجھ بوجھ کے تھے، سلطان مراد کے دور سلطنت میں ان کو سلطانی دربار میں باریابی ہوئی تو انھوں نے یہ مکتوب نبوی شاہی خزانہ کو ہدیہ کر دیا، اور اس کے بدلے مصر میں عہدۂ قضاء پایا، اسی دوران شیخ تقی الدین حلب سے گذرتے ہوئے میرے والد سے ملے تو انھوں نے کہا کہ تم نے بڑی غلطی کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوب کو جہنم کے ایک ٹکڑے کے عوض فروخت کر دیا، لہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار تحریروں کے سلسلہ میں یہ حکایت دلچسپ ہے کہ پانچویں صدی میں بغداد کے وزیر ابو القاسم بن مسلمہ کو ایک یہودی نے ایک تحریر دی اور دعویٰ کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے، جس میں اہل خیبر سے جزیہ ساقط کیا گیا ہے۔ وزیر موصوف نے تحقیق کے لئے اس کو خطیب بغدادیؒ متوفی ۴۶۳ھ کو دکھایا تو انھوں نے بتایا کہ یہ تحریر سراسر جعلی اور جھوٹ ہے، اس میں معاویہ بن ابو سفیان کی شہادت ہے جو غزوۂ خیبر کے بہت بعد فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوتے تھے، اور اس میں سعد بن معاذ کی شہادت ہے حالانکہ ان کی وفات اس سے پہلے غزوۂ خندق کے موقع پر ہوئی تھی، لہ

لہ کتاب الاشتقاق اور اس کا حاشیہ صفحہ ۳۷۷،

لہ المنتظم، ابن جوزی ج ۸ صفحہ ۲۶۵،

خدمتِ نبویؐ کے وفود کی یادگار تحریریں

سیر و مغازی کے ابتدائی مآخذوں میں عہد نبویؐ کی وہ تحریریں بھی بڑی اہم اور مستند ہیں جو عرب کے مختلف اور دور دراز مقامات سے خدمت نبویؐ میں آنے والے وفود نے یادداشت کے طور پر اپنے یہاں لکھی تھیں اور ان کے خاندانوں میں محفوظ تھیں، اور جب اس فن کی تدوین کا دور آیا تو ان سے کام لیا گیا، ان وفود کے حالات میں قدمار نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، ہشام بن محمد بن سائب کلبی متوفی ۲۰۶ھ نے کتاب الوفود لکھی (الفہرست ص۱۴۱) اور ابوالحسن مدائنی متوفی ۲۲۵ھ نے کتاب الوفود تصنیف کی جس میں وفودِ یمن، وفود مصر، اور وفود ربیعہ کے حالات بیان کئے گئے تھے۔ (الفہرست ص۱۴۸)

ابن سعد نے ستر سے زائد وفود کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے قبائل کے نمائندے اور ترجمان کی حیثیت سے خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے ان کے ارکان کی تعداد بعض اوقات چار سو یا اس سے زائد ہوتی تھی، قبائل اپنے وفود کی روانگی کے لئے بڑا اہتمام کرتے تھے، شیوخ و سردار، اعیان و اشراف، شعراء و خطباء اور باشعور اور صاحب حیثیت افراد کا انتخاب ہوتا تھا، ان سب کے نام لکھے جاتے تھے، ارکان وفد اپنے قبائلی اور روایتی لباس و ہیئت میں سج دھج کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوتے تھے، یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کی حیثیت کے مطابق قیام و طعام اور عزت و احترام کا انتظام کیا جاتا تھا، اور وہ کچھ دنوں خدمتِ نبوی میں رہ کر قرآن اور ضروریات دین کی تعلیم حاصل کرتے تھے، اور واپسی پر عربی روایت کے مطابق ارکانِ وفد کو گراں قدر عطیات سے نوازا جاتا تھا، اور بنیادی امور کے لئے تحریر دی جاتی تھی، جس کو وہ بڑے جتن سے رکھتے تھے۔

واپسی کے بعد قبائل وفادت کی پوری تفصیل لکھتے تھے جس میں ارکانِ وفد کے نام، اور خدمتِ نبوی میں حاضری کی تفصیلات ہوتی تھیں، ایسی تحریری یادداشتوں اور روداروں کو یادگار کے طور پر محفوظ رکھا جاتا تھا، اس کی ڈیڑھ ایک مثال ملاحظہ ہو،

صفر ۹ھ میں قبیلہ عذرہ کا ایک وفد جو بارہ افراد پر مشتمل تھا۔ خدمتِ نبویؐ میں آیا، جس کی تفصیل قبیلہ عذرہ کے یہاں کتابی شکل میں موجود تھی، ابوعمرو بن حریث عذری نے اپنے قبیلہ میں یہ کتاب دیکھی تھی، ان کے والد نے اس کو محفوظ رکھا تھا، ابوعمرو بن حریث بیان کرتے ہیں،

وجدتُ فی کتاب اٰبائی، قالوا: قدم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی صفر سنۃ تسع وفدنا اثنا عشر رجلاً، فیھم حمزۃ بن النعمان العذری، وسلیم وسعد ابنا مالک ومالک بن ابی رباح، فنزلوا دار رملۃ بنت الحارث النجاریۃ، ثم جاؤوا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسلّموا بسلام اھل الجاھلیۃ، وقالوا: نحن اخوۃ قصیّ لامّہ، ونحن الذین ازاحوا خزاعۃ وبنی بکر عن مکۃ، ولنا قرابات وارحام، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	میں نے خاندانی کتاب میں دیکھا ہے اس میں وفد کا بیان درج ہے کہ صفر ۹ھ میں بارہ افراد پر مشتمل ہمارا وفد رسول اللہ صلی اللہ کے پاس گیا، ان میں حمزہ بن نعمان عذری سلیم بن مالک، سعد بن مالک، اور مالک بن ابورباح تھے، یہ لوگ رملہ بنت حارث نجاریہ کے مکان میں اترے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا، اور کہا کہ ہم لوگ قصی کے اخیافی بھائی ہیں، ہم نے بنو خزاعہ اور بنو بکر کو مکہ سے نکالا ہے، آپ سے ہمارے خاندانی تعلقات اور قرابتیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت خندہ پیشانی سے ان کو مرحبا کہا اور فرمایا کہ تم نے مجھ سے اپنا تعارف خوب کرایا،

مَرحبًا بکم و اھلًا، ما اعرفنی بکم، ما منعکم من تحیۃ الاسلام؟ قالوا: قدمنا مرتادین لقومنا وسألوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن اشیاء من امر دینھم، فاجابھم فیھا واسلموا واقاموا ایامًا، ثم انصرفوا الی اھلیھم، فامر لھم بجوائز کما کان یجیز الوفد، وکسا احدھم بردًا، [1]

تم لوگوں نے اسلام کا سلام کیوں نہیں کیا؟ ارکانِ وفد نے کہا کہ ہم اپنی قوم کے نمایندے بن کر آئے ہیں، پھر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کے بارے میں سوالات کئے، اور آپؐ نے جوابات دیئے اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے، اور چند دن ٹھہر کر وطن واپس ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حسبِ عادت عطیات و ہدایا سے نوازا، اور ان میں سے ایک شخص کو چادر عنایت فرمائی،

شوال سنہ ۱۰ھ میں قبیلہ بنی سلامان بن سعد کا ایک وفد سات افراد پر مشتمل خدمتِ نبویؐ میں آیا اور رملہ بنت حارث بخاریہ کے مکان میں ٹھہرایا گیا، ارکانِ وفد میں حبیب بن عمرو سلامانی بھی تھے، ان کی زبانی اس وفد کی پوری تفصیل کتابی شکل میں محفوظ تھی، محمد بن یحیی بن سہل بن ابو حثمہ کا بیان ہے۔

وجدت فی کتب ابی ان حبیب بن عمرو السلامانی کان یحدث، قال: قدمنا وفد سلامان علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن سبعۃ فصادفنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خارجًا من المسجد الی جنازۃ دُعی الیھا، فقلنا: السّلام علیك یارسول اللہ، فقال: وعلیکم، من انتم؟

میں نے اپنے والد کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا پایا ہے کہ حبیب بن عمرو سلامانی بیان کرتے تھے کہ ہم ارکان وفد سلامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے ہم سات نفر تھے ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے نکل کر ایک جنازہ میں جا رہے ہیں ہم نے کہا السلام علیك یارسول اللہ! آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا تم لوگ کون ہو؟ ہم نے بتایا کہ ہم قبیلہ سلامان سے...

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۳۱ و ص ۳۳۲

قلنا: نحن من سلامان قدمنا	ہیں، آپ کے پاس آئے ہیں تاکہ آپ سے
لنبايعك على الاسلام، ونحن على	اسلام پر بیعت کریں، ہم اپنے قبیلہ کی طرف
مَن وراءنا من قومنا، فالتفت الى	سے ذمہ دار بن کر آئے ہیں، یہ سُن کر آپ نے
ثوبان غلامه، فقال: انزل هؤلاء	اپنے غلام ثوبان سے فرمایا کہ جہاں وفود اترتے
الوفد حيث ينزل الوفد، فلما	ہیں وہیں ان کو اتارو، اور جب آپ نماز
صلى الظهر جلس بين المنبر وبيته	ظہر پڑھکر منبر اور اپنے مکان کے درمیان
فتقدمنا اليه، فسألناه عن امر	بیٹھے تو ہم نے آگے بڑھ کر آپ سے نماز،
الصلاة وشرائع الاسلام وعن	اسلامی احکام اور منتر کے بارے میں سوالات
الرقى، واسلمنا، واعطى كل رجل	کئے اور اسلام قبول کیا، آپ نے ہم میں سے
منا خمس اواقٍ، ورجعنا الى بلادنا،	ہر شخص کو پانچ پانچ اوقیہ سونا عطا فرمایا، اور ہم
وذٰلك فى شوال سنة عشر، [1]	اپنے وطن واپس ہوئے یہ واقعہ شوال ۱۰ھ کا ہے،

علقمہ بن وقاص لیثی عتواری ؓ نے بیان کیا ہے کہ جو وفد خدمتِ نبوی میں گیا تھا اس کے ارکان میں میرا نام بھی لکھا گیا تھا۔

وكُتِبتُ فى الوفد الذين وفدوا	رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جانے
على رسول الله صلى الله عليه وسلم [2]	والے وفد میں میرا نام بھی لکھا گیا تھا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خدمتِ نبویؐ میں حاضری کے لئے قبائل اپنے نمائندوں کی فہرست تیار کرتے تھے اور اس کو محفوظ رکھتے تھے، اور واپسی پر پوری تفصیل لکھتے تھے۔

خلافتِ راشدہ کی یادگار تحریریں

سیر ومغازی سے متعلق خلافتِ راشدہ کی وہ یادگار تحریریں بڑے کام کی ہیں

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۳۲، [2] اصابہ ج ۱ ص ۳۲۳، تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۸۱،

جو مدتوں باقی رہیں، خلافتِ راشدہ میں اسلامی غزوات وفتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، مختلف قوموں اور حکومتوں کے ساتھ تحریری معاملات ہوئے۔ اور خود اسلامی لشکر امراء اور خلفاء میں خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا، ان خطوط ورسائل سے کتبِ تواریخ بھری پڑی ہیں، ہم یہاں چند ایسی یادگار تحریروں کی نشاندہی کرتے ہیں جو کئی صدیوں تک محفوظ رہیں اور تدوین سیر ومغازی میں ان سے کام لیا گیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مقام خفاش کے باشندوں کے نام ایک مکتوب بھیجا تھا جو دوسری صدی تک محفوظ تھا، اور بوقتِ ضرورت کام آتا تھا۔ ابو عبدالرحمٰن ہشام بن یوسف صنعانی رح متوفی ۱۹۷ھ کا بیان ہے۔

ان اھل خفاش اخرجوا کتاباً من ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ فی قطعۃ ادیم، یامرھم فیہ ان یودّوا صدقۃ الراس الخ [1]	باشندگانِ خفاش نے حضرت ابوبکر صدیق رض کی ایک تحریر نکالی جو کھال کے ایک ٹکڑے میں ہے اس میں ان کو حکم دیا ہے کہ اپنا جزیہ ادا کریں۔

عہدِ صدیقی کی فتوحات کے سلسلہ میں حضرت خالد بن ولید رض نے اہل حیرہ کو ایک تحریر دی جس کو امام شعبی رح متوفی ۱۰۴ھ نے دیکھا اور پڑھا تھا، ابو عبید نے لکھا ہے،

قال الشعبی: فاخرج الیّ ابن بقیلۃ (عمرو بن عبد المسیح) کتاب خالد بن الولید، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من خالد بن الولید الی مرازبۃ فارس الخ [2]	شعبی رح نے کہا ہے کہ ابن بقیلہ نے حضرت خالد بن ولید کی یہ تحریر نکالی، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، خالد بن ولید کی طرف سے فارس سرداروں کے نام الخ

[1] فتوح البلدان ص ۵۸ ، [2] کتاب الاموال ص ۳۳ و ص ۳۴ ،

اس تحریر کو یحییٰ بن آدم قرشیؒ متوفی ۲۰۳ھ نے دیکھا اور پڑھا تھا، بلاذری نے لکھا ہے۔

عن یحییٰ بن آدم: سمعتُ ان اھل الحیرۃ وکتب لھم بذٰلک کتاباً قرأتُه [1]

یحییٰ بن آدم سے مروی ہے کہ میں نے اہل حیرہ سے سنا ہے کہ..... اور حضرت خالد نے ان کے لئے ایک تحریر لکھی جس کو میں نے پڑھا ہے،

اور خود بلاذری متوفی ۲۷۹ھ کے زمانہ تک یہ تحریر موجود تھی، وہ لکھتے ہیں۔

وحدّثنی شیخ من اھل الحیرۃ قال: وجد فی طراطیس ھدم قصور الحیرۃ التی کانت لآل المنذر ان المسجد الجامع بالکوفۃ بنی ببعض نقض تلك القصور، وحُسِبت قیمۃ ذٰلك من جزیتھم، [2]

حیرہ کے ایک بوڑھے شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حیرہ میں آل منذر کے شاہی محلات کے ملبہ میں جو کاغذات پائے گئے ان میں تھا کہ کوفہ کی جامع مسجد ان محلات کے بعض سامانوں سے بنائی گئی اور ان کی قیمت اہل حیرہ کے جزیہ میں محسوب کرلی گئی۔

اسی زمانہ میں حضرت خالد بن ولید نے اہل دمشق کو ایک تحریر دی تھی جس کو واقدیؒ متوفی ۲۰۷ھ نے دیکھا اور پڑھا تھا، جیسا کہ بلاذری نے لکھا ہے۔

قال ابو عبد اللہ الواقدی: قرأت کتاب خالد بن الولید لاھل دمشق، فلم أر فیه انصاف المنازل والکنائس [3]

واقدی کا قول ہے کہ اہل دمشق کے نام خالد بن ولید کی تحریر میں نے پڑھی ہے، میں نے اس میں ذمیوں کے مکانوں اور گرجوں کے نصف نصف کرنے کا ذکر نہیں دیکھا۔

عہد فاروقی کی متعدد تحریریں مصر کے مختلف علاقوں میں بہت بعد تک موجود تھیں جن کو مقامی لوگ محفوظ رکھتے تھے، عبید اللہ بن ابو جعفر کا بیان ہے کہ میں نے

---

[1] فتوح البلدان ص۲۴۵، [2] ایضاً ص۲۸۴، [3] ایضاً ص۱۲۹

ایک معمر آدمی سے دریافت کیا کہ کیا اہل مصر سے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوئی معاہدہ ہوا تھا؟ اور کیا اس بارے میں کوئی تحریر موجود ہے؟ تو اس نے کہا کہ۔

نعم، کتاب عند طلما صاحب اخنا، وکتاب عند فلان، وکتاب عند فلان [1]	ہاں، ایک تحریر اخنا کے حاکم طلما کے پاس ہے اور ایک تحریر فلاں کے پاس ہے اور ایک تحریر فلاں کے پاس موجود ہے۔

عہدِ فاروقی میں باشندگانِ ایلہ سے جو معاہدہ ہوا تھا، اس کا اصل نسخہ خلیفہ عباسی ابو العباس نے تین سو دینار میں خریدا تھا، ابن عساکر نے لکھا ہے

ان اباالعباس عبد اللہ بن محمد قد اشتری معاهدة ایلة من اهلها بثلاث مائة دینار، [2]	ابو العباس عبد اللہ بن محمد نے معاہدۂ ایلہ کا نسخہ ایلہ والوں سے تین سو دینار میں خریدا تھا۔

سنہ ۲۳ھ میں عتبہ بن فرقد سلمیؓ نے موصل کے قریب قلعۂ تکریت فتح کیا، اور مقامی باشندوں کو امن وامان کا پروانہ لکھا جو تیسری صدی تک اہل تکریت کے پاس محفوظ تھا، بلاذری نے لکھا ہے۔

وحدثنی شیخ من اهل تکریت انه کان معهم کتاب امان وشرط، فخرقه الجرشی حین اخرب قری موصل نرسا باد، وذوا تها، [3]	تکریت کے ایک بوڑھے شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ اہل تکریت کے پاس ان کے ساتھ شرط اور امان کی تحریر تھی مگر جرشی نے موصل کے نرسا باد وغیرہ دیہاتوں کی ویرانی کے وقت اسکو پھاڑ ڈالا،

اہل رُہا کے پاس عہد فاروقی کی ایک تحریر تھی جس کو ان کا پادری بحفاظت

---

[1] کتاب الاموال ص۱۴۱، [2] تاریخ دمشق، ابن عساکر ج۱ صفحہ ۴۲۰ بحوالہ مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ ص۔

[3] فتوح البلدان ص۲۲۵،

رکھتا تھا، علاء بن ابو عائشہ کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے میرے پاس لکھا کہ تم مجھے بتاؤ اہل رُہا سے صلح ہے یا نہیں؟ جب میں نے اس بارے میں اہل رُہا سے گفتگو کی تو انھوں نے فتح نامہ کی تحریر پیش کی جس کو حضرت عیاض بن غنم رضی نے دیا تھا۔ اس کے بعد علاء بن ابو عائشہ کہتے ہیں۔

فاتانی اسقفهم بدرج او حُقٍّ فیہ کتاب صلحهم، فاذا فی الکتاب: هذا الکتاب عیاض بن غنم و من معه من المسلمین لاهل الرُّها الخ[1]

ان کا پادری ایک ڈبیہ میرے پاس لایا جس میں اُن کے ساتھ صلح کی تحریر تھی، اس میں تھا کہ یہ تحریر عیاض بن غنم اور ان کے ساتھ رہنے والے مسلمانوں کی طرف سے اہل رُہا کے لئے ہے۔

اسی دور میں حبیب بن مسلمہ نے اہل تفلیس کو امان کی ایک تحریر دی تھی جو تیسری صدی تک ان کے پاس موجود تھی، اور اس کو احمد بن ازرق نے دیکھا اور پڑھا تھا اور ان ہی سے ابو عبید قاسم بن سلام نے نقل کیا ہے۔

قال ابو عبید: حدثنی احمد بن الازرق من اهل ارمینیة- قال: قرأتُ کتاب حبیب بن مسلمة- اوقُرِئَ وانا انظر فیه- فی مصالحة اهل تفلیس فاذا فیه الخ۔[2]

ابو عبید کا بیان ہے کہ ارمینیہ کے باشندے احمد بن ازرق نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میں نے حبیب بن مسلمہ کی تحریر پڑھی ہے یا یہ بیان کیا کہ میرے سامنے پڑھی گئی اور میں اس کو دیکھ رہا تھا جو اہل تفلیس سے صلح کے بارے میں تھی،

سنہ ۱۴ھ میں بصرہ کی آبادی کے موقع پر ابو عبداللہ نافع بن حارث بن کلدہ نے حضرت عمر رضی سے بصرہ کے قریب ایک میدانی علاقہ گھوڑوں کی چراگاہ اور

---

[1] کتاب الاموال ص۲۰۸، [2] ایضاً ص۲۰۸،

زراعت سے طلب کیا تو حضرت عمرؓ نے وہاں کے امیر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو خط لکھا جس کو عوف بن ابوجمیلہ عبدی اعرابی متوفی ۱۴۶ھ نے دیکھا اور پڑھا تھا۔ ان کا بیان ہے۔

قرأت کتاب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ الی موسیٰ: ان ابا عبد اللہ سألنی ارضا علی شاطی دجلة یفتلی فیھا خیلہ، فان کانت لیست من ارض الجزیة ولا یجری فیھا ماء الجزیة فاعطھا ایاہ [1]	میں نے حضرت عمرؓ کا خط حضرت ابو موسیٰ کے نام پڑھا ہے اس میں تھا کہ ابو عبد اللہ نے مجھ سے دجلہ کے کنارے ایک زمین کا سوال کیا ہے جس میں اپنے گھوڑے رکھیں گے، اگر وہ زمین جزیہ کی نہیں ہے اور اس سے جزیہ کی زمین کا پانی نہیں گذرتا ہے تو آپ ان کو دیدیں،

اس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو بھی ایک مکتوب روانہ فرمایا جو ولید بن ہشام بن قحذم کے پاس محفوظ تھا، ان کا بیان ہے۔

وجدت کتابا عندنا فیہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، من عبد اللہ عمر امیر المؤمنین الی المغیرة بن شعبة، سلام علیک فانی احمد الیک اللہ الذی لا الٰہ الا ھو اما بعد فان ابا عبد اللہ ذکر انہ زرع بالبصرة فی امارة ابن غزوان، واقتلی اولاد الخیل حین لم یفتلھا احد من اھل البصرة، وانہ نعم ما رأی فاعنہ علی	میں نے اپنے یہاں ایک تحریر پائی ہے جس میں ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے مغیرہ ابن شعبہ کے نام، سلام علیک، میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد و ثنا کرتا ہوں، جو وحدہ لاشریک لہٗ، اس کے بعد معلوم ہو کہ ابو عبد اللہ نے بتایا ہے کہ انھوں نے بصرہ میں ابن غزوان کے حلقۂ امارت میں زراعت کی ہے اور گھوڑے پالے ہیں اب تک اہل بصرہ میں سے کسی نے یہ کام نہیں کیا ہے

---

[1] کتاب الخراج یحیٰی بن آدم ص۳۶ و ص۔۔،

زرعه وعلی خیله فانی اذنت له ان یزرع واته ارضه التی زرع الّا ان تکون ارضاً علیها الجزیة من ارض الاعاجم، او یصرف الیها ماء ارض علیها الجزیة، ولا تعرض له الّا بخیر، والسلام علیك ورحمة الله' وکتب معیقیب بن ابی فاطمة فی صفر سنة سبع عشرة [1]

انھوں نے یہ بہت خوب سوچا ہے، آپ ان کے کھیت اور گھوڑوں کے سلسلہ میں ان کی مدد کریں میں نے ان کو کھیتی باڑی کی اجازت دی ہے، آپ ان کو قابل کاشت زمین دیدیں مگر ایسی زمین نہ ہو جس پر جزیہ ہے۔ یا اس سے ہو کر جزیہ والی زمین میں پانی جاتا ہو، ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں، معیقیب بن ابو فاطمہ نے صفر ۱۷ھ میں لکھا،

عہد رسالت اور دور خلافت کی ایسی تمام تحریریں احادیث، تواریخ اور سیر و مغازی کی کتابوں میں موجود ہیں، ہم نے یہاں ان میں سے چند ایسی یادگار تحریروں کا ذکر کیا ہے جو مدتوں تک لوگوں کے پاس محفوظ رہیں، اور بعد میں کام آئیں،

حضراتِ صحابہؓ وتابعینؒ کی تحریریں

سیر و مغازی کے قدیم و مستند ماخذوں میں عہد صحابہ و تابعین کی وہ تحریریں بھی ہیں جن میں متفرق واقعات ملتے ہیں اگر ان کو یکجا کیا جائے تو اچھا خاصا سرمایہ فراہم ہو سکتا ہے"

اہل عرب جاہلی دور میں اپنے جنگی واقعات اور بہادرانہ کارناموں کو عام طور سے زبانی بیان کیا کرتے تھے، مگر کچھ لوگ ان کو لکھ لیا کرتے تھے، خاص طور سے انصار مدینہ کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج میں اس کا ثبوت ملتا ہے، ان میں اور یہودیوں میں جنگ و جدال اور معرکہ آرائی رہا کرتی تھی، اور ان دونوں قبائل میں لکھنے پڑھنے کا رواج تھا ان ہی میں حضرت بشیر بن سعد بن ثعلبہ انصاری خزرجی رضؓ بھی تھے، وہ

[1] فتوح البلدان ص۲۴۶،

زمانۂ جاہلیت میں لکھنا جانتے تھے، مشہور صحابی حضرت نعمان بن بشیرؓ کے والدین سلاھ میں عین التمر کے جہاد میں شہید ہوئے، وہ جاہلی دور کے ایام و حروب کو لکھا کرتے تھے، ابن سعد نے لکھا ہے،

وکان بشیر یکتب بالعربیة فی الجاهلیة وکانت الکتابة فی العرب قلیلاً۔ ۱	بشیر بن سعدؓ زمانۂ جاہلیت میں عربی زبان میں لکھا کرتے تھے، اور عرب میں لکھنے کا رواج کم تھا۔

اور ابن حجر نے لکھا ہے۔

انه کان یکتب بالعربیة فی الجاهلیة بعض السرایا، ۲	وہ زمانۂ جاہلیت میں عربی زبان میں بعض جنگوں کے واقعات لکھا کرتے تھے،

غالباً حضرت بشیر بن سعد کی تحریروں میں یہودیوں کے ساتھ اوس اور خزرج کے محاربات کا ذکر رہا ہوگا۔

جاہلی ایام و حروب کے بعد جب اسلامی جہاد و غزوات کا دور آیا تو حضرات صحابہؓ نے ان کے واقعات کو زبانی بیان کرنے کے ساتھ غیر مرتب طور پر قلم بند بھی کیا، اس سے اُن کا مقصد مغازی کو مرتب و مدوّن کرنا نہیں تھا بلکہ وقتی اسباب اور اتفاقی حالات کے باعث ان کی تحریروں اور کتابوں میں یہ باتیں آجاتی تھیں جو سیر و مغازی کی تدوین میں کام آئیں، اس کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں،

حضرت عبداللہ بن عباس کی تحریریں

حبر الامت ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ طبقۂ صحابہ میں سیر و مغازی کے مشہور عالم و معلّم تھے، ان کا بیان ہے۔

۱ طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۳۱، ۲ تہذیب ج ۱ ص ۴۶۴،

كنت الزم الاكابر من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم من المهاجرين والانصار فأسألهم عن مغازى رسول الله صلى الله عليه وسلم وما نزل من القرآن فى ذالك، [1]

میں مہاجرین اور انصار میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ کی خدمت میں حاضر باش رہا کرتا تھا، اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کے بارے میں اور ان کے بارے میں قرآن میں جو کچھ نازل ہوا ہے پوچھا کرتا تھا،

حضرت ابن عباس حدیث وفقہ اور تفسیر کے ساتھ بڑے اہتمام سے مغازی اور ایام عرب کا درس دیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ہر قسم کے سوالات کے کافی و شافی جوابات دیتے تھے، [2]

امام مغازی موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ کریب نے عبداللہ بن عباس کی کتابوں میں سے ایک اونٹ کے بار برابر کتابیں ہمارے پاس رکھی تھیں، [3] ان کتابوں کے ذخیرہ میں سیر و مغازی کا بھی بیان تھا، چنانچہ عکرمہ مولی ابن عباس کا بیان ہے کہ

وجدت هذا الكتاب فى كتب ابن عباس بعد موته ففتحته فاذا فيه: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم العلاء بن الحضرمى الى المنذر بن ساوى، وكتب اليه كتابا يدعوه فيه الى الاسلام [4]-

میں نے یہ کتاب حضرت ابن عباس کی کتابوں میں ان کے انتقال کے بعد پائی، میں نے اس کو کھولا تو اس میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاء بن حضرمی کو منذر بن ساوی کے پاس بھیجا اور اس کو اسلام کا دعوت نامہ لکھا۔

حضرت ابن عباس سے حروری خوارج کے سوالات اور ان کے جوابات سیر و

[1] اصابہ صفحہ ۹۱ و ۹۲ ج ۴، [2] طبقات ابن سعد صفحہ ۳۶۸ ج ۲، [3] ایضاً صفحہ ۲۹۳ ج ۵،
[4] المصباح المضی فی کتاب النبی الامی صفحہ ۲۳۵ ج ۲ (حیدر آباد)

مغازی سے تعلق رکھتے ہیں اور احادیث وتواریخ کی کتابوں میں ان کا ذکر ہے، اس سلسلۂ خط وکتابت کی ایک مثال ملاحظہ ہو یزید بن ہرمز کا بیان ہے کہ

انا کتبت کتاب ابن عباس الی نجدۃ کتب الیہ، کتبتَ تسألنی عن سھم ذی القربیٰ لمن ھو؟ وھو لنا اھل البیت وقد کان عمر دعانا ان ینکح منہ أیمنا ویخدی عائلنا ویقضی منہ عن غارمنا، فأبینا الا ان یسلمہ الینا، وابیٰ ذٰلک فترکناہ علیہ، [1]

میں نے ابن عباس کا خط بنام نجدہ حروری لکھا، آپ نے لکھا کہ تم نے تحریر کے ذریعہ مجھ سے سوال کیا ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصّہ کس کے لئے ہے؛ وہ ہم اہل بیت کیلئے ہے، حضرت عمرؓ نے ہم کو بلایا تاکہ اس حصّہ سے ہماری بیواؤں کے نکاح کا انتظام کریں اور اہل وعیال کی خبرگیری کریں اور ہمارے قرضداروں کا قرض ادا کریں مگر ہم نے ان باتوں سے انکار کر کے اپنا حصّہ لینا چاہا اور ان کے انکار پر ہم نے اس کو چھوڑ دیا،

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کی تحریریں

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھ غزوات میں شریک رہے ہیں، غزوۂ حنین میں ان کے بازو پر تلوار لگی تھی جس کا نشان باقی تھا، آخر وقت میں کوفہ میں آباد ہو گئے تھے، ۸۶ھ میں انتقال کیا، ان کا ایک مکتوب سیر ومغازی سے متعلق کتابوں میں موجود ہے، صحیحین میں ابوالنضر سالم مولیٰ عمر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ حروریہ خوارج سے قتال کے موقع پر حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ نے (حضرت عمرؓ کے پوتے) عمر بن عبداللہ کے پاس ایک مکتوب بھیجا تھا جس کو میں نے بھی پڑھا تھا، اس میں لکھا تھا۔

---

[1] سنن نسائی بحوالہ جمع الفوائد ص۲۲ ج۲،

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بعض ایامہ التی لقی فیھا انتظر حتیٰ مالت الشمس، ثم قام فی الناس وقال: ایھا الناس لا تتمنوا لقاء العدو، وسلوا اللہ العافیۃ، فاذا لقیتموھم فاصبروا، واعلموا ان الجنۃ تحت ظلال السیوف، ثم قال: اللھم منزل الکتاب، ومجری السحاب، وھازم الاحزاب اھزمھم، وانصرنا علیھم[1]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض جن غزوات میں دشمن سے مقابلہ ہوا، انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا، اس کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو، اور اللہ سے امن و عافیت کی دعا کرو، اور جب دشمنوں سے مقابلہ کرو تو صبر و استقامت سے کام لو، اور سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے، پھر آپ نے یوں دعا کی اے اللہ! کتاب کے نازل کرنے والے اور دشمن کے لشکر کو شکست دینے والے، دشمنوں کو شکست دے اور ان کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

اس مکتوب کے مختلف اجزاء صحیح بخاری، کتاب الجہاد کے باب الجنۃ تحت بارقۃ السیوف، باب الصبر عند القتال، اور باب لا تتمنوا لقاء العدو میں درج ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی تحریریں

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عہد نبوی میں احادیث لکھنے کے بجائے زبانی یاد کرتے تھے، اور ان کے پاس کوئی صحیفہ نہیں تھا، مگر بعد میں ان کے پاس بہت سی کتابیں تھیں اور ان کے تلامذہ ان کتابوں کی روایت کرتے تھے، عمر بن عبد اللہ بصری نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ زنبیل حدیثیں یاد کی تھیں، وہ کہتے تھے کہ میں نے ان سے صرف دو زنبیل کی حدیثیں بیان کی ہیں، اگر میں تیسری کو نکال دوں تو تم مجھے پتھر مارو گے[2]

[1] بخاری، کتاب الجہاد، باب لا تتمنوا لقاء العدو، مسلم، کتاب الجہاد والسیر [2] المحدث الفاصل ص۵۵۶،

حسن بن عمرو بن امیہ ضمری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ابو ہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی، جس سے انھوں نے لاعلمی ظاہر کی، میں نے کہا کہ یہ حدیث میں نے آپ ہی سے سنی ہے، اس پر کہنے لگے اگر تم نے مجھ سے سنی ہے تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے اور ہم کو احادیث کی کتب کثیرہ دکھائیں اور کہا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ اگر میں نے بیان کی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی، [۱]

حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث کے متعدد نسخے ان کے تلامذہ کے پاس تھے، ان میں سعید بن مسیّب، عبدالرحمٰن ابن ہرمز الاعرج، عبدالرحمٰن بن یعقوب جہنی اور ہمّام بن منبہ صنعانی کے نسخے زیادہ مشہور ہیں، صحیفۂ ہمام بن منبہ چھپ گیا ہے، اس میں ۱۳۸ حدیثیں ہیں، اور نمبر ۱۸، ۵۰، ۸۷، ۹۲، ۱۱۰، ۱۲۳، ۱۲۵، ۱۲۷، ۱۳۸ کی حدیثیں جہاد، ملاحم اور سیر و مغازی کے بارے میں ہیں نیز کتب سیر و مغازی میں حضرت ابو ہریرہؓ کی متعدد روایات موجود ہیں،

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاصؓ کی تحریریں

عہد رسالت میں احادیث قلم بند کرنے والے صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سب سے آگے تھے، ان کے پاس احادیث کا ایک مجموعہ "الصادقہ" تھا جس کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے، اس کے علاوہ ان کے پاس احادیث کا تحریری ذخیرہ موجود تھا جس کو ایک بڑے صندوق میں رکھتے تھے، ابوقبیل راوی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمرو سے پوچھا گیا کہ قسطنطنیہ اور رومیہ شہروں میں سے پہلے کونسا شہر فتح ہوگا؟ تو انھوں نے ایک صندوق منگایا اور اس میں سے ایک کتاب نکال کر بتایا کہ پہلے مدینۂ ہرقل فتح ہوگا،

---

[۱] جامع بیان العلم صفحہ ۷۴ ج ۱، فتح الباری صفحہ ۲۰۶ ج ۱،

فدعا عبد اللہ بن عمرو بصندوق له حلق فاخرج کتابا فجعل یقرأ الخ[1]	عبد اللہ بن عمرو نے ایک صندوق منگائی جس میں حلقے تھے اور ایک کتاب نکال کر پڑھنے لگے

ان کے صحیفہ الصادقہ اور ان کے دوسرے صُحف و نسخ کی روایت عن عمرو بن شعیب عن ابیہ، عن جدہ کی سند سے احادیث اور سیر و مغازی کی کتابوں میں موجود ہے، اسی سند سے محمد بن اسحاق اور طبری نے غزوۂ طائف اور غزوۂ حنین کے متعلق ان کی طویل روایت نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ذخیرۂ کتب میں، اس قسم کی روایات زیادہ رہی ہوں گی، ہم اس روایت کو یہاں نقل کرتے ہیں اور سیر و مغازی کے بارے میں عہد صحابہ کا سب سے مفصل تحریری مأخذ سمجھتے ہیں، ہم تاریخ طبری سے دونوں روایتوں کو نقل کرتے ہیں۔ سیرت ابن ہشام میں بھی یہ روایتیں موجود ہیں۔ مگر ان میں تسلسل نہیں ہے،

غزوۂ طائف کے بارے میں تحریر

عن عمرو بن شعیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلك الی الطائف من حنین علی نخلة الیمانیة، ثم علی قرن، ثم علی الملیح، ثم علی بحرة الرغاء من لیّة، فابتنی بها مسجدًا فصلی فیه فاقاد یومئذٍ ببحرة الرغاء حین نزلها بدم — وهو اول دم اُقید به فی الاسلام — رجلا من	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے حنین کی طرف ان مقامات پر سے گذرے نخلہ یمانیہ، پھر قرن، پھر ملیح، پھر لیّۃ کے بحرۃ الرغاء سے، یہاں آپ نے مسجد بنا کر اس میں نماز پڑھی، اور اسی دن بحرۃ الرغاء میں اتر کر ایک خون کا بدلہ لیا یہ اسلام میں پہلا خون کا بدلہ خون تھا، بنی لیث کے ایک آدمی کو قتل کیا جس نے قبیلہ ہذیل کے ایک آدمی کو قتل کیا تھا،

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۳۲۹ و ص ۳۳

بنی لیث، قتل رجلاً من ھذیل، فقتله رسول الله صلی الله علیه وسلم وامر رسول الله وھو بلیّة بحصن مالك بن عوف فھُدم، ثم سلك فی طریق یقال لھا الضیّقة، فلمّا توجه فیھا سأل عن اسمھا، فقال: ما اسم ھٰذہ الطریق؟ فقیل له: الضیّقة، فقال: بل ھی الیُسریٰ، ثم خرج رسول الله صلی الله علیه وسلم علی نخب حتی نزل تحت سدرة یقال لھا: الصادرة، قریبًا من مال رجل من ثقیف، فارسل الیه رسول الله صلی الله علیه وسلم: إمّا أن تخرج، وامّا ان نخرب علیك حائطك فابیٰ ان یخرج فامر رسول الله صلی الله علیه وسلم باخرابه، ثم مضی رسول الله حتیٰ نزل قریبًا من الطائف، فضرب عسکرہ، فقتل اناس من اصحابه بالنبل، وذٰلك انّ العسکر اقترب من حائط الطائف فکانت النبل

اور قیام لیّہ کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن عوف کے قلعہ کے بارے میں حکم دیا اور وہ گرا دیا گیا، پھر آپ ایک راستہ سے چلے جس کو ضیقہ کہتے ہیں، چلتے وقت آپ نے اس راستہ کا نام دریافت کیا تو بتایا گیا کہ اس کا نام ضیقہ (تنگ) ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ یہ یُسریٰ (آسانی) ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام نخب پر پہونچکر سدرہ کے درخت کے سایہ میں اترے جس کو صادرہ کہتے ہیں جو قبیلہ ثقیف کے ایک آدمی کے باغ کے قریب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ یا تم باہر نکلو، یا ہم تمہارے باغ کو ویران کردیں، اس نے باہر آنے سے انکار کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ویران کر دینے کا حکم دیا، پھر آپ نے طائف کے قریب اتر کر پڑاؤ ڈالا، یہاں آپکے چند صحابہ تیروں سے شہید ہوگئے، کیونکہ اسلامی لشکر طائف شہر پناہ کے قریب تھا اور طائف والوں کے تیر اندر سے اُن پر گرتے تھے اور مسلمان ان کی شہر پناہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ کیونکہ انھوں نے

تنالهم ولم يقدر المسلمون ان يد خلوا حائطهم غلقوه دونهم فلما اصيب اولئك النفر من اصحابه بالنبل ارتفع فوضع عسكره عند مسجده الذى بالطائف اليوم، فحاصرهم بضعًا وعشرين ليلة، ومعه امرأتان من نسائه احدها ام سلمة بنت ابى امية، واخرىٰ معهما (قال الواقدى الأخرىٰ زينب بنت جحش) فضرب لهما قبتين ما اقام، فلما اسلمت ثقيف بنى على مصلى رسول الله صلى الله عليه وسلم ذٰلك ابوامية بن عمرو بن وهب ابن معتب بن مالك مسجدا، وكان فى ذٰلك المسجد سارية فيما يزعمون لا تطلع عليها الشمس يومًا من الدهر، إلا سمع لها نقيض، فحاصرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم قاتلهم قتالاً شديدًا، وتراموا بالنبل حتى اذا كان يوم الشدخة

ہر طرف سے بند کر رکھا تھا۔ اس صورتحال کی وجہ سے آپ نے وہاں سے اُٹھ کر اسلامی لشکر کو اس مسجد کے پاس ٹھہرایا جو آج طائف میں موجود ہے اور بیس دن سے زائد تک اہل طائف کا محاصرہ کیا، آپ کے ساتھ آپ کی ازواج میں سے دو ام سلمہ اور دوسری (حسب روایت واقدی) زینب بنت جحش تھیں۔ آپ نے ان دونوں کے لئے زمانۂ قیام تک دو خیمے لگائے تھے۔ اور جب بنو ثقیف اسلام لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی اس جگہ پر ابوامیہ بن عمرو بن وہب بن معتب بن مالک نے مسجد بنائی، لوگوں کے بیان کے مطابق اس مسجد میں ایک ستون تھا جس پر جب کبھی سورج کی دھوپ پڑتی ٹوٹنے کی آواز سُنائی دیتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کرکے ان سے شدید جنگ کی اور جانبین سے تیر اندازی کی، یہاں تک کہ شدخہ کے معرکہ کے دن جو طائف کی

عند جدار الطائف دخل نفر من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم تحت دبابة، ثم زحفوا بها الی جدار الطائف فارسلت علیهم ثقیف سکك الحدید محماة بالنار، فخرجوا من تحتها فرمتهم ثقیف بالنبل وقتلوا رجالاً،

فامر رسول الله صلی الله علیه وسلم بقطع اعناب ثقیف فوقع فیها الناس یقطعون، وتقدم ابو سفیان ابن حرب والمغیرة بن شعبة الی الطائف فنادیا یا ثقیفاً أن أمنونا حتی نکلمکم فامنوهما فدعوا نساءً من نساء قریش و بنی کنانة لیخرجن الیهما، وهما یخافان علیهن السباء فابین منهن آمنة بنت ابی سفیان کانت عند عروة بن مسعود له منها داود بن عروة وغیرها، [1]

شہر پناہ کے پاس ہوا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت نے دبابہ کے نیچے جاکر اس کو طائف کی شہر پناہ کی طرف ڈھکیلا، اور قبیلہ ثقیف والوں نے اندر سے لوہے کی گرم گرم سلاخیں ان پر پھینکیں۔ جب وہ لوگ دبابہ کے نیچے سے نکلے تو ثقیف نے ان پر تیر برسایا اور چند آدمیوں کو مار ڈالا، ان کی اس حرکت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انگور کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا اور لوگوں نے کاٹ کر رکھدیا اور ابوسفیان بن حربؓ اور مغیرہ بن شعبہؓ نے آگے بڑھکر پکارا کہ اے ثقیف! تم ہم کو امان دو تاکہ تم سے بات کریں، انھوں نے ان کو امان دی، اور ان دونوں نے قریش اور بنی کنانہ کی عورتوں کو اپنے پاس آنے کیلئے آواز دی، اُن کو ان عورتوں کی گرفتاری کا ڈر تھا، مگر انھوں نے آنے سے انکار کردیا، ان میں ابوسفیان کی بیٹی آمنہ بھی تھی جو عروہ بن مسعود کے عقد میں تھی جس کے بطن سے داؤد بن عروہ وغیرہ تھے)

---

[1] تاریخ طبری ج۳ ص۱۳۳ (بیروت) سیرت ابن ہشام ج۱ ص۴۸۲ و ص۴۸۳

وفد ہوازن کے بارے میں تحریر

طبری نے عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی دوسری روایت اسی سند سے وفد ہوازن کے متعلق یوں بیان کی ہے۔

حدثني عمرو بن شعيب - - - - - - -
عن ابيه، عن جده عبد الله بن - - - - - - -
عمرو بن العاص، قال: أتى وفد هوازن رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بالجعرانة، وقد اسلموا فقالوا يارسول الله انا اصلٌ وعشيرةٌ، وقد اصبنا من البلاء مالا يخفىٰ عليك، فامنن علينا فقام رجل من هوازن احد بني سعد بن بكر وكان بنو سعد هم الذين ارضعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم يقال له زهير بن صُرَد، وكان يكنى بابي صرد، فقال: يارسول الله انما في الحظائر عماتك، وخالاتك، وحواضنك اللاتي كن يكفلنك، ولو انا ملحنا للحارث بن ابي شمر، او للنعمان بن المنذر، ثم نزل منا بمثل ما نزلت به رجونا عطفه، وعائدته، وانت خير

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام جعرانہ میں تھے قبیلہ ہوازن کے وفد نے آپ کے پاس آکر اسلام قبول کیا اور کہا کہ یارسول اللہ! ہم خاندان کی بنیاد ہیں ہم پر جو بلا اور مصیبت پڑی ہے، آپ سے پوشیدہ نہیں ہے، آپ ہم پر احسان کریں اور قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ بنی سعد بن بکر جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا اس کا ایک شخص ابو صرد زہیر بن صرد اٹھ کر بولا یارسول اللہ! آپ کی پھوپھیاں، اور خالائیں اور پالنے والی جنھوں نے آپ کی بچپن میں کفالت کی ہے پناہ گاہوں میں ہیں، اگر ہم حارث بن ابو شمر اور نعمان بن منذر بادشاہوں سے جنگ کرتے اور ہماری طرف سے وہی ہوتا جو آپ کی طرف سے ہوا ہے تو ہم کو امید ہے کہ وہ ہم پر رحم کرتے اور آپ تو ہمارے بہترین

المکفولین، ثم قال:

امنن علینا رسول اللہ فی کرم
فانك المرء نرجوه وندّخرُ
امنن علی بیضۃ قدعا قها قدر
ممزّق شملها فی دهرها غِیَرُ

فی ابیات قالها، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم: ابناءکم ونساءکم احبّ الیکم، ام اموالکم؟ فقالوا: یا رسول اللہ خیّرتنا بین احسابنا واموالنا، بل تردّ علینا نساءنا و ابناءنا فهم احب الینا، فقال: امّا ماکان لی و لبنی عبد المطلب فهو لکم، فاذا انا صلیتُ بالناس فقولوا: انا نستشفع برسول اللہ الی المسلمین و بالمسلمین الی رسول اللہ فی ابناءنا و نساءنا فسأعطیکم عند ذٰلك، وأسأل لکم،

فلما صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالناس، الظهر قاموا فتکلموا بالذی امرهم به فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

مکفولوں میں سے ہیں، پھر اس نے یہ چند اشعار سنائے،

یارسول اللہ! ہم پر کرم کے ساتھ احسان فرمائیے بلاشک آپ ایسے ہیں کہ ہم آپ کے کرم کے امیدوار ہیں اس قبیلہ پر احسان فرمائیے جس کو تقدیر نے روک دیا ہے اور زمانہ کے تغیرات سے اس کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کو اپنے بچے اور عورتیں زیادہ محبوب ہیں، یا اپنے مال و دولت؟ انھوں نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ نے ہماری شرافت اور ہماری دولت میں سے ایک کے بارے میں اختیار دیا ہے آپ ہمارے بچوں اور عورتوں کو ہمیں واپس کردیں، یہ ہم کو زیادہ محبوب ہیں، آپ نے فرمایا کہ جو قیدی میرے یا خاندانِ عبدالمطلب کے ہیں، وہ سب تمہارے ہیں۔ اور جب میں لوگوں کو نماز پڑھاؤں تو تم لوگ کہو کہ ہم اپنے لڑکوں اور عورتوں کے بارے میں مسلمانوں کے یہاں رسول اللہ کو اور رسول اللہؐ کے یہاں مسلمانوں کو سفارشی بناتے ہیں، اور میں اس معاملہ میں تمہارے لئے پوچھ کچھ کروں گا، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز ظہر پڑھا چکے تو انھوں نے وہی کہا جو آپ نے ان کو بتایا تھا، اور رسول اللہؐ

اما ما کان لی ولبنی عبد المطلب فھو لکم، وقال المھاجرون: وما کان لنا فھو لرسول اللہ، وقالت الانصار: وما کان لنا فھو لرسول اللہ، وقال الاقرع بن حابس: اما انا وبنو تمیم فلا، وقال عُیینۃ بن حصن: اما انا وبنو فزارۃ فلا، وقال عباس بن مرداس: اما انا وبنو سلیم فلا، وقالت بنو سلیم: ما کان لنا فھو لرسول اللہ، قال: یقول العباس لبنی سلیم وَھّنتُمونی، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما مَن تمسّكَ بحقہ من ھذا السبی منکم فلہ بکل انسان ست فرائض من اول شیئ نصیبہ، فَرَدّوا الی الناس ابناءھم ونساءھم [1]	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے جو قیدی میرے اور خاندان عبد المطلب کے پاس ہیں، وہ تمہارے ہیں، اس پر مہاجرین نے کہا کہ جو ہمارے پاس ہیں وہ رسول اللہؐ کے ہیں اور انصار نے کہا کہ جو ہمارے پاس ہیں وہ رسول اللہؐ کے ہیں، اور اقرع بن حابس نے کہا کہ میں اور بنو تمیم ایسا نہیں کریں گے، اور عیینہ بن حصن نے کہا کہ میں اور بنو فزارہ ایسا نہیں کریں گے اور عباس بن مرداس نے کہا کہ میں اور بنو سلیم ایسا نہیں کریں گے۔ مگر خود بنو سلیم نے کہا کہ جو ہمارے پاس ہیں وہ رسول اللہؐ کے ہیں، یہ سُن کر عباس نے بنو سلیم سے کہا کہ تم لوگوں نے میری توہین کی، یہ باتیں سُن کر آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں سے ان قیدیوں سے اپنا حق رُکتا ہے، اس کو واپس کرنے پر ہر انسان کے بدلے پہلے سب سے پہلے مال غنیمت سے چھ حصے دیئے جائیں گے اس کے بعد سب لوگوں نے بنی ہوازن کے قیدی لڑکوں اور عورتوں کو واپس کر دیا،

بلاذری نے اہل یمن کے متعلق اسی سند سے ایک روایت یوں درج کی ہے۔

...... عَن عمرو بن شعیب، عَن ابیہ

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۳۵، (بیروت)، سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۴۸۸ و ص ۴۸۹

عن جدّہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض الجزیۃ علی کل محتلم من اھل الیمن دینارًا [1]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے ہر جوان پر ایک دینار جزیہ مقرر فرمایا،

مصنّف عبدالرزاق میں ایک طویل روایت ملاحم سے متعلق ہے اور اس کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اس تصریح کے ساتھ بیان کیا ہے،

انہ لفی الکتاب مکتوب [2]	یہ روایت کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

یہاں کتاب سے مراد ان کا صحیفہ الصادقہ، یا ان کی کوئی اور کتاب ہے، جس سے وہ احادیث اور واقعات بیان کرتے تھے۔

سیر ومغازی کے خاص خاص ابواب اور عنوانات پر تحریریں

ابتدا میں صحابہ اور تابعین کی تحریروں اور صحیفوں میں ترتیب وتبویب کا اہتمام نہیں تھا بلکہ ان میں غیر مرتب مضامین ہوتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ ایک موضوع سے متعلق احادیث وآثار اور واقعات ایک عنوان اور باب کے ذیل میں ہوں، اس کی مثال صحیفہ ہمام بن منبہ ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات اسی انداز میں جمع کی گئی ہیں۔ البتہ صحابہ کے آخری دور میں ایک موضوع سے متعلق احادیث اور فقہی مسائل ایک باب کے ماتحت بیان کرنے اور لکھنے کی ابتداء ہو چکی تھی، جس کو تصنیف وتالیف کی تمہید کہا جا سکتا ہے، بخاری نے تاریخ کبیر میں ہشیم بن شہاب سلمی کے تذکرہ میں لکھا ہے۔

عن ابی ھریرۃ وابی ذرّ قالا: باب من العلم نتعلّمہ احبّ الینا من	ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ ہمارا علم کا ایک باب سیکھنا ہمارے نزدیک

[1] فتوح البلدان ص۸۳۔ [2] مصنّف عبدالرزاق، باب قیام الروم ص۳۸۶ ج۱۱۔

الف رکعۃ، [۱] — ہزار رکعات نماز سے زیادہ محبوب ہے،

ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میں نے عثمان بتّی سے کہا کہ

دُلّنی علی باب من ابواب الفقہ، قال: اسمع الاختلاف، [۲] — آپ مجھے فقہ کے ابواب میں سے کسی ایک باب کی تعلیم کے بارے میں ہدایت کیجئے تو انھوں نے کہا کہ تم اختلافِ علماء کا سماع کرو،

☆ ☆ ☆

عروہ بن زبیر اپنے لڑکوں اور تلامذہ کو ایک باب یا ایک موضوع پر اسی کے مناسب درس دیتے تھے ان کے صاحبزادے ہشام بن عروہ کا بیان ہے۔

فکان یحدثنا فی الطلاق، ثم الخلع، ثم الحج، ثم الھدی، ثم کذا، [۳] — ہمارے والد عروہ ہم سے طلاق کے بارے میں بیان کرتے پھر خلع، پھر حج، پھر ہدی، پھر اسی طرح دوسرے ابواب کے بارے میں

☆ ☆ ☆

قاضی حسن بن عبدالرحمٰن بن خلّاد رامہرمزی نے "التبویب فی التصنیف" کے ذیل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ امام وکیع بن جرّاح ؒ سے ان کے تلامذہ نے کہا کہ آپ ۔۔۔ اپنے آخری زمانہ میں ابواب پر کتاب تصنیف کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں باب کذا اور باب کذا تو انھوں نے اس کے بارے میں امام شعبی کا حوالہ دیا کہ

عن الشعبی قال: باب من الطلاق جسیم، اذا اعتدت المرأۃ ورثت، — شعبیؒ نے باب من الطلاق جسیم" کہکر بیان کیا کہ عورت جب عدت پوری کرلے تو وارث بن جاتی ہے۔

☆ ☆ ☆

اور ایک روایت میں ہے کہ امام شعبی نے من الطلاق کے بجائے من الفقہ کہا تھا، [۴]

---

[۱] تاریخ کبیر ص ۲۱۲ ج ۴ قسم ۲، [۲] جامع بیان العلم ص ۳۵ ج ۲، [۳] ایضاً ص ۱۱۱ ج ۱، [۴] المحدث الفاصل ص ۲۰۶،

الغرض صحابہ کے آخری دور میں ایک باب اور عنوان پر لکھنے کی ابتدا ہو چکی تھی اور تابعین نے اسی انداز پر تدوین و تصنیف کا سلسلہ شروع کیا،

سیر و مغازی کے متعلق خاص خاص عنوانات اور موضوعات پر تحریروں کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

اموال بنی نضیر پر تحریر

صحیح بخاری کتاب فرض الخمس میں ایک طویل واقعہ درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے پاس .... حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ گئے، ان کے پیچھے حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ پہونچے، ان دونوں گروہ کے درمیان بنی نضیر کے فئے کے بارے میں تنازع تھا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص حصہ تھا، حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے اس کے بارے میں فیصلہ چاہا، حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ بنی نضیر کا فئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خالصہ تھا اور آپ نے اپنی حیات میں اپنے گھر والوں کا نفقہ اس سے ادا کر کے جو کچھ بچ رہا اللہ کی راہ میں خرچ کیا، آپ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اس کو آپ ہی کے طریقہ پر رکھا، حضرت ابوبکرؓ کے بعد میں نے اس میں دو سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کی طرح کام کیا، پھر آپ دونوں (حضرت علی اور حضرت عباس) نے آکر اس کا مطالبہ کیا اور میں نے انکار کے بعد اس شرط پر دیدیا کہ آپ لوگ بھی حسب سابق اس میں عمل کریں گے۔ اب آپ لوگ اس کے بارے میں دوسرا فیصلہ کرانا چاہتے ہیں، میں ایسا نہیں کر سکتا، اگر آپ لوگوں سے یہ کام نہیں ہو سکتا ہے تو مجھے واپس کر دیں[1]۔

اموالِ بنی نضیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خالصہ کے متعلق اس گفتگو کو کسی

---

[1] بخاری، کتاب الجہاد، باب فرض الخمس ج ۱ ص ۱۲۳ و ص ۱۲۳ (بحاشیہ سندی)

تابعی عالم نے کتابی شکل میں جمع کیا تھا، عبید بن سلام نے کتاب الاموال میں مختصر طور سے یہ گفتگو نقل کی ہے اور آخر میں ابوالبختری سعید بن فیروز طائی متوفی ۸۳ھ کا بیان نقل کیا ہے کہ

عن ابی البختری قال: سمعت حدیثا من رجل فاعجبنی فاشتهیت ان اکتبہ، فاتانی بہ مکتوبا، ثم ذکر مثل هذا الحدیث او نحوہ[1]

اس کے متعلق میں نے ایک آدمی سے بات سنی جو بہت اچھی لگی اور میں نے اس کو لکھنا چاہا تو وہ شخص اس کو میرے پاس لکھا ہوا لے کر آیا،

اموالِ خیبر پر تحریر

سنہ ۷ھ میں خیبر فتح ہوا، اور اس کے اموال وباغات قلعے اور علاقے پر مسلمانوں نے قبضہ کیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شق، نطاۃ، وطیح، اور سلالم کو مجاہدین میں ۳۶ سہام پر تقسیم فرمایا اور کتیبہ نامی علاقہ کو خمس میں رکھ کر اپنے اہل وعیال اور مسلمانوں پر وقف کر دیا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دورِ خلافت میں کتیبہ کے بارے میں پوری تحقیق کر کے اس کی نگہداشت اور پیداوار کی صحیح تقسیم کے لئے ایک مستقل امیر مقرر کیا اور اس سلسلہ میں ایک اہم تحقیقی تحریر حاصل کی، قاضی مدینہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے مجھے لکھا کہ تم کتیبہ کے بارے میں تحقیق کرو کہ وہ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خمس تھا یا خالصۂ میں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے معلومات حاصل کر کے عمر بن عبدالعزیز کو یہ تحریر روانہ کی۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما صالح بنی ابی الحقیق جزء النطاۃ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بنی ابی الحقیق سے صلح فرمائی تو نطاۃ اور شق کے پانچ حصے کئے

[1] کتاب الاموال ص۱۰۔

والشق خمسة اجزاء، فكانت الكتيبة جزءًا منها، ثم جعل رسول الله خمس بعرات، وَاَعْلَمَ فی بعرة منها "لله" منها، ثم قال رسول الله: اَللّٰهُمَّ اجعل سهمك فی الكتيبة، فكانت اوّل ما خرج السهم الذی مكتوب فيه "لله" علی الكتيبة، فكانت الكتيبة خمس رسول الله صلی الله عليه وسلم، وكانت السهمان اُغفالًا ليس فيها علامات، فكانت فوضی للمسلمين علی ثمانية عشر سهمًا۔ ؎۱

ان ہی میں کتیبہ کا علاقہ تھا، پھر آپ نے پانچ پتھرلے کر ایک پر "لِلّٰہ" کا نشان بنایا اور کہا کہ اے اللہ! تو اپنا حصہ کتیبہ میں بنا دے، چنانچہ سب سے پہلے قرعہ میں جس پتھر پر للہ کا نشان تھا وہ کتیبہ پر پڑا، اس لئے کتیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خمس ہوا، اور حصوں پر نشانات نہیں تھے وہ اٹھارہ سہام پر منقسم ہو کر مسلمانوں کے لئے عام تھے

کتیبہ کے بارے میں اسی تفصیلی تحریر کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے حمید بن نافع انصاری کو نگراں مقرر کیا، ان کا بیان ہے کہ ہم مستحقین کے وارثوں کو اس میں سے پورا پورا حصہ دیتے تھے۔ ؎۲

دعوتی مکاتیب کے قاصدوں پر تحریر

محمد بن اسحاق کے استاذ یزید بن ابو حبیب مصری متوفی ۱۲۸ھ کو مصر میں ایک کتاب ملی جس میں عرب و عجم کے بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط لیجانے والے صحابہ کا ذکر تھا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قاصدوں کو جو وصیت و نصیحت فرمائی اس کی تفصیل تھی، اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر یزید بن ابو حبیب نے اس کو محمد بن شہاب زہری کی خدمت میں مدینہ منورہ

؎۱ طبقات ابن سعد ج ۵ ص۳۸۹ ، ؎۲ فتوح البلدان ص۴۱ ،

ایک معتمد آدمی کے ذریعہ روانہ کیا تاکہ اس کی تحقیق وتصدیق ہو جائے، اس کتاب میں لکھا تھا۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرج علی اصحابہ فقال لھم، ان اللہ بعثنی رحمۃ وکافۃ، فادّوا عنی یرحمکم اللہ، ولا تختلفوا علیّ کما اختلف الحواریون علی عیسی بن مریم، قالوا: وکیف یا رسول اللہ کان اختلافھم؟ قال: دعاھم لمثل ما دعوتکم لہ، فامّا من قرّب بہ فاحبّ وسلّم، واما من بعد بہ فکرہ وابیٰ، فشکا ذلک عیسیٰ منھم الی اللہ، فاصبحوا، وکل رجل منھم یتکلم بلغۃ القوم الذین وُجّہ الیھم، [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صحابہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمتِ عامہ بناکر بھیجا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے، میری رسالت کو دوسروں تک پہنچاؤ، اور میرے بارے میں اختلاف نہ کرو، جس طرح عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں حواریوں نے اختلاف کیا تھا کہ جس کام کے لئے میں نے تم لوگوں کو بلایا ہے، انھوں نے بھی حواریوں کو بلایا (یعنی دنیا کے مختلف بادشاہوں اور بڑوں کے نام اسلامی دعوت نامہ پہونچایا) ان میں سے جو قریب تھا اس نے بات مان لی، اور جو دور تھا اس نے انکار کیا، پھر ان جانے والوں میں سے ہر ایک آدمی جس قوم کی طرف بھیجا گیا، اسی کی زبان میں گفتگو کرنے لگا،

معمولی اختلاف کے ساتھ اس مکتوب کا تذکرہ طبری نے بھی کیا ہے، [2]

مسائل کا تحریری سوال وجواب

سیر ومغازی کے بارے میں عام طور سے مسائل زبانی معلوم کئے جاتے تھے، اور بہت سے حضرات تحریر کے ذریعہ ان میں سوال کرتے اور ان کو تحریری

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص۶۰۷، [2] تاریخ طبری ص۵۵۰ ج۳ (بیروت)

جواب دیا جاتا تھا، اس قسم کے استفسار و افتاء کی بھی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے انفال کے بارے میں نافع مولیٰ ابن عمرؓ کے پاس لکھا، اور انھوں نے جواب میں لکھا کہ

فکتب الیّ: اَنّ ابن عمر کان فی سریۃ الی نجد، (قال) فاصبنا ابلاً و غنماً فبلغت سہماننا اثنی عشر بعیراً، اثنی عشر بعیراً، ونفّلنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعیراً بعیراً [1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نجد کے ایک سریہ میں شریک تھے، انھوں نے بتایا کہ ہم نے مالِ غنیمت میں اونٹ اور بکریاں پائیں اور ہمارے حصہ میں بارہ بارہ اونٹ آئے، اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو ایک ایک اونٹ دیا،

نیز ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے نافع مولیٰ ابن عمر سے قتال سے پہلے دعوت اسلام کے متعلق تحریری سوال کیا تو انھوں نے لکھا کہ

فکتب الیّ: ان ذٰلک کان اول الاسلام، وقد اغار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی بنی المصطلق وھم غارّون، وانعامھم تُسقیٰ علی الماء فقتل مقاتلتھم، وسبیٰ سبیّھم، واصاب یومئذٍ جُویریۃ بنت الحارث، حدّثنی ھٰذا الحدیث عبداللہ بن عمر، وکان فی ذٰلک الجیش [2]

قبل قتال دعوتِ اسلام ابتدائی دور میں تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر حملہ کیا اس وقت وہ لوگ بے خبر تھے اور ان کے جانوروں کو پانی پلایا جارہا تھا، آپ نے ان کے جنگ بازوں کو قتل کرکے دوسروں کو قیدی بنایا، اسی غزوہ میں حضرت جویریہ بنت حارث ہاتھ آئیں، یہ واقعہ خود عبداللہ بن عمر نے مجھ سے بیان کیا، وہ اس غزوہ میں شریک تھے"

[1] سنن نسائی، [2] مسلم کتاب الجہاد والسیر، تاریخ کبیر ج ۳ قسم ۲ ص ۳، کتاب الاموال ص ۱۱۹،

عمرو بن حارث کا بیان ہے کہ میں ربیعہ بن عبدالرحمٰن رائی کو لکھا کہ کیا وجہ ہے کہ مجوسیوں پر جزیہ نہیں لگایا گیا؟ انھوں نے اس کے جواب میں لکھا کہ

فکتب الی ربیعۃ: قد کان ذالک فی امر من قد مضیٰ مایغنیك عن المسئلۃ عن مثل ھذا، ؎۱

اس کی وجہ پہلے لوگوں کے معاملے سے ظاہر ہو چکی ہے جو تم کو اس قسم کی باتوں کے بارے میں سوال کرنے سے بے نیاز کرتی ہے۔

ایک شخص نے عمر بن عبدالعزیز سے فئے کی تفصیل دریافت کی تو انھوں نے جواب میں لکھا،

ذالك ماحکم بہ عمر بن الخطاب فراہ المؤمنون عدلاً موافقاً لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل اللہ الحق علی لسان عمرؓ وقلبہ، فرض الاعطیۃ، وعقد لاھل الادیان ذمۃً، فیما فرض علیھم من الجزیۃ، لم یضرب فیھا بخمس ومغنم،

اس کے متعلق حضرت عمرؓ نے فیصلہ کر دیا ہے جس کو مسلمانوں نے انصاف پر مبنی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان وقلب پر حق رکھا ہے، انھوں نے وظائف مقرر کئے، دیگر مذاہب والوں کو ذمی بنا کر ان پر جزیہ مقرر کیا اور اس میں خمس اور غنیمت کا معاملہ نہیں کیا،

اموی دور میں کچھ لوگ تہائی مال غنیمت سے زیادہ سہم وصول کرنے لگے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کے خلاف ایک تحریری فرمان جاری کیا جس میں تھا کہ

فکتب: انہ لم یبلغنا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفل اکثر من الثلث، فلم یزل یعمل بہ، ؎۲

ہم کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی مالِ غنیمت سے زیادہ تقسیم کیا اور اسی پر برابر عمل کیا جارہا ہے۔

؎۱ کتاب الاموال ص۳۶،
؎۲ مصنف عبدالرزاق ص۱۹۱ ج ۵

منذر بن عبید مدنی ابو معشر سندی مدنی صاحب المغازی کے استاذ ہیں، ان کا بیان ہے ایسے ذمی کے بارے میں جو مسلمانوں کے شریک ہو کر جہاد کرے، اور دشمن کو امان دے۔ عمر بن عبدالعزیز نے میرے پاس لکھا کہ

فکتب: لایجوز امانہ وقال: انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یجیر علی المسلمین ادناھم، وھذا لیس بمسلم، [1]

اس ذمی کو امان دینا جائز نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ ادنیٰ مسلمان بھی مسلمانوں کی طرف سے امان دے سکتا ہے اور یہ شخص مسلمان نہیں ہے۔

فتح مکہ کے متعلق ایک طویل تحریر

اس سلسلہ میں سیر و مغازی پر سب سے اہم اور مفصل کئی تحریریں عروہ بن زبیر کی ہیں جن کو انھوں خلیفہ عبدالملک کے استفسار کے جواب میں لکھا ہے جو طبری وغیرہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ عبدالملک بن مروان خلافت سے پہلے مدینہ منورہ کے مشہور علماء و فقہاء میں سے تھا، بڑا علم دوست اور اہل علم کا قدرداں تھا، اس نے اپنے دور خلافت (۶۵ھ تا ۸۶ھ) میں مشہور تابعی امام اور مغازی کے مصنف عروہ بن زبیر کو خط لکھ کر فتح مکہ کے بارے میں تفصیل چاہی تو انھوں نے لکھا،

..... ھشام بن عروہ، عن عروۃ انہ کتب الی عبد الملک بن مروان: اما بعد

.... عروہ بن زبیر نے عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ حمد و صلوٰۃ کے بعد۔

فانک کتبت الیّ تسألنی عن خالد بن الولید، ھل اغار یوم الفتح، وبامر من اغار؟ وانہ کان من شان

آپ نے میرے پاس مجھے لکھکر خالد بن ولید کے بارے میں دریافت کیا ہے کہ کیا انھوں نے فتح مکہ کے دن یلغار کی، اور کس کے حکم سے کی؟

---

[1] طبقات ابن سعد ص۳۵۵ ج ۵،

خالد یوم الفتح انہ کان مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فلما رکب النبی بطن مرّ عامدًا الی مکۃ، وقد کانت قریش بعثوا ابا سفیان، وحکیم بن حزام یتلقیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھم حین بعثوھما لا یدرون ان یتوجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الیھم أو الی الطائف؟ وذٰلک ایام الفتح، واستتبع ابو سفیان وحکیم بن حزام بُدیل بن ورقاء و احبّا ان یصحبھما، ولم یکن غیر ابی سفیان وحکیم بن حزام وبدیل، وقالوا لھم حین بعثوھم الی رسول صلی اللہ علیہ وسلم: لا نوتینّ من ورائکم، فانا لا ندری من یرید محمد، ایانا او ھوازن یرید، او ثقیفًا، وکان بین النبی صلی اللہ علیہ وسلم و بین قریش صلحٌ یوم الحدیبیۃ، وعھدٌ و مدۃٌ، فکانت بنو بکر فی ذٰلک الصلح مع قریش، فاقتتلت طائفۃ من

ان کا واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ کے وقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطن مر سے مکہ کے ارادہ سے سوار ہوئے، اُدھر قریش نے ابوسفیان اور حکیم بن حزام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے بھیجا، ان کو معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رُخ ان کی طرف ہے یا طائف کی طرف، یہ فتح مکہ کے زمانہ کی بات ہے، اور ابوسفیان اور حکیم بن حزام کے پیچھے بُدیل ابن ورقاء بھی نکلے، توان دونوں نے اس کو بھی ساتھ لینا بہتر سمجھا، قریش کی طرف سے جانے والوں میں ابوسفیان، اور حکیم بن حزام اور بدیل کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا، قریش نے ان کے بھیجتے وقت کہا کہ ایسا نہ ہو کہ تم لوگ اُدھر ہی رہو اور ہمارے پاس مسلمان آجائیں کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ محمدؐ نے ہمارا قصد کیا ہے یا ہوازن کا، اور غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک مدت تک کے لئے صلح اور معاہدہ ہوا تھا، اور بنو بکر اس صلح میں قریش کے ساتھ تھے، اسی درمیان میں

بنی کعب وطائفة من بنی بکر، وکان
بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وبین قریش فی ذٰلك الصلح الذی
اصطلحوا علیہ، لا اغلال، ولا اسلال،
فاعانت قریش بنی بکر بالسلاح
فاتھمت بنو کعب قریشا، فمنھا
غزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اھل مکة، وفی غزوتہ تلك لقی
ابا سفیان وحکیما وبدیلا بمر
الظھران، ولم یشعروا ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نزل مر
حتی طلعوا علیہ، فلما رأوہ بمر
دخل علیہ ابوسفیان وبدیل، و
حکیم بمنزلہ بمر الظھران فبایعوہ،
فلما بایعوہ بعثھم بین یدیہ
الی قریش یدعوھم الی الاسلام، فاخبرت
انہ قال: من دخل دار ابی سفیان
فھو آمن، وھی باعلی مکة، ومن دخل
دار حکیم، وھی باسفل مکة، فھو
آمن، ومن اغلق بابہ وکف یدہ
فھو آمن،

بنی کعب اور بنی بکر کی ایک جماعت میں جنگ
ہوگئی، اس صلح میں یہ بات بھی تھی کہ جانبین
کی طرف سے نہ اغلال ہوگا اور نہ اسلال یعنی
نہ کوئی کسی گرفتار کرے گا، اور نہ کوئی
کسی پر تلوار اٹھائے گا، مگر قریش نے
ہتھیار سے بنی بکر کی مدد کی، اس لئے
بنی کعب نے قریش پر بدعہدی کا الزام رکھا،
اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
اہل مکہ کا قصد کیا، اور اسی میں آپ
مر الظہران میں ابوسفیان اور حکیم اور بدیل
سے ملے، ان لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر الظہران میں ہیں
یہیں آکر دیکھا، انھوں نے مر الظہران
میں آپ کو دیکھکر آپ سے بیعت کی، اس
کے بعد آپ نے ان تینوں کو اپنے سامنے
قریش کے پاس اسلام کی دعوت دیکر بھیجا،
مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر داخل
ہوجائے اس کو امان ہے، ان کا مکان مکہ کے
بالائی حصہ (معلاۃ) میں تھا، اور جو شخص حکیم کے
مکان میں داخل ہوجائے اس کو امان ہے۔ ان کا مکان

وانه لما خرج ابوسفیان وحکیم من عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم عامدین الی مکۃ بعث فی اثرھما الزبیر واعطاہ رایتہ، وامّرہ علی خیل المھاجرین والانصار، وأمرہ ان یغرز رایتہ باعلی مکۃ بالحجون، وقال للزبیر: لا تبرح حیث امرتك ان تغرز رایتی حتی آتیك، ومن ثمّ دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وامر خالد بن الولید فی من کان اسلم من قضاعۃ و بنی سلیم و اناس وانما اسلموا قبیل ذالك۔ ان یدخل من اسفل مکۃ، وبھا بنو بکر قد استنصرتھم قریش، و بنوالحارث بن عبد مناۃ، ومن کان من الاحابیش، امرتھم قریش ان یکونوا باسفل مکۃ، فدخل علیھم خالد بن الولید من اسفل مکۃ، وحُدِّثتُ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لخالد والزبیر حین بعثھما:

مکّہ کے نشیبی حِصّہ (مسفلہ) میں تھا، اور جو شخص اپنا دروازہ بند کرے اور اپنا ہاتھ روک لے اس کو امان ہے، جس وقت ابوسفیان اور حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے مکّہ کے ارادہ سے نکلے آپ نے اُن کے پیچھے زبیر (میرے والد) کو اپنا جھنڈا دیکر بھیجا اور ان کو مہاجرین و انصار کا امیر بنا کر حکم دیا کہ آپؐ کا جھنڈا مکّہ کے بالائی حِصّہ حجون میں گاڑ دیں، اور فرمایا کہ جہاں میں نے اپنا جھنڈا گاڑنے کا حکم دیا ہے تم اس جگہ سے نہ ہٹنا جب تک کہ میں تمہارے پاس نہ آجاؤں، اور اسی مقام سے آپ مکّہ میں داخل ہوئے، اور خالد بن ولید کو اور بنی قضاعہ اور بنی سلیم اور دوسرے لوگ جو اس کچھ پہلے اسلام لائے تھے اور خالد بن ولید کی امارت میں تھے ان کو حکم دیا کہ وہ مکّہ کے نشیبی علاقہ سے داخل ہوں جہاں بنو بکر (جن کی قریش نے مدد کی تھی) اور بنو حارث بن عبد مناۃ اور قریش کے حوالی موالی جمع تھے، قریش نے ان کو اسی جگہ رہنے کا حکم دیا تھا، اسی لئے خالد بن ولید مسفلہ سے مکّہ میں داخل ہوئے، اور مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لا تقاتلا إلّا من قاتلكما فلمّا قدم خالد على بني بكر والاحابيش باسفل مكّة قاتلهم فهزمهم الله عزّ و جلّ ولم يكن بمكّة قتال غير ذٰلك، غير انّ كرز بن جابر احد بني محارب ابن فهر، وابن الاشعر رجلاً من بني كعب كانا في خيل الزبير فسلكا كداء، ولم يسلكا طريق الزبير الذي سلك الذي اُمِرَ به فقدما على كتيبةٍ من قريش مهبط كداء، فقُتلا، ولم يكن باعلى مكّة من قبل الزبير قتال، ومن ثمّ قدم النبيّ صلى الله عليه وسلم فقام الناس اليه يبايعونهٗ فاسلم اهل مكّة، واقام النبي صلّى الله عليه وسلّم نصف شهرٍ، ولم يزد على ذٰلك حتى جاءت هوازن وثقيف فنزلوا بحُنين، [1]

نے خالد اور زبیر کو، روانہ کرتے وقت ان سے فرمایا تھا کہ تم اسی سے جنگ کرنا جو تم سے جنگ کرے، اور جب خالد اسفل مکہ میں بنی بکر اور قریش کے لوگوں کے پاس داخل ہوئے تو اُن سے جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہزیمت دی، اس کے علاوہ مکّہ میں قتال نہیں ہوا، اس کے سوا کہ بنو محارب بن فہر کے کرز بن جابر، اور بنو کعب کے ایک آدمی ابن اشعر، زبیر کے سواروں میں تھے وہ کداء کے راستہ سے چلے اور اس راستہ سے نہیں چلے جس کا زبیر کو حکم دیا گیا تھا، اور کداء کے ڈھلوان پر قریش کے ایک دستہ سے گذرے تو دونوں قتل کردیئے گئے، اور مکّہ کے علاقۂ معلاۃ میں زبیر کی طرف قتال نہیں ہوا، اسی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور لوگ آپ سے بیعت کرنے لگے اور اہل مکّہ اسلام لاتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف ماہ قیام فرمایا، اس سے زیادہ نہیں ٹھہرے، یہاں تک کہ ہوازن اور ثقیف نے حنین میں آکر آپ سے ملاقات کی،

[1] تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۱۷ و ص ۱۱۸،

اسی طرح غزوۂ بدر کبریٰ کے بارے میں عبدالملک بن مروان نے عروہ بن زبیرؓ سے تحریری سوال کیا اور انھوں نے نہایت تفصیل سے اس کا جواب لکھا، یہ طویل تحریر بھی تاریخ طبری میں منقول ہے، اس کی ابتدا ریوں ہے۔

۔۔۔۔حدثنا هشام بن عروة عن عروة انه كتب الى عبد الملك بن مروان، فانك كتبت الىّ فى ابى سفيان ومخرجه تسألنى كيف كان شانه؟ كان من شانه الخ	عروہ بن زبیر نے عبدالملک بن مروان کو لکھا کہ آپ نے میرے پاس ابوسفیان اور ان کے بدر کی طرف نکلنے کے بارے میں لکھ کر دریافت کیا ہے کہ ان کا کیا معاملہ تھا؛ ان کا معاملہ یہ تھا کہ الخ

نیز عبدالملک بن مروان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت خدیجہ کے نکاح کے متعلق عروہ بن زبیر سے سوال کیا تھا اور انھوں نے تحریری جواب دیا تھا، واضح ہو کہ عروہ بن زبیر کے بھائی عبداللہ بن زبیر نے مکہ مکرمہ میں اپنی خلافت قائم کر لی تھی اور ان سے عبدالملک بن مروان جنگ کر رہا تھا، اس کے باوجود علم و تحقیق میں جانبین سے استفادہ اور افادہ کا سلسلہ جاری تھا،

باب سوم

تدوین سیر و مغازی کی ابتداء

پہلی صدی کے نصف آخر میں

قدماء کے نزدیک مغازی کا مفہوم بہت وسیع، جامع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے جن میں غزوات بھی شامل ہیں بلکہ اس میں حضرت اسماعیلؑ اور بنائے کعبہ سے لے کر خلفائے راشدین کے دور کے بعض احوال تک شامل ہیں، جیسا کہ اس دور کی کتابوں میں ہے، اسی وسیع مفہوم کی وجہ سے قدماء کی کتابیں کتاب المغازی کے نام سے یاد کی گئیں، آئندہ جن کتابوں کا تذکرہ ہوگا انکا یہی حال ہے کہ انکا نام کتاب المغازی ہے حالانکہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا بیان ہے جس کا ایک حصہ غزوات پر مشتمل ہے، البتہ بعد کے مصنفین کی کتابیں عام طور سے سیرت کے نام سے مشہور ہوئیں ان کے نام کچھ اور ہوتے ہیں مگر اپنے مصنفین کی نسبت سے مشہور ہیں جیسے سیرت ابن ہشام، سیرت حلبیہ اور سیرت مغلطائی وغیرہ۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں تدوین سیر و مغازی کے سلسلہ میں مغازی کے وسیع مفہوم کے ایک پہلو یعنی غزوات کا تذکرہ مختلف انداز میں کیا ہے، جو موضوع کی تمہید ہے اصل موضوع و مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ میں تیسری صدی تک کی کتابوں اور ان کے مصنفوں کا ذکر ہے۔

تیسری صدی اسلامی علوم و فنون کے شباب کا دور ہے ، اور اس صدی کے خاتمہ تک علمائے اسلام نے جس موضوع پر جو کچھ لکھدیا وہی بعد کے علماء و مصنفین کا سرمایۂ علم و فن ٹھہرا یہ ضرور ہوا کہ بعد میں ان میں تہذیب و تنقیح اور تحقیق کے نئے نئے زاویے پیدا ہوئے ، اور اجمال کی تفصیل کی گئی ، مگر اس کا محور تیسری صدی تک کی تصانیف ہی تھیں ، یہی حال سیر و مغازی کا ہے کہ اس زمانہ تک یہ فن تصنیفی لحاظ سے مکمل ہو گیا تھا ، اس دور تک کتب سیر و مغازی کا ماخذ و منبع پہلی و دوسری صدی کی کتابیں تھیں ، اس کے بعد علماء نے اپنے اپنے ذوق و وجدان اور احوال و ظروف کے مطابق اس فن میں کتابیں لکھیں ، جن میں بہت سی روایات قابل نقد و نظر شامل ہو گئیں ۔

مدرسۃ المغازی مدینہ منورہ
من اراد المغازی فالمدینۃ

جن اسلامی علوم و فنون کی ابتدا مدینہ منورہ سے ہوئی ان میں حدیث اور فقہ و فتویٰ کی طرح علم سیر و مغازی بھی شامل ہے جس کا تعلق علم حدیث سے ہے ، یہیں جہاد فرض ہوا ، یہیں سے غزوات و سرایا کی مہمات روانہ ہوتی تھیں اور یہیں واپس آجاتی تھیں امام مالک کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں فلاں غزوات سے اتنے اتنے ہزار صحابہ کو لے کر واپس آتے تھے ، ان میں سے تقریباً دس ہزار مدینہ منورہ میں رہکر یہیں فوت ہوئے ، باقی حضرات دوسرے شہروں میں چلے گئے ، عبیداللہ بن عبدالکریم کا بیان ہے کہ وصال نبوی کے وقت بیس ہزار آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے والی موجود تھیں[1]

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں اتنے زیادہ صحابہ شریک تھے کہ ان کے نام دفتر میں نہیں سما سکتے تھے[2] ابن سعد نے لکھا ہے کہ غزوۂ تبوک آخری غزوہ ہے

---

[1] ترتیب المدارک قاضی عیاض ص۶۰ ج۱ ۔ [2] بخاری ۔

جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے والوں کی تعداد تیس ہزار تھی[1]

ابوزرعہ رازی کا قول ہے کہ صحابہ کا شمار کون کرسکتا ہے؟ وصال نبوی کے وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ موجود تھے، جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے ایک روایت میں ہے کہ وصال نبوی کے وقت مدینہ منورہ میں تیس ہزار صحابہ موجود تھے، اور تیس ہزار مختلف قبائل میں چلے گئے تھے[2]

ان ہی حضرات نے حدیث اور سیر ومغازی کی روایت کی اور غزوات وسرایا کی ایک ایک کیفیت بلاکم وکاست اپنے معاصر صحابہ وتابعین سے بیان کی، اسلامی علوم کے اِتنے معتبر ومستند حاملین کی وجہ سے مدرسہ مدینہ پورے عالم اسلام کا مرجع ومرکز بنا ہوا تھا، اور دور دراز مقامات سے اہل علم تصدیق وتوثیق اور تعلیم کے لئے علمائے مدینہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ابوالعالیہ ریاحی بصریؒ متوفی ۹۳ھ کہتے ہیں کہ ہم لوگ بصرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے حدیث کا سماع کرتے تھے، اس کے بعد مدینہ جاکر اور وہاں کے صحابہؓ کی زبانی سُنکر مطمئن اور خوش ہوتے تھے[3] امام شعبیؒ نے ایک مرتبہ کوفہ میں ایک حدیث بیان کی اور کہا کہ اس سے کم حدیث کے لئے عالم سواری کرکے مدینہ جاتا تھا[4] ابوقلابہؒ کہتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں کئی دن قیام کیا حالانکہ سوائے اس کے میری کوئی حاجت نہیں تھی کہ ایک شخص کے پاس ایک حدیث تھی اسکو سنوں[5] یحییٰ بن ابوکثیرؒ نے مدینہ کا سفر کیا تاکہ وہاں صحابہ کی اولاد سے ملاقات کرکے ان سے علم حاصل کریں[6]

ملک شام سے ایک شخص مدینہ آیا، حضرت عمرؓ نے وجہ معلوم کی تو بتایا کہ میں یہاں تشہد سیکھنے آیا ہوں، یہ سُنکر حضرت عمرؓ نے روتے ہوئے کہا واللہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] طبقات ابن سعد ص۲۳ ج ۲ ۔ [2] تدریب الراوی ص۲۰۶ ۔ [3] الکفایہ ص۴۰۳ ۔ [4] الکفایہ ص۴۰۲

[5] المحدث الفاصل ص۲۲۳ ۔ [6] ص۶۱

تم کو عذاب نہیں دے گا[1]

حضرت عبادہ بن صامت رضؓ کے پوتے عبادہ بن ولید اپنے والد کے ہمراہ مدینے گئے تاکہ قبیلۂ انصار سے علم حاصل کریں، انھوں نے صحابہ کی جماعت سے ملاقات کرکے تحصیل علم کی[2]

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کے مقابلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایات کی کمی کی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن عمر کا قیام زیادہ تر مصر اور طائف میں رہا (اور ابوہریرہ مدینہ میں رہتے تھے) اور طالبۂ علم کا سفر مصر و طائف کے مقابلہ میں مدینہ کی طرف زیادہ رہتا تھا[3]

مدینہ خاص طور سے علم مغازی کے لئے مشہور تھا اور اساتذہ شیوخ اس کیلئے طلبہ کو مدینہ جانے کا مشورہ دیا کرتے تھے، امام سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ:

من اراد المغازی فالمدینۃ ومن اراد المناسك فمكۃ ومن اراد الفقہ فالكوفۃ ویلزم اصحاب ابی حنیفۃ[4]	جو مغازی سیکھنے کا ارادہ کرے اسکے لئے مدینہ ہے اور جو مناسک حج سیکھنے کا ارادہ کرے اس کیلئے مکہ ہے اور جو فقہ سیکھنے کا ارادہ کرے اس کیلئے کوفہ ہے ابوحنیفہ کے تلامذہ کے

اس کا مطلب یہی ہے کہ مدینہ غزوات و سرایا کا مرکز ہے، یہاں سیر و مغازی کے اوّلین علماء و مصنفین ہیں اور یہیں سے فن مغازی کی تدوین و تالیف کی ابتدا ہوئی ہے دوسرے شہروں کے علماء مغازی اور مصنفین کا سلسلہ یہیں کے علماء و رواۃ سے ملتا ہے۔
چنانچہ سب سے پہلے یہیں مغازی کو مستقل فن کی حیثیت حاصل ہوئی اور یہیں کے

---

[1] مقدمہ بدائع الصنائع ص۲ ج ۱۔ [2] کتاب الثقات، ابن حبان ص۱۴۲ ج ۵۔
[3] فتح الباری ص۲۰۷ ج ۱۔ [4] اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ، صمیری ص۸۲۔

تین ہم عصر، ہم ذوق اور ہم وطن علماء نے ایک ہی زمانہ میں کتاب المغازی لکھی، عروہ بن زبیر متوفی ۹۴ھ، ابان بن عثمان متوفی ۱۰۵ھ اور محمد بن شہاب زھری متوفی ۱۲۴ھ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

سیر و مغازی میں تصنیف کی ابتدار

جس زمانہ میں اسلامی علوم و فنون کے بارے میں تحقیق و تلاش جاری تھی، احادیث و آثار کی تحدیث و روایت ہو رہی تھی اور سیر و مغازی کا عام چرچا تھا حضرت معاویہ رضؓ (۴۱ھ تا ۶۰ھ) نے عبید بن شریہ جرہمی کو یمن کے شہر صنعاء سے دمشق بلاکر کتاب الملوک و اخبار الماضیین لکھوائی، جسکا انداز افسانوی تھا اور اس میں سوال و جواب کی صورت میں ملوک حمیر اور گذشتہ قوموں کے واقعات تھے۔ نیز عبید بن شریہ نے ایک اور کتاب الامثال لکھی تھی انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر لقاء نہ ہو سکا، اس کتاب کے لکھنے کے بعد کم و بیش پچیس سال تک وہ بقید حیات رہ کر عبد الملک بن مروان کے دور خلافت میں فوت ہوئے[1]

اسی زمانہ میں زیاد ابن ابیہ نے مثالب و مطاعن میں ایک کتاب لکھ کر اپنے لڑکوں کو دی اور کہا کہ اگر عرب تمہارے حسب و نسب پر نکیر کریں تو تم لوگ اس کتاب سے کام لے کر انکو خاموش کر دینا، اور صحار بن عباس عبدی جو عہد معاویہ کے ماہر انساب اور مشہور خطیب تھے، انھوں نے بھی کتاب الامثال لکھی تھی[2]

ظاہر ہے کہ حضرت معاویہ رضؓ کی خصوصی توجہ سے لکھی جانے والی کتاب الملوک و اخبار الماضیین کو عوام و خواص میں مقبولیت حاصل ہوئی ہوگی خاص طور پر یمن کے قحطانی عربوں نے حجاز کے عدنانی عربوں کے سامنے اس کتاب کو آبائی مفاخر و محاسن کے طور پر پیش کیا ہوگا ہو سکتا ہے کہ سیر و مغازی کی تدوین کے دواعی و محرکات میں یہ صورت حال بھی شامل رہی ہو اور مدینہ

---

[1] الفہرست ابن ندیم ص۱۳۲۔ [2] ایضاً ص۱۳۱ و ص۱۳۲

میں عروہ بن زبیر اسدی، ابان بن عثمان اموی اور محمد بن شہاب زہری نے اور عبید بن شریہ کے وطن صنعاء میں وہب بن منبہ ابناوی نے ایک ہی زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور غزوات پر کتابیں تصنیف کی ہوں

ان مصنفین سیر و مغازی کے سامنے وہ احادیث اور واقعات بھی تھے جن میں یہود و نصاریٰ اور دوسرے اقوام و ملل کے قصوں کہانیوں سے شدت سے روکا گیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سخت نکیر فرما کر مسلمانوں کو ذہنی و فکری ابتلاء سے بچایا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو کوئی کتاب پڑھ رہا تھا، آپ نے تھوڑی دیر رک کر اس کو سنا اور اس قدر محظوظ ہوئے کہ اس کے لکھنے کی خواہش کی اور ایک چمڑا خرید کر لائے، اس شخص نے اس کے دونوں طرف لکھ دیا اس کے بعد حضرت عمر اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو پڑھ کر سنانے لگے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا، یہ دیکھ کر ایک انصاری صحابی نے کتاب پر ہاتھ مارا اور وہ گر گئی، صحابی نے کہا، ابن خطاب! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ نہیں دیکھ رہے ہو کہ یہ کتاب پڑھتے جاتے ہو، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما بعثت فاتحاً وخاتماً، واعطیت جوامع الکلم وفواتحه، اختصر لی الحدیث اختصاراً، فلا یهلکنکم المتهوکون۔	میں فاتح اور خاتم بنا کر بھیجا گیا ہوں مجھے جوامع الکلم اور فواتح الکلم دیئے گئے ہیں۔ میرے لئے بات مختصر اور جامع کر دی گئی ہے، تم لوگوں کو حیر استعجاب کرنے والے ہلاک نہ کر دیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کتاب لائیں جو اونٹ کی ہڈی پر لکھی تھی اور اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تھا، حضرت حفصہ اس کو پڑھتی جاتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک

متغیر ہوتا جاتا تھا، آخر آپ نے ان سے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لو اتاکم	اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے
یوسف وانا فیکم فاتبعتموہ	اگر تمھارے پاس یوسفؑ میری حیات میں آجائیں
وترکتمونی لضللتم	اور تم مجھ کو چھوڑ کر انکی پیروی کرنے لگو تو تم گمراہ ہوجاؤ گی

ابراہیم نخعیؒ بیان کرتے ہیں کہ کوفہ میں ایک شخص حضرت دانیال علیہ السلام کی کتابیں اور ان جیسی دوسری کتابیں جمع کرتا تھا اس کے بارے میں امیر کوفہ کے نام حضرت عمرؓ کا خط آیا کہ اس شخص کو میرے پاس بھیجا جائے، اس شخص نے کہا کہ کس جرم میں مجھے بھیجا جارہا ہے جب وہ دربار خلافت میں پہنچا تو حضرت عمرؓ نے درّہ اٹھایا اور سورۂ یوسف کی ابتدائی آیات الر تلک آیات الکتاب المبین الخ پڑھی، اس شخص کا بیان ہے کہ اس وقت معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے کیوں طلب کیا ہے، میں نے عرض کیا امیرالمومنین! آپ مجھے معاف کردیں میں ان تمام کتابوں کو جلا ڈالوں گا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس شخص کو چھوڑ دیا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص۱۱۳ وص۱۱۴)

جب ان ائمہ سیر ومغازی نے لوگوں کا رجحان غیروں کی طرف دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر ومغازی کو مدوّن کیا اور ان کی کتابیں عوام وخواص میں یوں مقبول اور متداول ہوئیں کہ ان کی توجہ لایعنی اور بے مقصد قصّے کہانی کی کتابوں سے ہٹ کر سیر ومغازی کی کتابوں کی طرف مبذول ہوگئی، چنانچہ محمد بن اسحاق کے متعلق محدث ابن عدی کا قول ہے کہ اگر ان کا صرف یہی کارنامہ ہوتا کہ انھوں نے امراء وسلاطین کی توجہ غیر مقصدی کتابوں سے ہٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی پر لگادی تو ان کی فضیلت کے لئے کافی تھا[1] ایک اور عالم علی بن محمد خراسانی کا قول ہے کہ خلیفہ ابوجعفر منصور نے نجومیوں کو دربار میں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص۴۲ وص۴۳

جگہ دی، سریانی اور عجمی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کرائے جن کو پڑھ کر لوگ ان پر فریفتہ ہوگئے، یہ دیکھ کر محمد بن اسحاق نے کتاب المغازی لکھی۔[1]

مغازی کی تصنیف کسی خلیفہ یا امیر کے حکم سے نہیں ہوئی۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ مدینہ منورہ میں عروہ بن زبیر، ابان بن عثمان اور محمد ابن شہاب زہری نے اپنی صوابدید اور احوال و ظروف کے پیش نظر اپنی اپنی کتاب المغازی لکھی، اس میں کسی خلیفہ یا امیر کے حکم یا خواہش کو دخل نہیں تھا، یہ ضرور ہے کہ خلیفہ عبد الملک بن مروان نے عروہ بن زبیر سے غزوۂ بدر اور فتح مکہ کے بارے میں تحریری تفصیل حاصل کی اور اس کے صاحبزادے سلیمان بن عبد الملک نے ۸۲ھ میں ابان بن عثمان سے مغازی پر کتاب لکھنے کی خواہش کی، مگر ان دونوں خلیفہ اور خلیفہ زادے سے پہلے ہی عروہ بن زبیر اور ابان بن عثمان اپنی اپنی کتاب المغازی مرتب کر چکے تھے، عروہ بن زبیر کی تمام کتابیں جن میں کتاب المغازی بھی تھی، ۶۳ھ میں واقعہ حرہ میں نذر آتش ہوگئی تھیں جس کا افسوس انھیں زندگی بھر رہا اور ابان بن عثمان نے سلیمان بن عبد الملک کی خواہش پر بتایا کہ انھوں نے پہلے ہی نہایت مستند طریقہ پر کتاب المغازی مرتب کرلی ہے، ان باتوں کی تفصیل آگے آئے گی، البتہ ابن شہاب زہری کے بارے میں ایسی کوئی تصریح نہیں ملتی ہے۔ غالب گمان ہے کہ انھوں نے بھی اپنے دونوں معاصر مصنفین مغازی کے دور میں کتاب المغازی لکھی ہوگی، ہوسکتا ہے کہ انھوں نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے دور خلافت (۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) میں لکھی ہو جبکہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کو اور دوسرے اہل علم کو احادیث جمع کرنے کا حکم دیا تھا۔

ابتدائی کتب مغازی کی روایات

یہ کتابیں ایسے دور میں لکھی گئیں جس میں

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۶۶۔

باقاعدہ تصنیف و تدوین کا رواج نہیں تھا صحابہ اور تابعین کے پاس احادیث کے صحیفے اور نسخے غیر مرتب شکل میں موجود تھے، پہلی صدی کی انتہاء اور دوسری صدی کی ابتداء میں عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے احادیث و آثار جمع کئے گئے اور دوسری صدی کے نصف میں فقہی ترتیب و تبویب پر عالم اسلام کے مرکزی شہروں میں کتابیں لکھی گئیں اور باقاعدہ تصنیف و تالیف کا دور شروع ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے مدینہ منورہ میں علم المغازی پر کتابیں لکھی گئیں، اور اس بارے میں انواع حدیث کی اس نوع کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

یہ کتابیں اپنی ابتدائی شکل میں باقی نہ رہ سکیں، البتہ انکی روایتیں حدیث اور سیر مغازی کی کتابوں میں آگئی ہیں، عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی ۶۳ھ میں واقعۂ حرہ میں نذر آتش ہوگئی، انکے تلامذہ میں ابوالاسود یتیم عروہ نے آخر عمر میں مصر جاکر اسکی روایت کی نیز دوسرے تلامذہ کے ذریعے اسکی بہت سی روایات محفوظ ہیں۔ ابوالاسود کی روایت کا ایک معتد بہ حصہ یکجا ہو کر چھپ گیا ہے۔

ابان بن عثمان کی کتاب المغازی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عتاب کی وجہ سے ضائع کر دی گئی، اور عام طور سے اس کی روایت بھی نہ ہو سکی، صرف مغیرہ بن عبدالرحمن مخزومی نے جرأت کرکے اس کی روایت کی اور اپنے شاگردوں کو اسکے پڑھنے کی تاکید کی، کتب مغازی میں ابان بن عثمان کی گنی چنی چند روایتیں ملتی ہیں اور تتبع و تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ انکی کئی روایتیں انکے نام لئے بغیر بیان کی گئی ہیں، اس اعتبار سے ابان بن عثمان بھی مظلوم ہیں۔

محمد بن شہاب زہری کی کتاب المغازی کا اکثر و بیشتر حصہ انکے تلامذہ نے اپنی کتابوں میں لے لیا ہے، خاص طور سے موسی بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور معمر بن راشد اپنے استاد کی روایات کے امین ہیں، نیز دوسرے علماء سیر و مغازی نے بھی اپنی کتابوں میں زہری کی روایات کثرت سے لی ہیں اور معمر بن راشد کی روایات مصنف عبدالرزاق کی کتاب المغازی میں اس کثرت سے ہیں کہ گویا وہ ابن شہاب کی کتاب المغازی ہے۔

٭ ٭ ٭

مدینہ میں تدوینِ مغازی کے دو دور

مدینہ منورہ میں مغازی کی تصنیف و مصنفین کے دو دور ہیں، پہلا دور پہلی صدی کے نصف ثانی سے اس کے خاتمہ تک ہے جو اسلام میں باقاعدہ تصنیف و تالیف سے قبل تھا، اس میں مغازی کے مصنف فقہائے مدینہ تھے جو خالص حدیث، فقہ و فتویٰ اور دینی علوم کے حامل تھے، جن میں علم مغازی بھی شامل ہے۔

دوسرا دور دوسری صدی سے شروع ہوتا ہے، اس میں تصنیف و تالیف کا باقاعدہ سلسلہ چلا، علٰحدہ علٰیحدہ موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں اور پہلے دور کے مقابلہ میں ان کتابوں میں تنقیح و تہذیب زیادہ تھی، اور مختلف علوم و فنون کے مصنفین مختلف القاب سے یاد کئے گئے، اسی دور میں محدث، فقیہ، مفسر، مورخ، اخباری، صاحب المغازی، نسّاب، عالم الاخبار والاحادیث وغیرہ کے امتیازی نام کا رواج ہوا۔

دورِ اوّل کے راویانِ سیر و مغازی اور مصنفین

پہلی صدی کا نصف ثانی مدینہ منورہ میں سیر و تاریخ پر تصنیف کا پہلا دور ہے جس میں بعض اکابر صحابہ اور بہت سے اصاغر صحابہ اور ان سے روایت کرنے والے اکابر تابعین کی بہت بڑی جماعت موجود تھی اور یہ سب کے سب ثقہ، عادل اور مامون راوی تھے۔ ان میں کسی قسم کا ضعف نہیں تھا۔

اکابر صحابہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہ کر غزوات و سرایا میں شریک رہے ہیں جن کے بارے میں تصریح ہے کہ وہ تمام غزوات و مشاہد میں آپ کے ہمرکاب رہے، ان میں سے اکثر وصال نبوی سے پہلے یا بعد میں دنیا سے گذر گئے، اس لئے ان سے احادیث اور سیر و مغازی کی روایت نہ کی جا سکی۔ اس وقت تک نہ اس کی ضرورت تھی اور نہ رواج تھا، ان میں سے جو حضرات زندہ رہے ان سے بہت کم احادیث اور واقعات مروی ہیں، نیز خلفائے راشدین خاص طور سے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ احادیث کی روایت میں شدت

اور احتیاط سے کام لیتے تھے اور بحق قرآن احادیث کی اشاعت سے روکتے تھے اسی لئے اکابر صحابہؓ سے بہت کم روایت کی جا سکی۔ چنانچہ خلفاء اربعہ، طلحہ، زبیر بن عوام، سعد بن ابی وقاص عبادہ بن صامت، اسید بن حضیر، معاذ بن جبل اور دیگر اکابر صحابہ کی روایات کے مقابلہ میں صاغر صحابہ کی روایات زیادہ ہیں، جیسے جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، ابوہریرہ، عبداللہ بن عمر بن خطاب، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن عباس، رافع بن خدیج، انس بن مالک، براء بن عازب اور دوسرے متاخر الوفاۃ اصاغر صحابہ، یہ حضرات طبقہ صحابہ کے علماء اور فقہاء، اور اہل فتویٰ میں شمار ہوتے ہیں۔

ان کے بعد اصاغر صحابہ میں عقبہ بن عامر جہنی، زید بن خالد جہنی، عمران ابن حصین، نعمان بن بشیر، معاویہ بن ابوسفیان، سہل بن سعد ساعدی، عبداللہ بن یزید خطمی، مسلمہ بن مخلد زرقی ربیعہ بن کعب اسلمی، ہند بن حارثہ اسلمی، اسماء بن حارثہ اسلمی وغیرہ احادیث و آثار اور سیر و مغازی کی تدوین کے ابتدائی زمانہ تک زندہ رہے، اور ان سے روایات منقول ہیں ان ہی متقدم الوفاۃ اور متاخر الوفاۃ صحابہ کی روایتوں کو مدوّن و مرتب کیا گیا، ان میں سے بعض صحابہ نے شدتِ احتیاط عبادت و ریاضت اور جہاد و اسفار کی وجہ سے بہت کم روایت کی اور بہت سے صحابہ اپنے قبیلہ اور بستی سے آکر جہاد میں شریک ہوئے اور ادھر ہی سے واپس چلے گئے اور کچھ صحابہ خدمتِ نبوی میں حاضری کے بعد اپنے قبیلہ میں چلے گئے، ان سب حضرات سے روایت نہیں ہو سکی یا ہوئی تو بہت کم ہوئی۔

صحابہ کے بعد ان کے تلامذہ یعنی تابعین کا دور ہے، انھوں نے احادیث و آثار اور سیر و مغازی کے واقعات اپنے شیوخ و اساتذہ اور خاندانی بزرگوں سے سنکر بیان کئے، اس طبقہ میں انصار و مہاجرین اور دوسرے صحابہ کی اولاد میں علم زیادہ رہا، ان کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا جنھوں نے صحابہ اور تابعین کے علم کو آگے بڑھایا، سیر اور سیر و مغازی کا تمام تر سرمایہ ان ہی صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی روایتوں سے جمع کیا گیا ہے[1]

[1] تفصیل کیلئے طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۸۰، ۳۸۳ ملاحظہ ہو۔

کتاب المغازی، عروہ بن زبیر اسدی مدنی رح

مدینہ منورہ کے تین ہمعصر سابقون اولون مصنفین مغازی کے بارے میں یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کس نے پہلے کتاب لکھی، اتنا معلوم ہے کہ عروہ بن زبیر متوفی ۹۴ھ اور ابان بن عثمان متوفی ۱۰۵ھ نے سب سے پہلے مغازی پر کتابیں لکھی ہیں اور محمد بن شہاب زہری متوفی ۱۲۴ھ نے انکے بعد کتاب لکھی، البتہ بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ عروہ بن زبیر کو اس بارے میں اولیت حاصل ہے، ابن کثیر نے واقدی کا قول نقل کیا ہے:

کان عالماً، ماموناً، ثبتاً، حجۃً، عالماً بالسیر، واول من صنف المغازی[1]	وہ عالم، مامون، ثبت، حجت اور سیر کے عالم تھے اور مغازی تصنیف کرنے والوں میں پہلے مصنف ہیں۔

اور چلپی نے لکھا ہے:

ویقال اول من صنف فیھا عروۃ بن الزبیر[2]	کہا جاتا ہے کہ مغازی میں سب سے پہلے عروہ بن زبیر نے کتاب لکھی۔

ابو عبداللہ عروہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد قرشی اسدی مدنی متوفی ۹۴ھ رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت زبیر بن عوام حواری رسول، عشرہ مبشرہ اور اصحاب شوریٰ میں سے ہیں ان کی والدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق ہیں، حضرت عمرؓ کے آخری دور خلافت میں پیدا ہوئے ان کا گھرانا ابتدائے اسلام سے مجد و شرف علم و فضل، دین و دیانت اور ریاست و سیادت میں مشہور و ممتاز تھا اور آگے چل کر آل زبیر میں نامی گرامی امراء، حکام، محدثین و فقہاء، مورخین و نسابین، اعیان و اشراف، اجواد و اسخیاء اور اہل فضل و کمال پیدا ہوئے عروہ بن زبیر نے بہت سے صحابہ اور صحابیات سے حدیث کی روایت کی اور تفقہ کی تعلیم اپنی خالہ

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۰۱ ۔ [2] کشف الظنون ج ۲ ص ۲۷۴

حضرت عائشہؓ سے حاصل کی، اور فقہ و فتویٰ میں حضرت زید بن ثابتؓ کے بارہ مخصوص تلامذہ میں سے تھے۔[1] انھوں نے ان سے براہِ راست تفقہ و اجتہاد میں اکتسابِ فیض کرکے اسکی تعلیم دی۔ ان کا ایک مدرسہ کتاب عروہ کے نام سے مصلی (مسجد غمامہ) کے قریب حضرت ابوہریرہ اور حضرت عمار بن یاسر کے مکان کے قریب تھا، اسی کے پاس مسجد بنی زریق بھی تھی[2]۔ اسی مدرسہ میں تعلیم دیتے تھے، صاحبزادے ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ والد مجھے عبداللہ بن عروہ، عثمان، اسماعیل اور میرے دوسرے بھائیوں کو بلاکر کہا کرتے تھے کہ تم لوگ طالب علموں کے ساتھ میرے سامنے بھیڑ نہ لگاؤ۔ جب میں تنہا رہوں تو آکر مجھ سے سوالات کرو اور ہم لوگ جاتے تو حدیث بیان کرتے اور علیحدہ علیحدہ باب اور عنوان سے طلاق پھر خلع، پھر حج، پھر ہدی اور اسی طرح دوسرے امور کی تعلیم دیتے تھے، آخر میں ہم سب سبق سنتے تھے، اور میرے یاد کرنے پر خوش ہوتے تھے، واللہ ہم نے ان سے ان کی احادیث کا ایک حصہ بھی نہیں سنا[3]۔

عروہ بن زبیر کی ملکیت میں وادی عقیق میں قصر عروہ اور بیر عروہ کے علاوہ شاندار نخلستان اور باغات تھے، اپنے دور کے فتنوں سے دور رہ کر زہد و تقویٰ کی زندگی بسر کی، یزید بن معاویہ کے دور میں ان کے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ مکرمہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا اور ۷۳ھ میں عبدالملک بن مروان کے دور میں ان کی شہادت ہوئی، ۶۳ھ میں مدینہ منورہ میں واقعہ حرہ پیش آیا جس میں شامی فوجوں نے بے دریغ کشت و خون اور لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ اس سے پہلے ۶۱ھ میں حادثہ کربلا پیش آیا، مگر ان حوادث و فتن میں ان کا نام تک نظر نہیں آتا ہے۔ عروہ بن زبیر فقہ و فتویٰ کے امام تھے، اسی کے ساتھ مغازی کے مشہور عالم و مصنف تھے، غزوات و سرایا کے واقعات اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور والد حضرت زبیر بن عوامؓ سے سنتے تھے، جہاد میں انکو جو زخم آئے تھے ان کے

---

[1] کتاب العلل و معرفۃ الرجال: ابن مدینی ص۴۹ و ص۵۱۔ [2] وفاء الوفاء ج۲ ص۹۳۔
[3] تاریخ کبیر ج۴ قسم ۱ ص۳۲ و جامع بیان العلم ج۱ ص۱۱۱۔

گھرے نشان سے بچپن میں کھیلا کرتے تھے، ان کے اساتذہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ مغازی کے عالم و معلم تھے اور اس کی تعلیم کے لئے باقاعدہ مجلس درس منعقد کرتے تھے۔

انھوں نے فقہ و فتویٰ اور حدیث کی تعلیم و روایت کے ساتھ بہت سی کتابیں بھی تصنیف کیں جن کو ۶۳ھ میں حادثۂ حرّہ میں خود جلا دیا یا جلا دیا گیا، صاحبزادے ہشام بن عروہ کا بیان ہے:

احرق ابی یوم الحرہ کتب فقہ کانت لہ قال: فکان یقول بعد ذالک: لأن تکون عندی احب الیّ من ان یکون لی مثل اھلی و مالی لہ	میرے والد نے واقعہ حرّہ میں اپنی فقہ کی کتابیں جلادیں، اس کے بعد کہا کرتے تھے کہ ان کتابوں کا میرے پاس ہونا مجھے اپنے اہل و عیال اور مال سے زیادہ محبوب ہے۔

اور ان ہی سے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

انہ احترقت کتبہ یوم الحرۃ، و کان یقول: وددتُ لو ان عندی کتبی باھلی و مالی لہ	ان کی کتابیں واقعہ حرہ میں جل گئی تھیں اور کہا کرتے تھے کہ اے کاش! میرے اہل و مال کے بدلے وہ کتابیں میرے پاس ہوتیں۔

واقعہ حرّہ کے وقت عروہ بن زبیر کی عمر تقریباً چالیس سال کی تھی، اس مدت میں انھوں نے جو کتابیں لکھیں یا جمع کیں ان میں کتاب المغازی بھی رہی ہوگی جس کی تدوین ۶۳ھ سے پہلے ہو چکی تھی جس کی خبر عبدالملک بن مروان کو تھی اور ۶۵ھ کے بعد اس نے عروہ بن زبیر سے غزوہ بدر اور فتح مکہ کے بارے میں تفصیل معلوم کی۔

ان کی کتاب المغازی کی ترویج و اشاعت اس زمانہ کے مطابق روایت کے ذریعہ ہوگئی تھی اور ان کے کئی تلامذہ نے ان سے اس کی روایت کی، اور ان کے خویش اور پروردہ، ابوالاسود محمد بن عبدالرحمن جو یتیم عروہ کی نسبت سے مشہور ہیں، اس کے خاص راوی و معلم ہیں

لہ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۲۹۔ لہ جامع بیان العلم ج ۱ ص ۴۵۔

ان کے علاوہ محمد بن شہاب زہری اور سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف نے عروہ بن زبیر سے مغازی کی روایت کی ہے ابوالاسود یتیم عروہ کے بارے میں ذہبی نے تصریح کی ہے ۔

نزل ابوالاسود مصر وحدث بها كتاب المغازي لعروة بن الزبير عنه [1]	ابوالاسود نے مصر جاکر عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کی تعلیم ان ہی کی روایت سے دی ۔

اور ضائع ہونے کے باوجود کتاب المغازی ابوالاسود وغیرہ کی روایت سے عام ہوئی ۔ اور علماء و محدثین نے اس کو مستند قرار دیا چنانچہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب المغازی میں اسکی روایات بیان کیں، مثلاً وكذلك اخرجه ابو الاسود فى المغازي عن عروة (ج، ص۲۶۲) و كذلك ذكره موسى بن عقبة عن ابن شهاب ، وابوالاسود عن عروة وسليمان التيمي جميعًا في مغازيهم (ج، ص۵۰۰)، وفي رواية ابى الاسود فى المغازي (ج، ص۵۵۳) وفي المغازي لابى الاسود عن عروة (ج ، ص۵۰۹) وفي مغازي ابى الاسود عن عروة (ج ، ص۵۱۰ ، ص۵۱۳) وعند ابى الاسود عن عروة (ج ، ص۲۶۶) وذكر ابو الاسود فى مغازيه عن عروة (ج ، ص۲۸۰) وعند ابى الاسود فى المغازي عن عروة (ج ۸ ص۲۰۶)

ان اقتباسات وحوالہ جات میں کتاب المغازی کی نسبت ابوالاسود یتیم عروہ کی طرف سے یہ درحقیقت عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی ہے قدماء کے طریقہ پر ابوالاسود نے ان سے روایت کر کے اس میں اپنے دیگر طرق و اسناد سے روایتیں بیان کیں اور اس کی حیثیت مستقل کتاب کی ہو گئی جیسے امام مالک کی کتاب المؤطا کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں اور اپنے اپنے مرتبین کے نام سے مشہور ہیں، کیونکہ ان کے تلامذہ نے ان کی کتاب المؤطا میں دوسرے طرق سے بھی حدیثیں جمع کیں، ابن ندیم نے ابوحسان حسن بن عثمان زیادی متوفی ۲۴۳ھ کی تصانیف میں عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کا نام لیا ہے ۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء

ولہ من الکتب کتاب مغازی عروۃ بن الزبیر[1] ان کی کتابوں میں عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی ہے۔

ابو حسان زیادی بغداد کے قاضی اور واقدی کے تلامذہ کبار میں سے ہیں، انکی تصنیفات میں مغازی عروہ بن زبیر کا شمار اسی اعتبار سے ہے کہ انھوں نے عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی میں اضافہ کرکے مستقل کتاب مدوّن کر لی تھی۔

حال میں ہمارے ضلع کے ایک عالم نے "مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعروۃ الزبیر، بروایۃ ابی الاسود یتیم عروہ عنہ" کے نام سے ایک کتاب احادیث و تواریخ اور سیر و مغازی کی کتابوں سے مرتب کرکے شائع کی ہے جس میں عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کا معتد بہ حصہ آگیا ہے۔

کتاب المغازی ابان بن عثمان اموی مدنی رح

مدینہ منورہ کے علمائے سیر و مغازی میں ابو سعید ابان بن عثمان بن عفان اموی قرشی مدنی متوفی ۱۰۵ھ رحمۃ اللہ علیہ ابتدائی مصنف ہیں اور یہ معلوم نہیں کہ عروہ بن زبیر اور ابان بن عثمان میں کس نے پہلے کتاب المغازی لکھی، ایک اندازہ کے مطابق ان کی پیدائش ۲۰ھ کے حدود میں ہوئی، مدینہ کے اہل فقہ و فتویٰ میں ان کا شمار تھا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان کے شیخ الکل فی الکل تھے اور ان ہی کے فقہی و اجتہادی مسلک کے ترجمان تھے۔ حضرت زید بن ثابت کے بارہ مخصوص تلامذہ جو ان کے فقہ کے ترجمان و ناشر رہے ان میں ابان بن عثمان بھی ہیں[2]۔ نیز انھوں نے اپنے والد عثمان بن عفان، اسامہ بن زید بن حارثہ وغیرہ سے روایت کی ہے، ان کے تلامذہ کی تعداد زیادہ ہے۔

---

[1] الفہرست ص۱۴۰، مصری نسخہ میں کتابت یا طباعت کی غلطی سے معانی عروہ بن الزبیر ہے مطبوعہ یورپ میں مغازی عروہ بن زبیر ہے۔ [2] کتاب العلل و معرفۃ الرجال، ابن مدینی ص۴۹ تا ص۵۱

ان میں محمد بن شہاب زہری اور مغیرہ بن عبدالرحمن زیادہ مشہور ہیں، مؤخر الذکر ان کی کتاب المغازی کے راوی ہیں:

ابان بن عثمان نے ۸۳ھ سے پہلے کتاب المغازی لکھی، مگر ایک خاص واقعہ کی وجہ سے اسکی روایت واشاعت بہت محدود طریقہ پر ہوئی زبیر بن بکار متوفی ۲۵۶ھ نے کتاب الموفقیات فی الاخبار میں لکھا ہے کہ ۸۲ھ میں سلیمان بن عبدالملک ابن مروان حج وزیارت کے سلسلہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا، یہ اس کی ولی عہدی کا زمانہ تھا، مدینہ کے اعیان واشراف سلام واستقبال کیلئے نکلے، اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے ابان بن عثمان، ان کے بھائی عمرو بن عثمان اور ابوبکر بن عبداللہ بن ابو احمد کے ساتھ مدینہ منورہ کے متبرک مشاہد ومقامات کی زیارت کی جن جگہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، یا صحابہ شہید ہوئے سب کو دیکھا، اسی سلسلہ میں جبل احد، مسجد فضیخ، مشربہ ام ابراہیم کی زیارت کرتا ہوا قبا تک گیا اور ہر مقام ومشہد کے بارے میں مذکورہ بالا اہل علم سے معلومات حاصل کرتا رہا، اور یہ حضرات اس کو تفصیلات بتاتے رہے۔

قبا پہنچ کر اس نے ابان بن عثمان سے کہا کہ آپ میرے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور مغازی کتابی شکل میں مرتب کر دیں، ابان نے کہا کہ میں پہلے ہی ان کو اپنے موثق ومعتبر راویوں کے ذریعہ صحیح طور سے جمع کر چکا ہوں، سلیمان بن عبدالملک نے اس کتاب کو نقل کرنے کا حکم دیا، بلکہ دس کاتبوں کو مقرر کر کے کتاب ان کے حوالہ کر دی اور انھوں نے کھال میں نقل کیا، زبیر بن بکار کی عبارت یہ ہے:

ثم امر ابان بن عثمان ان یکتب لہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومغازیہ، فقال ابان: قد اخذتہا مصححۃ ممن اثق بہ، فامر بنسخہا والقی فیہا (الی) عشرۃ من الکتاب فکتبوھا فی رق۔

جب کتاب نقل ہو کر سلیمان بن عبدالملک کے ہاتھ میں پہنچی اور اس نے کتاب میں عقبۂ اولی، اور عقبۂ ثانیہ اور غزوۂ بدر میں انصار کا تذکرہ دیکھا تو کہنے لگا کہ میں ان لوگوں کو

ان فضائل کا مستحق نہیں سمجھتا ، ان کے بارے میں میرے خاندان نے چشم پوشی اور بے اعتنائی سے کام لیا ہے ، یا یہ لوگ ایسے نہیں تھے اور ان کے بارے میں غلط فہمی ہے ۔

یہ سن کر ابان بن عثمان نے کہا : امیر ! انصار نے شہید مظلوم (حضرت عثمان رض) کے ساتھ جو کچھ کیا اور ان کی مدد نہیں کی ، اس کی وجہ سے ہم حق بات کہنے سے باز نہیں رہ سکتے ، وہ لوگ ان ہی اوصاف کے مستحق ہیں جن کا ذکر ہم نے کتاب میں آپ کے لئے کیا ہے :

فقال ابان بن عثمان : ایہا الامیر ! لا یمنعنا ما صنعوا بالشہید المظلوم من خذلانہ ، ان نقول بالحق ، ھم علی ما وصفنا لک فی کتابنا ھذا ۔

یہ جواب سن کر سلیمان بن عبدالملک نے کہا کہ " مجھے اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے میں پہلے اس کے بارے میں امیرالمومنین سے بات کرلوں ، شاید وہ اس کی مخالفت کریں " ۔ یہ کہہ کر کتاب کو پھاڑ دینے کا حکم دیا اور کہا کہ یہاں سے واپس جاکر امیرالمومنین سے بات کرونگا اگر انھوں نے رضامندی ظاہر کی تو اس کا لکھنا آسان ہے ۔

اس کے بعد سلیمان نے دمشق پہنچکر اپنے والد عبدالملک بن مروان سے کتاب کے بارے میں ابان بن عثمان کی گفتگو نقل کی ، عبدالملک نے کہا کہ ہم ایسی کتاب یہاں کیوں لائیں جس میں ہمارے لئے کوئی منقبت و فضیلت نہیں ہے ، ہم اہل شام کو ایسی باتیں بتانا نہیں چاہتے ہیں ۔ سلیمان نے باپ کی یہ باتیں سنکر کہا کہ اسی لئے جو نسخہ میں نے نقل کرایا تھا اس کو پھاڑ دینے کا حکم دیدیا تھا ۔ آپ کی رائے مقدم ہے[1]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابان بن عثمان اموی خلفاء و امراء سے خوش نہیں تھے اور ان پر سخت تنقید کرتے تھے ، عبدالملک بن مروان کے والی مکہ علقمہ بن صفوان بن محمد نے ایک مرتبہ منبر پر حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما پر سب و شتم کیا اور منبر پر سے اتر کر

---

[1] الموفقیات فی الاخبار ، زبیر بن بکار صـ۲۲۲ و صـ۲۲۳ ۔ بحوالہ مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعروہ بن زبیر بروایۃ ابی الاسود صـ۲۴ ۔ الموفقیات کا ایک مختصر حصہ شائع ہوسکا ہے ۔

ابان بن عثمان سے کہا کہ "امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بارے میں مداہنت کرنیوالوں کو میں نے برابھلا کہکر آپ کو خوش کر دیا"۔ یہ سنکر ابان بن عثمان نے کہا کہ "واللہ یہ بات نہیں ہے بلکہ تم نے مجھے تکلیف دی، میری مصیبت کے لئے یہی کافی ہے کہ تم بھی ان کے خون میں شریک ہوئے[1]

سنہ ۹۱ھ میں ولید بن عبدالملک نے والی مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ مسجد نبوی کی دوبارہ تعمیر کر کے اس میں اضافہ کریں اور انھوں نے حضرت عثمان بن عفان کی تعمیر ختم کر کے مسجد نبوی کی نہایت خوبصورت عمارت بنوائی، تین سال میں تعمیر مکمل ہوئی تو ولید بن عبدالملک مدینہ آیا، مسجد نبوی سجائی گئی، لوگ تہنیت کے لئے آئے، ابان بن عثمان بھی پالکی پر آئے اور ولید کے سامنے اترے، ولید نے خوش آمدید کہتے ہوئے کہا کہ آپ کی تعمیر کو ہماری تعمیر سے کیا نسبت ہے؟ ابان بن عثمان نے جواب دیا کہ امیرالمومنین! ہماری تعمیر اس سے بہتر تھی، ولید نے وجہ دریافت کی، تو بتایا کہ ہماری تعمیر مسجد کی تعمیر تھی اور آپ لوگوں کی تعمیر کلیسا کی تعمیر ہے، یہ کہکر خدام سے کہا کہ پالکی اٹھاؤ اور چلتے بنے، ولید دور تک ان کو دیکھتا رہا اور کہتا رہا کہ یہ ابان بن عثمان بن عفان ہیں[2]

ابان بن عثمان ۷۶ھ سے ۸۳ھ تک مدینہ کے امیر رہے، اور اس زمانہ میں حج کی امارت بھی ان کے ذمہ رہی انھوں نے اپنی کتاب المغازی میں مصلحت وسیاست سے بالاتر ہوکر واقعات وحقائق بیان کئے جس کی وجہ سے اس کی روایت عام طور سے نہیں ہو سکی۔

ان کے تلامذہ میں صرف مغیرہ بن عبدالرحمٰن مخزومی نے ان کے نام سے اس کی روایت کی اور اپنی اولاد اور تلامذہ کو اس کی تعلیم اور ترغیب دی۔

ان کے پاس ابان بن عثمان کی کتاب المغازی موجود تھی، ابن سعد نے ان کے صاحبزادے کا یہ بیان نقل کیا ہے:-

قال یحیٰی بن المغیرة بن عبد الرحمٰن　　یحیٰی بن مغیرہ بن عبدالرحمٰن اپنے والد سے روایت

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ج ۵ ص ۱۳۰ ۔ [2] کتاب المناسک حربی ص ۳۰۴

عن ابیہ انہ لم یکن عندہٗ خط مکتوب من الحدیث الا مغازی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذھا من ابان بن عثمان، فکان کثیرًا ما تقرأ علیہ وامرنا بتعلیمہا۔[1]

کرتے ہیں کہ ان کے پاس حدیث کا کوئی لکھا ہوا صحیفہ نہیں تھا۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی مکتوب تھے جن کو انھوں نے ابان بن عثمان سے حاصل کیا تھا اور یہ مغازی بسا اوقات ان کے سامنے پڑھے جاتے تھے اور انھوں نے ہم کو ان کے حاصل کرنے کا حکم دیا تھا۔

نیز ابن سعد نے تقریبًا ان ہی الفاظ میں واقدی کا بیان یوں نقل کیا ہے۔

وروی عنہ، وکان قلیل الحدیث الا مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذھا من ابان بن عثمان، وکان کثیراً ما تقرء علیہ، ویامرنا بتعلیمہا۔[2]

ان سے حدیث کی روایت کی گئی ہے، وہ قلیل الحدیث تھے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کی تعلیم ابان بن عثمان سے حاصل کی تھی، اور بسا اوقات اس کی تعلیم ان سے حاصل کی جاتی تھی اور وہ ہم کو اس کی تعلیم کا حکم دیتے تھے۔

ان کے شاگردوں میں محمد بن اسحاق بھی ہیں انھوں نے صرف بیر معونہ کے ذکر میں ابان بن عثمان سے ایک طویل روایت بیان کی ہے[3]

ابان بن عثمان کے شاگردوں میں یعقوب بن عتبہ ثقفی مدنی کثیر الحدیث اور ثقہ محدث ہیں سیر و مغازی کے عالم تھے، اموی امرا، وحکام ان سے مدد لیتے تھے، صدقات وزکوٰۃ کی وصولی پر ان کو مقرر کرتے تھے۔ ابن اسحاق نے یعقوب بن عتبہ سے دس گیارہ روایات بیان کی ہیں، ان میں سے تین روایات میں ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۱ یہ عبارت اس حوالہ کے ساتھ میں نے سیرۃ ابن اسحاق اور مغازی الرسول لعروۃ بن زبیر کے مقدمہ سے لی ہے طبقات ابن سعد مطبوعہ بیروت میں مذکورہ حوالہ میں یہ عبارت مجھے نہیں ملی، غالباً مطبوعہ یورپ کا حوالہ ہے۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۰۔ [3] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۸۳۔

قال ابن اسحاق : وحدثنی یعقوب بن عتبۃ بن الاخنس انہ حُدِّث الخ [1]

مجھ سے یعقوب بن عتبہ بن اخنس نے بیان کیا کہ ان سے یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

شاید حُدِّث (یعنی ان سے بیان کیا گیا) والی روایات ابان بن عثمان کی ہوں، تاریخ طبری اور دوسری کتابوں میں یعقوب بن عتبہ کی بہت سی روایتیں ہیں مگر ان میں ابان بن عثمان کا نام نہیں ہے، اس کے باوجود ابان بن عثمان صاحب المغازی کی حیثیت سے مشہور رہیں۔

نویں صدی کے مشہور عالم صاحب قاموس مجدالدین فیروزآبادی متوفی ۸۲۳ھ نے "المغانم المطابہ فی معالم طابہ" میں ان کا ایک بیان اسی نسبت کے ساتھ نقل کیا ہے:

وقال ابان بن عثمان صاحب المغازی ذوقرد ماءٌ لطلحۃ بن عبید اللہ، اشتراہ فتصدق بہ علی مارۃ الطریق [2]

ابان بن عثمان صاحب المغازی نے کہا ہے کہ ذوقرد طلحہ ابن عبیداللہ کا چشمہ تھا، انھوں نے اس کو خرید کر راہ گیروں پر وقف کر دیا تھا۔

ابان بن عثمان بجلی ایک شیعی مصنف ہے اس نے ایک کتاب المبدأ والمبعث والمغازی لکھی ہے ابان بن عثمان کی کتاب المغازی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

کتاب المغازی
محمد بن شہاب زہری مدنی رح

دور اول کے تیسرے مصنف مغازی ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری مدنی رح متوفی ۱۲۴ھ ہیں علمائے تابعین میں دینی و علمی جامعیت میں بے مثال اور سیر و مغازی کے مصنف و امام تھے اور اس فن کو دنیا اور آخرت کا علم قرار دیتے تھے ان کے بھتیجے محمد بن عبداللہ بن مسلم کا بیان ہے:

سمعت عمی الزہری یقول: علم المغازی علم الآخرۃ والدنیا [3]

میں نے اپنے چچا زہری کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ علم المغازی آخرت اور دنیا ہر کام آنے والا علم ہے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۵۳، ص ۲۰۶، ص ۲۶۶۔ [2] المغانم المطابہ فی معالم طابہ، قسم المواضع ص ۳۴۳ دار الیمامہ ریاض
[3] البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۴۱

امام زہری مغازی کا درس دیتے وقت اپنے تلمیذ محمد بن اسحاق کی روایتوں کو بڑی اہمیت سے بیان کرتے تھے، عمر بن عثمان کا بیان ہے کہ زہری ابن اسحاق کی ان روایتوں کو فوراً قبول کر لیتے تھے جن کو انھوں نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے۔ ایک مرتبہ ابن شہاب سے ابن اسحاق کی کتاب المغازی کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے کہا:

هذا اعلم الناس بها۔ [۱]	یہ مغازی کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

صحیح بخاری کتاب المغازی کی ایک روایت میں انھوں نے اپنی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے غزوۂ بدر کے سلسلہ میں امام بخاری نے روایت کی ہے:

عن موسى ابن عقبة، عن ابن شهاب قال: هذه مغازي رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكر الحديث۔ [۲]	موسیٰ بن عقبہ سے مروی ہے کہ ابن شہاب نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی ہیں، اس کے بعد واقعہ بیان کیا۔

ابن حجر نے ہذہ کا مشارالیہ زہری کی کتاب المغازی کو بتایا ہے جس کی روایت موسیٰ بن عقبہ نے ان سے کی ہے [۳] غالباً زہری نے یہ کتاب پہلی صدی کے خاتمہ پر لکھی جب کہ انھوں نے عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے احادیث کو مدوّن کیا، امام مالک کا قول ہے کہ: سب سے پہلے زہری نے علم حدیث کو مدوّن کیا ہے [۴] ابن حجر نے لکھا ہے کہ زہری نے پہلی صدی کے خاتمہ پر عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث مدوّن کی، اس کے بعد تدوین و تصنیف کی کثرت ہوئی [۵] خود زہری بیان کرتے ہیں کہ:

كنا نكره كتاب العلم حتى اكرهنا عليه هؤلاء الامراء فرأينا الا نمنعه احداً من المسلمين [۶]	ہم حدیث کی کتابت ناپسند کرتے تھے یہانتک کہ اس کے لکھنے پر ان امراء نے ہم پر زور ڈالا، اسکے بعد ہمنے بہتر سمجھا کہ کسی مسلمان کو اس سے نہ روکیں

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲ ص ۴۱، [۲] بخاری ج ۳ ص ۱ بحاشیہ سندی۔ [۳] فتح الباری ج ۷ ص ۳۲۶۔
[۴] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۶۔ [۵] فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۸۔ [۶] مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۲۵۹۔ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۸۹ جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۷۔

دوسری روایت میں ہے کہ مجھ سے سلاطین نے حدیث لکھنے کو کہا اور میں نے لکھا، اب مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ دوسروں کے لئے نہ لکھوں۔

زہری مدینہ منورہ سے شام چلے گئے جہاں اموی خلفاء اور امراء نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور ان کے علوم وفنون کو مدوّن کرایا۔ عبدالملک بن مروان نے ان کو اپنا ندیم اور مقرب بنایا ان کا قرضہ ادا کر کے انعام واکرام سے نوازا، ہشام بن عبدالملک نے انکو اپنی اولاد کا مربی ومعلم بنا کر سات ہزار دینار قرضہ ادا کیا، یزید بن عبدالملک نے ان کو عہدۂ قضاء پر فائز کیا۔

عمر بن عبدالعزیز نے اپنے دور خلافت (صفر ۹۹ھ تا ۱۰۱ھ) زہری کو عالم اسلام کا سب سے بڑا عالم قرار دیا اور ان سے کتابیں لکھوائیں، دو کاتب مقرر کئے گئے جنھوں نے دو سال تک ان کے علوم کو کتابی شکل میں جمع کیا[1] زہری کے شاگرد معمر بن راشد کہتے ہیں کہ ہم سمجھتے تھے کہ ہم نے زہری سے بہت زیادہ علم حاصل کیا ہے مگر جب ولید بن یزید قتل ہوا تو اس کے خزانہ سے زہری کا علم یعنی انکی کتابیں چوپایوں پر لاد کر لائی گئیں[2]

ابوالفرج اصفہانی کی کتاب الاغانی میں ہے کہ امیر خالد بن عبداللہ قسری نے ابن شہاب زہری سے نسب اور سیرت پر کتاب لکھنے کی فرمائش کی (اکتب لی النسب، اکتب لی السیرۃ) اور انھوں نے کتاب النسب لکھی مگر اس کو مکمل نہیں کیا اور کتاب السیرۃ لکھنے کی فرمائش پر زہری کا جواب یہ تھا:

فقلت له فانه یمرّ بی الشئ من سیرۃ علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہ فاذکرہ، فقال: لا الّا ان تراہ فی قعر الجحیم۔	میں نے خالد قسری سے کہا کہ سیر لکھتے وقت میرے سامنے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیر بھی آئے گی اور میں ان کا تذکرہ کروں گا۔ اس پر اس نے کہا کہ نہیں الّا یہ کہ تم ان کو.....

---

[1] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۷۶ [2] طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۸۹، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۸۔

خالد بن عبداللہ قسری حضرت علیؓ کے شدید مخالفوں میں تھا، ۸۹ھ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مکہ کا امیر ہوا، اور ہشام بن عبدالملک نے ۱۰۵ھ میں عراق کا امیر مقرر کیا ۱۲۵ھ اور ۱۲۶ھ میں قتل کر دیا گیا، ہو سکتا ہے کہ ابن شہاب زہری نے اس کے بعد اپنے طور پر کتاب المغازی لکھی ہو۔

اموی خلفاء و امراء سے امام زہری کے خوشگوار تعلقات علم و تحقیق میں حائل نہیں تھے، اور وہ انکی مرضی و منشاء کے خلاف صحیح اور سچ بات کہتے تھے معمر کا بیان ہے کہ میں نے زہری سے پوچھا کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ کس نے لکھا تھا، پہلے تو وہ ہنسے پھر کہا کہ علی بن ابو طالبؓ نے لکھا تھا اور اگر تم اس کے بارے میں ان لوگوں سے یعنی بنو امیہ سے سوال کرو گے تو وہ عثمان بن عفان کا نام لیں گے (مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۳۴۳)

فن مغازی میں زہری کی جامعیت کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا، امام مالک نے ایک مرتبہ زہری کی درس گاہ سے اٹھنے کے بعد ان سے کوئی سوال کیا، انھوں نے کہا کہ میں نے سبق سننے کے بعد کسی استاد سے دوبارہ نہیں پوچھا، یہ سنکر عبدالرحمٰن بن مہدی تعجب سے کہنے لگے کہ وہ مغازی کی اتنی طویل طویل روایات کیسے یاد کر لیتے ہیں [۱]

ان کے بہت سے تلامذہ نے انکی کتاب المغازی کی روایت کی جن میں موسیٰ بن عقبہ ممتاز ہیں یحییٰ بن معین کا قول ہے:

كتاب موسى بن عقبة عن الزهري	زہری سے روایت کی ہوئی، موسیٰ بن عقبہ
من اصح الكتب [۲]	کی کتاب مغازی کی سب سے صحیح کتاب ہے۔

امام بخاری نے مغازی کے ذکر میں چالیس سے زائد روایات ابن شہاب زہری کی بیان کی ہیں، جن میں اکثر موسیٰ بن عقبہ عن الزہری کی سند سے ہیں، حافظ ابن حجر نے

---

[۱] الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ ص ۷۲، [۲] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۶۲۔

فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ مغازی موسیٰ بن عقبہ امام زہری کی روایات کا مجموعہ ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں: وھذا ملخص ماذکرہ موسی بن عقبۃ فی سیاق القصۃ، ایک مقام پر ہے: وکذالك اخرج ھذہ القصۃ موسیٰ بن عقبۃ عن ابن شھاب۔ ایک جگہ ہے: وکذالك ذکرہ موسیٰ بن عقبۃ عن ابن شھاب، ایک اور جگہ ہے: وذکرہ موسیٰ بن عقبۃ فی المغازی عن ابن شھاب ایک اور مقام پر ہے ولکن جزم موسی بن عقبۃ فی المغازی عن الزھری[1]

زہری کے دوسرے شاگرد جن سے انکی کتاب المغازی کی روایت کا سلسلہ چلا معمر بن راشد بصری صنعانی ہیں، بصرہ انکا وطن ہے مگر یمن کے شہر صنعاء میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ ان کی کتاب المغازی درحقیقت زہری کی کتاب المغازی کا نسخہ ہے جس میں دوسرے شیوخ کی بھی روایتیں ہیں، زہری کے تلمیذ رشید محمد بن اسحاق ان سے مغازی کی روایت کرنے میں سب سے آگے ہیں ان کے علاوہ زہری نے ان سے مغازی کی روایت کی ہے۔

عبدالرزاق بن ہمام صنعانی نے اپنے استاد معمر بن راشد کی کتاب المغازی کی روایت کرکے اس میں دوسری روایات کو بھی شامل کیا، اور یہ کتاب المغازی عبدالرزاق کی طرف منسوب ہوئی جس کا بیشتر حصہ معمر بن راشد کی روایت سے ابن شہاب زہری کی کتاب المغازی کا ہے مطبوعہ مصنف عبدالرزاق میں یہ کتاب المغازی پانچویں جلد کے صفحہ ۳۱۳ سے صفحہ ۴۹۲ تک ہے جس کی زیادہ تر روایات عبدالرزاق، عن معمر، عن الزھری کی سند سے ہیں، کتاب المصنف کی اشاعت کے بعد زہری کی کتاب المغازی کا بیشتر حصہ محفوظ ہوگیا ہے، زہری کی ایک کتاب فتوح خالد بن الولید کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے۔

کتاب الغزوۃ
جعفر بن محمود انصاری مدنی رحمہ اللہ

اسی زمانہ میں مدینہ میں غزوات کے موضوع پر ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے جس کو جعفر بن محمود

---

[1] فتح الباری ج ۷، کتاب المغازی۔

بن عبداللہ بن محمد بن سلمہ حارثی انصاری مدنی متوفی سنہ نے لکھا تھا، وہ علمائے تابعین کے طبقہ اولی میں سے ہیں، حضرت اسید بن حضیرؓ سے مرسل روایت کی ہے، نیز حضرت جابر بن عبداللہؓ اور اپنی دادی تولیہ بنت اسلم صحابیہؓ سے روایت کی، اور ان سے ان کے لڑکے ابراہیم بن جعفر، بھتیجے سلیمان بن محمد بن محمود، موسیٰ ابن عمیر انصاری نے روایت کی ہے، جعفر بن محمود حدیث و فقہ اور سیر و مغازی کے عالم تھے۔

انھوں نے کتاب الغزوہ لکھی تھی، جو اہل علم کے نزدیک مستند تھی اور وہ اپنے شاگردوں کو اس کی روایت کی ترغیب دیتے تھے، یحییٰ بن معین کا بیان ہے:

کان صالح بن کیسان أمرہ بکتاب الغزوۃ عنہ [1]	صالح بن کیسان نے جعفر بن محمود کی روایت سے کتاب الغزوہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔

صالح بن کیسان مدنی متوفی ۱۴۰ھ امام زہری کے خصوصی تلامذہ میں ہیں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر کی زیارت کا شرف رکھتے ہیں، عمر بن عبدالعزیز کی اولاد کے موؤدب و معلم تھے، حدیث و فقہ کے جامع عالم ہیں۔

ان کے امر و حکم سے اندازہ ہوتا ہے کہ جعفر بن محمود انصاری کی کتاب الغزوہ اہم کتاب تھی جس کی روایت ان سے اہل علم کرتے تھے اور اس کا حکم دیتے تھے۔

کتاب المغازی عبداللہ بن ابوبکر بن حزم انصاری مدنی

ابو محمد عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری مدنی متوفی ۱۳۵ھ رحمۃ اللہ علیہ بھی مغازی کے ابتدائی مصنفین میں سے ہیں

ان کے جد اعلیٰ حضرت عمرو بن حزمؓ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نجران کا امیر بنا کر انکے نام ایک مفصل مکتوب روانہ فرمایا تھا، انکا خاندان حدیث و فقہ اور سیر و مغازی میں ممتاز مقام رکھتا ہے، عروہ بن زبیر اور ابن شہاب زہری انکے شیوخ میں ہیں اور تلامذہ میں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۲

محمد بن اسحاق مغازی کے مشہور مصنف ہیں ۔ ان کے بھتیجے عبدالملک بن محمد بن ابوبکر نے ان سے کتاب المغازی کی روایت کی ہے وہ نہایت ثقہ ، صادق ، مامون ، حجت ، حافظ حدیث ، فقیہ اور سیر و مغازی کے عالم و مصنف ہیں ، سریج بن نعمان جوہری کے ایک بیان سے عبداللہ بن ابوبکر کی کتاب المغازی کا پتہ چلتا ہے ، وہ کہتے ہیں :

عبد الملك بن محمد بن ابي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم المدنی الانصاری من بنی النجار، قدم علینا بغداد، فاقام بها، وکتبنا عنه المغازی، عن عمه عبد الله بن ابی بکر[1]	عبدالملک بن محمد بن ابوبکر انصاری نے ہمارے یہاں بغداد آکر قیام کیا اور ہم نے ان سے ان کے چچا عبداللہ بن ابوبکر کی روایت سے مغازی کی روایت کی ۔

ابوالاسود یتیم عروہ نے اپنے مربی و معلّم کی کتاب المغازی کی روایت مصر میں جاکر کی ، اسی طرح عبدالملک بن محمد بن ابی بکر نے اپنے چچا کی کتاب المغازی کی روایت بغداد میں کی ، عبداللہ بن محمد بن ابوبکر کا انتقال ستر سال کی عمر میں ۱۳۵ھ میں ہوا ، ان کے کوئی اولاد نہیں تھی[2]

کتاب المغازی ابوالاسود یتیم عروہ مدنی رح

ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل اسدی مدنی متوفی ۱۳۱ھ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المغازی در حقیقت عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کا نسخہ ہے جس میں یتیم عروہ نے دوسرے شیوخ کی روایتیں شامل کی تھیں ۔

ان کے والد حضرت عبداللہ بن زبیر کے ساتھ شہید ہوگئے تھے ، انھوں نے اپنے بچے کو عروہ بن زبیر کی کفالت میں رہنے کی وصیت کی تھی اور عروہ بن زبیر نے انکو اپنی تعلیم و تربیت میں یوں رکھا کہ وہ یتیم عروہ کی نسبت سے مشہور ہو گئے ، دونوں کا شجرۂ نسب اوپر

---

[1] تاریخ بغداد ج۱۰ ص۴۰۳ [2] تاریخ خلیفہ بن خیاط ج۲ ۔ تہذیب التہذیب ج۵ ص۱۶۵ ، العبر ج۱ ص۱۸۳ ۔

جاکر خویلد بن اسد سے مل جاتا ہے، نہایت کثیر الحدیث اور ثقہ عالم ہیں۔

انھوں نے عروہ بن زبیر کے علاوہ علی بن حسین زین العابدین، سلیمان بن یسار، عامر بن عبداللہ بن زبیر، سالم مولی شدّاد، سالم بن عبداللہ بن عمر، عبدالرحمٰن الاعرج، عکرمہ مولی ابن عباس نعمان بن ابو عیاش اور یحییٰ بن نضر وغیرہ سے روایت کی تھی[1]

ابن شاہین نے تاریخ اسماء الثقات میں ان کے ذکر میں تصریح کی ہے۔

ولہ کتاب المغازی[2] ابوالاسود کی تصنیف کتاب المغازی ہے۔

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری کتاب میں بار بار "مغازی ابی الاسود" کا ذکر کیا ہے، جیسا کہ گذر چکا ہے ابن ابی حاتم نے لکھا ہے کہ ابوالاسود بنی امیہ کے آخری دور میں مصر چلے گئے تھے[3]

ابن حجر نے ۱۳۶ھ میں اُن کے مصر جانے کی تصریح ہے[4]

ابن شاہین نے لکھا ہے کہ مدینہ میں انکی دس حدیثیں بھی نہیں ہیں، بلکہ انکی حدیثیں مصر میں ہیں[5] مطلب یہ ہے کہ مصر میں ان کے علم کی عام روایت واشاعت ہوئی چنانچہ مصر ہی میں انھوں نے عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کی روایت کی ذہبی نے "سیر اعلام النبلاء" میں لکھا ہے:

نزل ابوالاسود مصر، وحدث بہا بکتاب المغازی لعروۃ بن الزبیر عنہ[6] — ابوالاسود مصر گئے اور وہاں عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کی روایت کی۔

ان کے مصری تلامذہ میں لیث بن سعد، ابوشریح عبدالرحمٰن بن شریح اسکندرانی، عبداللہ بن لہیعہ مشہور ہیں، خلیفہ بن خیاط نے ۱۳۰ھ میں انکی وفات بیان کی ہے، مگر

---

[1] جمہرۃ انساب العرب ص۱۲۱، تہذیب التہذیب ج ۹ ص۳۰۷، تاریخ کبیر ج ۱ قسم ۱ ص۱۴۵۔ [2] تاریخ اسماء الثقات ص۱۵۲ (بمبئی)۔ [3] الجرح والتعدیل ج ۳ قسم ۲ ص۳۲۱، [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص۳۰۷۔

[5] تاریخ اسماء الثقات ص۱۵۲۔ [6] سیر اعلام النبلاء

۱۲۳ھ میں وفات کی روایت صحیح معلوم ہوتی ہے۔

محمد بن سعد بن ابی وقاص قرشی زہری مدنیؒ

ابوالقاسم محمد بن سعد بن ابی وقاص قرشی زہری مدنی متوفی ۸۲ھ رحمۃ اللہ علیہ قلیل الحدیث نہایت ثقہ تابعی ہیں، بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ قصیر القامت تھے، ابن اشعث کے ساتھ دیر الجماجم کی جنگ میں شریک تھے، ۸۲ھ میں حجاج بن یوسف نے ان کو قتل کر دیا۔[1]

ان کے والد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنی اولاد سے جہاد و غزوات کے واقعات بیان کر کے ان کو شجاعت اور صبر و استقامت کی دعائیں یاد کراتے تھے۔ محمد بن سعد نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا تھا اور وہ بھی اپنی اولاد کو مغازی و سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور اس کو آبائی مجد و شرف بتا کر یاد رکھنے کی تاکید کرتے تھے، ان کے صاحبزادے اسمٰعیل متوفی ۱۳۴ھ ہجری بیان کرتے ہیں:

كان ابى يعلّمنا المغازى والسرايا ويقول يا بنىّ انها شرف آبائكم فلا تضيعوا ذكرها۔[2]	والد ہم لوگوں کو مغازی اور سرایا کی تعلیم دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اے میرے بیٹو! یہ تمہارے آبائی مجد و شرف ہیں انکی یاد کو باقی رکھو۔

محمد بن سعد کے بھائیوں میں عامر بن سعد کثیر الحدیث اور ثقہ عالم تھے، بزمانۂ عبدالملک بن مروان فوت ہوئے، مصعب بن سعد بھی کثیر الحدیث ثقہ تابعی تھے، اسی طرح ابراہیم بن سعد کے بارے میں ابن سعد نے کثیر الحدیث اور ثقہ ہونے کی تصریح کی ہے[3] اور یہ سب حضرات اپنی اپنی مجلس درس میں اپنے والد کی وصیت و نصیحت کے مطابق احادیث کی طرح مغازی و سرایا کو بھی بیان کر کے یاد رکھتے تھے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۷، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۸۳، [2] السیرۃ النبویہ احمد زینی دحلان ص ۳۶۰۔
[3] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۷۱۔

خاندان نبوت کے چشم و چراغ
زین العابدین علی بن حسین

علی بن حسین بن علی زین العابدین ہاشمی مدنی رح

بن علی بن ابو طالب متوفی ۹۴ھ رحمۃ اللہ علیہ ۳۳ھ یا ۳۸ھ میں پیدا ہوئے، بقول ابن قتیبہ انکی والدہ کا نام سلافہ یا غزالہ تھا جو سندھی باندی تھیں، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ شاہ ایران یزدجرد کی بیٹی تھیں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد کا سلسلہ آپ ہی سے چلا ۶۱ھ میں واقعۂ کربلا کے وقت ان کی عمر تیئیس ۲۳ سال کی تھی، بیماری کی وجہ سے زندہ سلامت رہ گئے [1]

امام زین العابدین نے متعدد صحابہ و تابعین سے روایت کی ہے، اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابن شہاب زہری اور ابوالاسود یتیم عروہ مغازی کے مصنف اور عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری ہیں، ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جامع دمشق میں مغازی اور مناقب صحابہ بیان کرنے پر مامور کیا تھا۔

امام زین العابدین مغازی کا درس دیتے تھے اور قرآن کی سورتوں کی طرح زبانی یاد کراتے تھے، ابن کثیر نے لکھا ہے:

روی الواقدی عن عبد اللہ بن عمر بن علی، عن ابیہ، سمعت علی بن الحسین یقول: کنا نعلم مغازی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما نعلم السورۃ من القرآن [2]	عمر بن علی سے روایت ہے کہ میں نے علی بن حسین کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن کی سورہ کی تعلیم دیتے تھے۔

آل رسول کا علم خاندانی تھا، اس کا ہر فرد علم و عمل میں فرد تھا اور ان میں بچپن ہی سے

---

[1] المعارف، العبر ج ۱ ص ۱۱۱، ابن خلکان ج ۱ ص ۳۲۰۔ [2] البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۰۴۔

تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام ہوتا تھا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے لڑکوں اور بھتیجوں سے تاکید کر کے کہتے تھے کہ آج تم لوگ علم حاصل کرلو، اگر اس وقت تم لوگ چھوٹے ہو تو کل بڑے مانے جاؤگے تم میں سے جو یاد نہ کر سکے لکھ لے[1]

مغیرہ بن عبدالرحمٰن مدنی مخزومیؒ

ابوہاشم مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام بن مغیرہ مخزومی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے، غالباً ۱۰۱ھ اور ۱۲۰ھ کے درمیان یا اس کے بعد ان کا انتقال ہوا، انھوں نے صحابہ کی ایک جماعت سے روایت کی ہے، ان کے تلامذہ میں محمد بن اسحاق صاحب المغازی اور ان کے والد اسحاق بن یسار کے علاوہ امام مالک اور کئی اہل مدینہ ہیں، انکا گھرانا اشراف قریش سے تھا، سخاوت اور جہاد اُن کے محبوب مشاغل تھے، کئی بار ملک شام جاکر جہاد میں شریک ہوئے اسی میں ایک آنکھ بھی چلی گئی، علم المغازی میں ابان بن عثمان کے خاص شاگرد تھے اور انکی کتاب المغازی کی روایت کے ساتھ اس کو زیادہ سے زیادہ پڑھنے پڑھانے کی تاکید کرتے تھے، ابن سعد نے لکھا ہے:

قال یحییٰ بن المغیرۃ بن عبد الرحمٰن	مغیرہ بن عبدالرحمٰن کے صاحبزادے یحیٰی نے
عن ابیہ: انہ لم یکن عندہٗ خط	بیان کیا ہے کہ میرے والد کے پاس حدیث کا کوئی
مکتوب من الحدیث الا مغازی النبی	تحریری مجموعہ نہیں تھا سوائے رسول اللہ صلی اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم، اخذ ھا	علیہ وسلم کی مغازی کے جن کو انھوں نے ابان بن
من ابان بن عثمان، فکان کثیراً ما	عثمان سے حاصل کیا تھا، یہ کتاب ان کے پاس
تقرء علیہ وامرنا بتعلیمہا[2]	بہت زیادہ پڑھی جاتی تھی اور وہ ہمکو اسکی تعلیم کا حکم دیتے تھے۔

---

[1] جامع بیان العلم ج ۱ ص ۸۲، [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۶۔ یہ روایت اس حوالہ کے ساتھ سیرت ابن اسحاق اور مغازی الرسول لعروۃ بن زبیر کے مقدمے سے ماخوذ ہے، طبقات ابن سعد مطبوعہ بیروت میں یہ روایت مذکورہ حوالہ میں نہیں مل سکی، ہو سکتا ہے یورپ والے نسخہ میں ہو یا صفحہ کے نمبر میں سہو ہوا ہو۔

اس سے صاف طور سے معلوم ہوتا ہے کہ ابان بن عثمان کی کتاب المغازی اموی امراء کے علی الرغم پڑھی پڑھائی جاتی تھی اور مغیرہ بن عبدالرحمٰن اس کے خاص راوی و معلم اور ناشر تھے، نیز ابن سعد نے اپنے استاد واقدی کا بیان ان کے بارے میں نقل کیا ہے:

وکان قلیل الحدیث إلاّ مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخذھا من ابان بن عثمان فکان کثیرًا ما تقرء علیہ ویامرنا بتعلیمھا [1]	وہ قلیل الحدیث تھے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی کی تعلیم ابان بن عثمان سے حاصل کی تھی اور بہت زیادہ ان سے مغازی کی تعلیم حاصل کی جاتی ہے اور وہ ہم لوگوں کو اس کی تعلیم کا حکم دیتے تھے۔

واقدی ہی کا بیان ہے کہ مغیرہ بن عبدالرحمٰن متعدد بار ملک شام جہاد کے لئے گئے وہ مسلمہ بن عبدالملک کے لشکر میں تھے، جو سرزمین روم میں پھنس گیا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کو واپس بلایا۔ ان کا انتقال مدینہ میں ہوا، انھوں نے شہداء احد کے ساتھ دفن کرنے کی وصیت کی تھی، مگر خاندان والوں نے جنۃ البقیع میں دفن کیا۔ ایک روایت کے مطابق ان کا انتقال ملک شام میں مرابطت کی حالت میں ہوا۔

عکرمہ مولیٰ ابن عباس مدنیؒ

عکرمہ مولیٰ عبداللہ عباس مدنی متوفی ۱۰۵ھ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس کے ان چھ فقہاء و تلامذہ میں سے ہیں، جنھوں نے ان کے اصول اور مسلک پر عمل کر کے اس کی تعلیم دی، عکرمہ اپنے آقا ابن عباس کے علم کے حامل اور ترجمان ہونے کی حیثیت سے فقہ و فتویٰ اور تفسیر میں زیادہ مشہور ہیں، اسی کے ساتھ سیر و مغازی کے زبردست عالم اور اس فن میں بھی حضرت ابن عباس کے ترجمان ہیں۔ مغازی میں انکی مہارت و تبحر کا یہ حال تھا کہ جب اس کا درس دیتے تو سامعین کے سامنے میدان جہاد کا نقشہ کھنچ جاتا تھا، سفیان بن عیینہ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۰۔

کا بیان ہے کہ:

کان عکرمه اذا تکلم فی المغازی فسمعه انسان، قال کانه مشرف علیهم یراهم[1]	جب عکرمہ مغازی پر کلام کرتے تھے اور کوئی شخص سنتا تھا تو کہتا تھا کہ گویا وہ اسلامی لشکر کو میدان جہاد میں دیکھ رہا ہے۔

خاص طور سے سیر میں وہ اپنے معاصرین میں سب سے آگے تھے، قتادہ کا قول ہے:

کان اعلم الناس اربعة کان عطاء بن ابی رباح اعلمهم بالمناسك، وکان سعید بن جبیر اعلمهم بالتفسیر وکان عکرمة اعلمهم بالسیر وکان الحسن اعلمهم بالحلال والحرام[2]	چار شخص سب سے بڑے عالم تھے عطاء بن ابی رباح مناسک حج میں، اور سعید بن جبیر تفسیر میں اور عکرمہ سیر میں اور حسن بصری حلال وحرام میں۔

سیوطی نے تدریب الراوی میں قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے: اور عکرمہ کے یہ الفاظ ہیں:

وعکرمه مولی ابن عباس اعلمهم بسیرة النبی صلی الله علیه وسلم[3]	عکرمہ مولی ابن عباس ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر کے سب سے بڑے عالم تھے۔

ایوب سختیانی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عکرمہ ہمارے یہاں بصرہ آئے، واپسی پر میں انکے ساتھ مقام مربد گیا وہ راستہ میں احادیث بیان کرتے رہے، آخر میں کہنے لگے کہ کیا تمہارے حسن ایسے اچھے انداز میں حدیث بیان کر سکتے ہیں؟ یہ واقعہ نقل کرکے علامہ ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ اہل علم کو معلوم ہے کہ حسن بصری بہت سی باتیں عکرمہ سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہیں اس کے بعد لکھا ہے کہ:

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۲۶۳۔ [2] اتقان ج ۲ ص ۲۲۳۔ [3] تدریب الراوی ص ۲۴۴۔

وان کان عکرمہ مقدما عند ھو فی تفسیر القرآن والسیر [1]

اگرچہ عکرمہ اہل علم کے نزدیک قرآن کی تفسیر اور سیر میں مقدّم ہیں۔

عکرمہ عالم اسلام کے مختلف ملکوں اور شہروں میں گھوم گھوم کر تفسیر، فقہ اور سیر و مغازی کا درس دیتے تھے، ابن ابی حاتم نے تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضرت عکرمہ نے مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ، واسط، مصر، جزیرہ، سجستان، خراسان، یمن، جرجان اور سمرقند میں درس حدیث دیا ہے اور ان شہروں کے اہل علم نے ان سے استفادہ کیا ہے [2]

عَاصِم بن عُمر بن قتادہ انصاری مدنیؒ

ابو عمر عاصم بن عمر بن قتادہ بن نعمان انصاری اوسی ظفری متوفی ۱۲۰ھ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور فارس رسول ہیں انکے تلامذہ میں سیر مغازی کے دو مشہور مصنف ہیں، محمد بن اسحاق اور ابوالاسود یتیم عروہ، ابن اسحاق ان کے خصوصی شاگرد تھے، ذہبی نے لکھا ہے:

شیخ محمد بن اسحاق وکان اخباریا، علامۃ بالمغازی [3]

وہ محمد بن اسحاق کے استاد ہیں اور اخبار کے عالم اور مغازی کے علاّمہ ہیں۔

عاصم بن عمر کثیر الحدیث ثقہ محدث اور سیر و مغازی کے زبردست عالم تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے:

کان راویۃ للعلم، ولہ علم بالمغازی والسیرۃ [4]

وہ حدیث کے راوی تھے اور انکو مغازی اور سیر کا علم تھا۔

ابن قتیبہ نے تصریح کی ہے:

ھو صاحب السیر والمغازی [5]

وہ سیر و مغازی کے عالم ہیں۔

---

[1] جامع بیان العلم ج۲ ص۱۵۵۔ [2] الجرح والتعدیل ج۳ قسم۲ ص۹،۸،۷۔ [3] العبر ج۱ ص۱۵۱۔ [4] طبقات ابن سعد و تہذیب التہذیب ج۵ ص۵۴۔ [5] المعارف ص۲۰۔

امام زہری کے نزدیک محمد بن اسحاق کے واسطہ سے عاصم بن عمر کی مغازی کی روایات نہایت مستند تھیں اور وہ انکو فوراً قبول کر لیتے تھے۔

ان الزھری کان یتلقف المغازی	زہری ابن اسحاق سے مغازی کی ان روایتوں
من ابن اسحاق فیما یحدثہ عن	کو فوراً قبول کر لیتے تھے جن کو وہ عاصم بن عمر بن
عاصم بن عمر بن قتادۃ۔ [1]	قتادہ سے بیان کرتے تھے۔

سیر ومغازی میں تبحّر و ثقاہت کی وجہ سے عمر بن عبد العزیز نے انکو حکم دیا کہ دمشق کی جامع مسجد میں مغازی اور مناقب صحابہ بیان کیا کریں اور انھوں نے اس حکم کی تعمیل کی ۔ انکا انتقال مدینہ منورہ میں ۱۲۰ھ میں ہوا۔

شرحبیل بن سعد انصاری مدنی

ابو سعد شرحبیل بن سعد خطمی انصاری مدنی متوفی ۱۲۳ھ رحمۃ اللہ علیہ سیر ومغازی کے مشہور عالم ہیں، بڑی عمر پائی تھی ان کا شمار شیوخ مدینہ میں ہوتا تھا، کبار صحابہ سے روایت کی ہے۔ ان کے تلامذہ میں محمد بن اسحاق اور عکرمہ مولیٰ ابن عباس علمائے مغازی میں سے ہیں۔ کبرنی کی وجہ سے آخر عمر میں حواس مختل ہو گئے تھے، اس لئے انکی روایات میں کلام کیا گیا ہے، مگر ان کے علم المغازی میں کلام نہیں ہے۔ ابن ابی حاتم نے لکھا ہے۔

وکان عالماً بالمغازی [2]	وہ مغازی کے عالم تھے۔

خاص طور سے شرکائے بدر کے علم میں امتیازی مقام رکھتے تھے، اس کا اعتراف ان کے معاصرین کو بھی تھا، مگر ایک مضحکہ خیز بات کہہ کر ان کو متہم کیا گیا، ابن ابو حاتم نے امام احمد بن حنبل سے روایت کی ہے کہ علی بن عبد اللہ مدینی نے سفیان بن عیینہ سے پوچھا کہ کیا شرحبیل بن سعد فتویٰ دیا کرتے تھے؟ اس پر انھوں نے ہاں کہکر کہا کہ:

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۵ ۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۵۴۲ ۔ [3] الجرح والتعدیل ج ۲ قسم اص ۳۳۸

ولم یکن بالمدینة احدٌ اعلم بالمغازی والبدر یین منه .	مغازی اور شرکائے بدر کے بارے میں مدینہ میں ان سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا۔

مگر ان کی محتاجی کی وجہ سے لوگوں نے ان کو متہم قرار دیا اور گویا ڈرنے لگے کہ اگر وہ کسی سے سوال کریں اور وہ پورا نہ کرے تو کہدیں کہ تمھارے باپ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھے[1]

ابن مدینی کا تقریباً یہی بیان ابن حجر نے بھی نقل کیا ہے[2] تعجب ہے کہ مدینہ میں اپنے دور کے سب سے بڑے عالم مغازی اور شرکائے بدر کے جاننے والے کو بڑھاپے اور محتاجی کی وجہ سے اس الزام سے دوچار ہونا پڑا، جب کہ مدینہ میں خوش حالی اور فارغ البالی اپنے عروج پر تھی اور اجواد و اسخیاء حاجت مندان کی مدد خفیہ طور سے کیا کرتے تھے، ایسے شہر اور ایسے ماحول میں شرحبیل بن سعد شیوخ مدینہ میں ہوکر لوگوں سے سوال کریں اور پورا نہ ہونے پر علمی خیانت پر اتر آئیں۔ یہ بات سمجھ میں آسانی سے نہیں آسکتی ہے۔

یعقوب بن عتبہ ثقفی مدنیؒ

یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن اخنس بن شریق ثقفی مدنی متوفی ۱۲۸ھ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی زیارت کی ہے، ان کے شیوخ میں ابان بن عثمان اور عروہ بن زبیر مغازی کے اولین مصنف ہیں۔ وہ کثیر الحدیث ثقہ محدث وفقیہہ اور سیرو مغازی کے عالم تھے، ابن سعد نے لکھا ہے:

کان ثقة له احادیث کثیرة ، وروایة، وعلمٌ بالسیرة وغیر ذلک[3]	وہ ثقہ محدث تھے، ان کے پاس احادیث کثیرہ اور انکی روایت اور سیرت وغیرہ کا علم تھا۔

سیر و مغازی اور تاریخ کی کتابوں میں انکی روایات موجود ہیں، سیرت ابن ہشام میں تقریباً بارہ مقامات پر ابن اسحاق نے ان سے یوں روایت کی ہے: قال ابن اسحاق

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ا ص ۳۳۹، [2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۲۱، [3] طبقات ابن سعد و تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۹۲

وحدثنی یعقوب بن عتبہ بن المغیرۃ بن شریق الثقفی

تاریخ طبری میں بھی ان کی روایتیں ہیں۔

یعقوب بن عتبہ کے علم و فضل کی وجہ سے امراء ان کو صدقات وغیرہ کا نگراں مقرر کرتے تھے ۱۲۸ھ میں انتقال کیا۔

دورِ ثانی کے راویانِ سیر و مغازی اور مصنّفین

پہلی صدی کے نصف آخر میں خاص خاص ابواب و عنوانات پر تدوین و تصنیف کی ابتداء ہو چکی تھی اور سب سے پہلے تو تاریخ اور سیر و مغازی پر کتابیں لکھی گئیں اور اس کے خاتمہ پر سب سے پہلے امام زہری نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے احادیث کی تدوین کی[۱]

اس سے پہلے عام طور سے علماء اسلام اپنے صحیفوں اور نسخوں سے یا اپنی یادداشت سے زبانی تعلیم دیتے تھے، امام ذہبی نے ۱۴۳ھ کے ذیل میں لکھا ہے:

وفی ھذا العصر شرع علماء الاسلام	اس زمانہ میں علمائے اسلام نے حدیث و فقہ اور
فی تدوین الحدیث والفقہ، والتفسیر	تفسیر وغیرہ کی تدوین شروع کی اور علم کی تدوین و ترتیب کی کثرت ہوئی۔
(الی ان قال) وکثرت تدوین العلم	اور ادب و عربیت، لغت، تاریخ اور جنگوں پر
وتبویبہ، ودونت کتب العربیۃ	کتابیں لکھی گئیں، اس زمانہ سے پہلے تمام
واللغۃ، والتاریخ، وایام الناس	ائمہ علم اپنے حافظہ یا غیر مرتب صحیح صحیفوں سے
وقبل ھذا العصر کان سائر الائمۃ	تعلیم دیتے تھے اور علم کے بارے میں کلام کرتے تھے
یتکلمون عن حفظھم، اویروون	۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
العلم عن صحف صحیحۃ غیر مرتبۃ[۲]	۔ ۔ ۔ ۔ ۔

[۱] فتح الباری ج ۱ ص ۲۰۸، [۲] تاریخ الاسلام ج ۶ ص ۳ و ص ۴۔

اس دور میں پورے عالم اسلام کے تقریباً ہر مرکزی شہر میں علماء نے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں اور محدثین وفقہاء کی طرح علمائے سیر ومغازی، اصحاب اخبار واحداث اور ماہرین تواریخ وانساب بھی اپنے اپنے علوم وفنون کے جمع وتدوین میں مصروف ہوگئے۔

اس دور میں علماء کے طبقات اور ان کے القاب

اس صورت حال کی وجہ سے علمائے اسلام کے مختلف طبقے اور انکے مختلف القاب پیدا ہوگئے، عہد نبوی اور دور خلافت تک علمائے اسلام قرّاء کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، جو عام طور سے حضرات صحابہ ہوتے تھے، ان کے بعد علمائے تابعین، فقہاء اور اہل فقہ وفتویٰ کے لقب سے یاد کئے گئے اور جب تصنیف وتالیف کا دور آیا تو علمائے اسلام مختلف امتیازی واعزازی القابات وخطابات سے مشہور ہوئے اور انھوں نے اپنے اپنے اصول اور معیار پر تصنیفی خدمت انجام دی، محدثین، فقہاء، مورخین، اخباریین نسابین، اصحاب المغازی وغیرہ کے طبقے اسی دور میں پیدا ہوئے، اس سے پہلے احادیث وآثار اور فقہ فتویٰ کے جامعین قرّا اور فقہاء کے لقب سے مشہور تھے۔

علمائے سیر ومغازی درحقیقت علمائے حدیث کے طبقہ سے ہیں۔ علم المغازی علم الحدیث کا ایک اہم حصہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے احوال واقوال اور واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن کا تعلق غزوات وسرایا سے ہے، اسی لئے محدثین کی کتابوں میں کتاب المغازی اور کتاب الجہاد والسیر کے ذیل میں انکے واقعات اور احکام ومسائل بیان کئے جاتے ہیں، اس اعتبار سے محدثین بھی اصحاب السیر والمغازی ہیں البتہ جن محدثین نے سیر ومغازی کو خاص موضوع قرار دیکر اس میں کتابیں لکھیں اور انکی روایت کی، اس بارے میں ان کو امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ ان کو اصحاب المغازی، اہل المغازی، اور عالم المغازی کے نام سے یاد کیا گیا۔ محدثین اور اصحاب المغازی کی روایت ودرایت کے معیار میں فرق ہے۔ محدثین کے یہاں اس سلسلہ میں جو شدت اور احتیاط ہے، اصحاب المغازی

کے یہاں نہیں ہے، اس لئے علم المغازی کو علم الحدیث کی ایک قسم قرار دیکر اس کو علیحدہ رکھنا مناسب سمجھا گیا، تصنیفی دور سے پہلے حضرات صحابہ و تابعین حدیث، فقہ، فتوی، تفسیر، مغازی، ایام ناس، انساب وغیرہ کی تعلیم دیتے تھے اور انکو فقیہہ کے جامع لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

پہلے دور کے مدرسۃ المغازی مدینہ کے فضلاء و فارغین نے دوسرے شہروں میں علم المغازی کے درس و روایت کا سلسلہ شروع کیا، ابوالاسود نے عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کی روایت مصر میں کی۔ مغیرہ بن عبدالرحمٰن مخزومی نے ابان بن عثمان کی کتاب المغازی کی روایت مدینہ میں کی۔ اور عبدالملک بن محمد بن ابوبکر نے اپنے چچا عبداللہ بن ابوبکر بن حزم انصاری کی کتاب المغازی کا درس بغداد میں دیا۔

دوسرے دور میں مدینہ کے کئی مصنفین مغازی نے بغداد اور دوسرے مقامات میں تدریس و تصنیف کی خدمت انجام دی۔ اس دور کے مشہور مصنفین مغازی میں موسیٰ بن عقبہ نے مدینہ میں رہ کر کتاب المغازی لکھی اور محمد بن اسحاق، ابومعشر سندی اور واقدی نے بغداد وغیرہ میں جاکر اپنی کتابیں لکھیں، اسی طرح دیگر شہروں میں جاکر یہاں کے علمائے مغازی اور انکے تلامذہ نے اس علم کو آگے بڑھایا۔

کتاب المغازی موسیٰ بن عقبہ اسدی مدنی رح

ابو محمد موسیٰ بن عقبہ بن ابوعیاش مطرقی اسدی مدنی متوفی ۱۴۱ھ رحمۃ اللہ علیہ دوسرے دور کے مدنی مصنفینِ مغازی میں سب سے پہلے مصنف ہیں، یہ تین بھائی تھے محمد بن عقبہ، ابراہیم بن عقبہ اور موسیٰ بن عقبہ اور تینوں بھائی مدینہ کے مشہور فقہاء و محدثین میں تھے۔ ان کا حلقۂ درس مسجد نبوی میں الگ الگ قائم ہوتا تھا، سب سے چھوٹے موسیٰ بن عقبہ کثیر الحدیث اور فقہ و فتویٰ میں امامت کا مرتبہ رکھتے تھے۔ مولیٰ زبیر بن عوام رضہ تھے[1]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۳۶۔

موسی بن عقبہ محمد بن شہاب زہری کے تلمیذ خاص اور ان کی کتاب المغازی کے راوی ہیں ۔ ان کے تلامذہ میں سلیمان بن بلال تیمی اور بھتیجے اسمٰعیل بن ابراہیم بن عقبہ سیر و مغازی کے مصنف اور عالم ہیں ۔

موسیٰ بن عقبہ حدیث اور فقہ و فتویٰ میں اپنے دونوں بھائیوں سے آگے ہیں مگر سیر مغازی کے عالم و مصنف ہونے کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں ، انھوں نے اس علم میں حضرت عبداللہ بن عباس کی کتابوں سے استفادہ کیا جن کو ان کے غلام کریب نے ان کے پاس رکھا تھا ۔ انھوں نے آخری عمر میں کتاب المغازی تصنیف کی اور تحقیق و تلاش کا خاص اہتمام کیا ، اس کا بڑا سبب انکے معاصر عالم مغازی شرحبیل بن سعد پر الزام تھا ، محمد بن طلحہ بن طویل کا بیان ہے کہ مدینہ میں موسیٰ بن عقبہ سے بڑا کوئی عالم مغازی نہیں تھا شرحبیل بن سعد بھی مغازی کے عالم تھے ۔ مگر لوگوں نے ان کو متہم قرار دیا اور کہا کہ وہ اصحاب بدر اور شہدائے احد میں ایسے لوگوں کو شامل کرتے ہیں جو ان میں شریک نہیں تھے ، وہ آخری عمر میں مسکین و محتاج ہونے کی وجہ سے لوگوں کی نظر سے گر گئے تھے ، جب موسیٰ بن عقبہ کو یہ باتیں معلوم ہوئیں تو کہا کہ لوگ یہاں تک جری ہو گئے ہیں ؟ اس کے بعد کبر سنی کے باوجود کمربستہ ہوئے اور بدر و احد کے شرکا ، اور حبشہ و مدینہ کے مہاجرین کے نام منضبط کر کے کتاب المغازی لکھی [1] ۔

امام مالک اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ تم لوگ مغازی موسیٰ بن عقبہ حاصل کرو ، وہ ثقہ اور مرد صالح ہیں ، ان کی مغازی اصح المغازی ہے ، انھوں نے بڑھاپے میں یہ علم حاصل کیا ہے ۔ دوسروں کی طرح تکثیر روایت سے کام نہیں لیا ہے ، ان کی کتاب میں جن کو شرکائے بدر میں لکھا ہے وہ واقعی شریک تھے اور جن کا نام ان میں نہیں لکھا ہے وہ شریک نہیں تھے ۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۶۱ ۔

امام مالک کے شاگرد جب ان سے دریافت کرتے کہ ہم کس عالم سے مغازی کی روایت کریں، تو کہتے کہ تم لوگ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی پڑھو، وہ ثقہ ہیں۔[1]

یحییٰ بن معین کا قول ہے:

كتاب موسى بن عقبة عن الزهريؒ اصح الكتب۔[2]	موسیٰ بن عقبہ کی کتاب زہری کی روایت سے سب سے صحیح کتاب ہے۔

امام احمد بن حنبل تفسیر، ملاحم اور مغازی کو بے اصل کہتے ہیں مگر مغازی موسیٰ بن عقبہ کے بارے میں ان کا قول ہے:

عليكم بمغازي موسى بن عقبة، فانه ثقة[3]	تم لوگ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی حاصل کرو وہ ثقہ ہیں۔

حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

وعند موسى بن عقبة في المغازي وهي اصح ما صنف في ذلك عند الجماعة[4]	یہ واقعہ موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی میں ہے، اور وہ علماء کی جماعت کے نزدیک مغازی میں جو کتابیں لکھی گئیں ان سب سے صحیح ہے۔

اسی طرح ابن حجر نے بعض اور مقامات پر اس کو "اصح المغازی" بتایا ہے، موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی دراصل ان کے شیخ ابن شہاب زہری کی کتاب المغازی کا مثنیٰ ہے جس کو انھوں نے آخری عمر میں مزید تحقیق و تلاش کے بعد مرتب و مدون کیا ہے اس کتاب کی روایت ان کے کئی شاگردوں نے کی جن میں ان کے بھتیجے اسمٰعیل بن ابراہیم بن عقبہ اس کے مشہور و مخصوص راوی ہیں، ابن سعد نے لکھا ہے:

وكان يحدث بالمغازي عن عمه	وہ اپنے چچا موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ صفحہ ۱۵۴۔ وتہذیب التہذیب ج ۱۰ صفحہ ۳۶۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صفحہ ۱۴۰۔
[3] فتح الباری ج ۷ صفحہ ۲۱۱، [4] طبقات ابن سعد ج ۵ صفحہ ۴۱۱،

موسیٰ ابن عقبۃ [1] مغازی کی تعلیم دیتے تھے۔

ان کے علاوہ محمد بن فلیح اور سلیمان بن بلال تیمی نے بھی اس کتاب کی روایت کی ہے، ابن حجر نے فتح الباری کتاب المغازی میں مغازی موسیٰ بن عقبہ کے حوالے متعدد مقامات میں دیئے ہیں اور تقریباً سب میں محمد بن شہاب زہری کی روایات ہیں، مثلاً غزوۂ احد کے بیان میں لکھا ہے:

وکان السبب فیھا ما ذکرہ ابن اسحاق عن شیوخہ، وموسی بن عقبۃ عن ابن شہاب، وابو الاسود عن عروۃ، قالوا. وھذا ملخص ما ذکرہ موسیٰ بن عقبۃ فی سیاق القصۃ (ج، ص۲۶۶) وکذلک اخرج ھذہ القصۃ موسی ابن عقبۃ عن ابن شہاب (ج، ص۲۸۰) وکذلک ذکرہ موسیٰ بن عقبۃ عن ابن شہاب (ج، ص۵) وذکرہ موسی بن عقبۃ فی المغازی عن ابن شہاب (ج، ص۲۲) ولکن جزم موسیٰ بن عقبۃ فی المغازی عن الزھری (ج، ص۹) ما حملہ موسی بن عقبۃ عن ابن شہاب فی ذلک (ج، ص۲۶) وکذالک اخرج ھذہ القصۃ موسیٰ ابن عقبۃ عن ابن شہاب، عن عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن کعب (ج، ص۲۹)

نویں صدی تک مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت محدثین میں ہوتی رہی ہے۔ ذہبی، متوفی ۷۴۸ھ نے بیان کیا ہے:

قرأت مغازی موسی بن عقبۃ بالمزۃ علی ابی نصر الفارسی۔ یعنی میں نے مغازی موسیٰ بن عقبہ مقام مزہ میں ابونصر سے پڑھی ہے [2] اور حافظ ابن حجر متوفی ۸۵۲ھ نے فتح الباری میں غزوۂ خندق کے بیان میں لکھا ہے ھکذا رویناہ فی مغازیہ [3] یعنی ہم نے اسی طرح موسیٰ بن عقبہ کی مغازی میں پڑھا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص۳۱۲۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۱۳۱۔ [3] فتح الباری ج، ص۳۶۳۔

مشہور مستشرق سخاؤ نے مغازی موسیٰ بن عقبہ کا انتخاب برلن کے ایک مخطوطہ سے شائع کیا تھا، اس کا ایک حصہ کتاب الامالی ابن صاعد میں پایا جاتا ہے، اور سیرت کی کتابوں میں اسکی روایات موجود ہیں جن میں اکثر محمد بن شہاب زہری سے مروی ہیں۔

کتاب المغازی محمد بن اسحاق مطلبی مدنی

ابو بکر محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار بن کوتان مطلبی مدنی متوفی ۱۵۱ھ رحمۃ اللہ علیہ فارسی الاصل اور قیس بن مخرمہ بن عبد المطلب کے مولیٰ یعنی غلام ہیں، ان کے دادا یسار بن خیار ۱۲ھ میں عین التمر کی جنگ میں گرفتار ہوکر مدینہ آئے تھے، ان کے والد اور دونوں چچا عبد الرحمن اور موسیٰ مدینہ کے مشہور محدثین وفقہاء میں سے تھے۔

ان کے شیوخ و اساتذہ میں ابان بن عثمان، محمد بن شہاب زہری، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری، یعقوب بن عتبہ ثقفی، سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف اور ہشام بن عروہ مغازی کے امام ومصنف ہیں۔ حضرت انس بن مالک کی زیارت کا شرف پایا ہے اور بہت سے اجلۂ تابعین سے حدیث کی روایت کی ہے۔ ان کے اصحاب وتلامیذ میں زیاد بن بن عبد اللہ بن طفیل بکائی، سلمہ بن فضل ابرش رازی، محمد بن سلمہ حرانی، یونس بن بکیر اور ابراہیم بن سعد، بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف زہری وغیرہ مغازی کے عالم ومصنف ہیں۔

ابن اسحاق جلیل القدر ثقہ محدث وفقیہ اور مغازی کے امام ہیں، ان کے بڑے فضائل ومناقب ہیں۔ علی بن عبد اللہ مدینی نے کہا ہے کہ اہل مدینہ کی حدیثوں کا مدار محمد بن شہاب زہری کے بعد مالک بن انس اور محمد بن اسحاق پر ہے[1]۔ انکے شیخ ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ جبتک ابن اسحاق مدینہ میں ہیں علم کثیر باقی ہے اور عاصم بن عمر بن قتادہ کا قول ہے کہ جبتک ابن اسحاق زندہ رہیں گے لوگوں میں علم باقی رہیگا، شعبہ بن حجاج نے انکو حفظ واتقان میں امیر المومنین بتایا ہے بلکہ انکے ایک قول کے مطابق ابن اسحاق امیر المومنین فی الحدیث ہیں، ابوزرعہ دمشقی کا بیان ہے کہ اکابر اہل علم ابن اسحاق سے روایت

---

[1] کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ص ۲۴۔

کرنے پر متفق ہیں، محدثین نے ان کو آزمایا تو ان میں صدق اور خیر پایا، ابن شہاب نے انکی تعریف کی ہے، عبداللہ بن فائد نے کہا ہے کہ ہم لوگ ابن اسحاق کی مجلس درس میں بیٹھا کرتے تھے، وہ ایک مجلس میں ایک عنوان پر احادیث و آثار بیان کرتے تھے ابراہیم بن سعد زہری اپنے زمانہ میں مدینہ کے سب سے بڑے عالم حدیث تھے، ان کے پاس ابن اسحاق کی روایت سے مغازی کے علاوہ سترہ ہزار حدیثیں احکام میں تھیں، سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ میں ستر سال سے زائد تک ابن اسحاق کی مجلس میں بیٹھا ہوں، اس مدت میں اہل مدینہ میں سے کسی نے انکو متہم قرار نہیں دیا[1]

محمد بن اسحاق کے معاصرین میں سے بعض لوگوں نے ان کو قدری بتایا ہے، امام مالک نے دجال کہا ہے۔ ہشام بن عروہ نے اپنی بیوی سے ان کی روایت کو غلط بتایا ہے، مگر علماء نے ان باتوں کا دفاع کیا ہے خطیب بغدادی وغیرہ نے ان کے بارے میں موافق و مخالف اقوال نقل کئے ہیں، اس سلسلہ میں امام ذہبی کا قول فیصل یہ ہے:

والذی تقرر علیہ العمل أن ابن	علماء کے نزدیک معمول یہ بات ہے کہ ابن اسحاق
اسحاق الیہ المرجع فی المغازی	بعض اشیاء میں شذوذ کے باوجود مغازی
والایام النبویۃ مع انہ یبنذ باشیاء	اور نبوی غزوات کے بارے میں مرجع ہیں اور حلال
وانہ لیس بحجۃ فی الحلال والحرام	اور حرام میں حجت نہیں ہیں، ہاں ضعیف بھی نہیں
نعم، ولا الواھی، بل یستشھد بہ[2]	ہیں، بلکہ ان سے استشہاد کیا جائے گا۔

ابن اسحاق بہت پہلے مدینہ سے نکلکر کوفہ، جزیرہ رے، اور بغداد میں رہے[3] اسلئے اہل مدینہ نے ان سے بہت کم روایت کی، ان کے مدنی تلامذہ میں ابراہیم بن سعد مشہور ہیں جن کے پاس ابن اسحاق کی مغازی کے علاوہ سترہ ہزار احادیث حلال و حرام میں تھیں۔

---

[1] تاریخ کبیر ج ۱ صـ۴۰ قسم ۱، الجرح والتعدیل ج ۳ قسم ۲ صـ۱۹۱، المعارف صـ۲۱۵ طبقات ابن سعد ج ۷ صـ۳۲۱ تاریخ بغداد ج ۱ صـ۲۱۴، تہذیب التہذیب ج ۹ صـ۳۸، العبر ج ۱ صـ۲۱۶ - [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صـ۱۶۳

[3] طبقات ابن سعد ج ۷ صـ۳۲۲ -

اسی طرح مدینہ کے دوسرے معاصر عالم اور صاحب المغازی ابوالاسود یتیم عروہ آخری عمر میں مدینہ سے مصر گئے اور وہاں انکی احادیث کی روایت کی گئی اور پوری زندگی مدینہ میں گذارنے کے باوجود مدینہ میں ان کی دس احادیث کی بھی روایت نہ ہو سکی بلکہ مصر میں ان کا رواج ہوا[1] یہ ان کے غیر ثقہ اور ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہے، ابن اسحاق نے مغازی پر شروع ہی سے خاص توجہ دی تھی کہتے ہیں کہ میں نے مکہ میں مغازی حفظ کر لیا تھا بعد میں بھول گیا تو دوبارہ یاد کر لیا۔ علم المغازی میں ان کی جامعیت و شہرت کا حال یہ تھا کہ ان کے شیخ محمد ابن شہاب زہری سے ان کی مغازی کے بارے میں سوال کیا گیا تو استاد نے اپنے شاگرد کے بارے میں یہ شہادت دی:

هذا اعلم الناس بہا۔ — یہ مغازی کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

ایک مرتبہ کہا کہ من اراد المغازی فعلیہ بمولی قیس بن مخرمۃ هذا، یعنی جو شخص مغازی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ قیس بن مخرمہ کے اس غلام سے حاصل کرے۔

اور عملی طور سے اس کی یوں شہادت دی کہ ابن اسحاق نے مغازی کی جو روایات عاصم بن عمر بن قتادہ سے بیان کی ہیں ان کو بڑے انشراح سے لیا کرتے تھے، امام مالک کے سب سے زیادہ متبع اسمٰعیل بن ابی ادریس تھے ان کے والد کے پاس ابن اسحاق کی کتاب المغازی تھی اور انھوں نے اس سے بہت زیادہ روایتیں منتخب کیں[2]۔ امام احمد بن حنبل تفسیر ملاحم اور مغازی کو بے اصل کہنے کے باوجود ابن اسحاق کے بارے میں کہتے ہیں کہ مغازی وغیرہ کی روایت ان سے کی جائے گی، البتہ حلال و حرام میں احتیاط کی جائے گی[3]۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں:-

من اراد ان یتبحر فی المغازی فهو عیال علی محمد بن اسحاق[4] — جو شخص مغازی میں متبحر ہونا چاہتا ہے وہ ابن اسحاق کی عیال ہے۔

---

[1] تاریخ اسماء الثقات ص۱۵۲، [2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص۴۰، ص۴۲، تاریخ کبیر ج ۱ قسم اص۴۰۔
[3] الجرح والتعدیل ج ۳ قسم ۲ ص۱۹۳۔ [4] تاریخ بغداد ج ۱ ص۲۱۹۔

ابن عدی نے محمد بن اسحاق اور ان کی کتاب المغازی کے بارے میں کہا ہے کہ وہ کثیر الحدیث عالم ہیں، ان سے ائمہ علم نے روایت کی ہے، ان کے فضل وکمال کے لئے یہی کافی ہے کہ انھوں نے امراء و ملوک کو لا یعنی کتابوں کی مشغولیت سے ہٹاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغازی، آپ کی بعثت اور ابتدائے خلق کے واقعات پڑھنے میں لگادیا، یہ فضل وکمال سب سے پہلے ان کو حاصل ہوا، ان کے بعد ایک جماعت نے مغازی پر کتابیں لکھیں مگر ان میں سے کوئی ابن اسحاق کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکا۔[1]

ابن اسحاق پہلے مدنی عالم ہیں جنھوں نے مدینہ کے باہر کتاب المغازی لکھی ان سے پہلے ابو الاسود نے مصر میں عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی لکھی اور عبد الملک بن محمد بن ابوبکر نے بغداد میں عبداللہ بن ابوبکر بن حزم کی کتاب المغازی کی روایت کی تھی، ابن اسحاق نے ۱۳۶ھ کے حدود میں اپنی کتاب بغداد میں لکھی، اس کے چند سال بعد ان کی وفات ہوگئی اس لئے اہل مدینہ ان سے اس کتاب کی روایت نہ کرسکے، البتہ مغازی کی روایات کا سماع کیا۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ محمد ابن اسحاق ایک مرتبہ خلیفہ ابوجعفر منصور کے پاس گئے، اس وقت اس کا لڑکا مہدی سامنے تھا، ابوجعفر منصور نے ابن اسحاق سے کہا کہ آپ اس لڑکے کے لئے ایک کتاب لکھدیں جس میں تخلیق آدم سے لے کر آج تک کے حالات ہوں چنانچہ ابن اسحاق نے ایک کتاب لکھی، ابوجعفر منصور نے اس کو دیکھکر کہا کہ یہ بہت طویل ہے اسکو مختصر کردیں، ابن اسحاق نے حکم کی تعمیل کرکے کتاب المغازی لکھی اور پہلی ضخیم کتاب کو سرکاری خزانہ میں محفوظ کردیا۔[2]

مہدی کی ولادت ۱۲۱ھ میں ہوئی اور ابوجعفر منصور ۱۳۶ھ میں خلیفہ ہوا، اس وقت مہدی کی عمر چودہ پندرہ سال کی تھی، اسی زمانہ میں یہ کتاب لکھی گئی۔ ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ محمد ابن اسحاق مقام حیرہ میں ابوجعفر منصور کے پاس گئے تھے، اور وہیں کتاب المغازی لکھی اسی وجہ سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ صہ ۴۳، ۴۵۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱ صہ ۲۲۱

اہل کوفہ ان سے اس کتاب کی روایت نہیں کر سکے[1] کتاب المغازی کا اصل نام کتاب المبتدا والمبعث والمغازی ہے۔ ابن اسحاق نے عراق میں کتاب المغازی لکھی اور مدینہ میں ان کے خلاف دو بزرگوں نے شدت اختیار کی، امام مالک نے کہا کہ وہ دجّال ہے ہم نے اس کو مدینہ سے نکال باہر کر دیا، اور ہشام بن عروہ نے کہا ہے کہ ابن اسحاق نے میری بیوی فاطمہ بنت منذر سے کیسے روایت کی ؟ اس کو تو کسی غیر نے دیکھا بھی نہیں ہے۔ نیز ابن اسحاق پر قدریت، تشیع اور تدلیس کے الزامات عائد کئے گئے، علماء نے ان سب کا دفاع کیا تفصیل کتابوں میں موجود ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ مصنفین مغازی میں ابن اسحاق مختلف قسم کے جرح وتنقید کے علی الرغم سب سے زیادہ مقبول ہوئے اور مستند مانے گئے، ان کی کتاب المغازی کو جو مقبولیت وشہرت حاصل ہوئی کسی دوسرے عالم کی کتاب المغازی اس کا مقابلہ نہ کر سکی، سیرابن ہشام کے ذریعہ ان کی کتاب کا بیشتر حصہ محفوظ رہا۔

اس کتاب نے عوام وخواص کو قصہ کہانی اور نجوم وفلسفہ کی کتابوں سے ہٹا کر ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر ومغازی کا شوق پیدا کر دیا۔ علی بن محمد خراسانی کا بیان ہے کہ خلیفہ قاہر باللہ (خلع ۳۲۲ھ) نے مجھ سے بنو عباس کے خلفاء کے اخلاق وعادات کے بارے میں سوال کیا میں نے بتایا کہ ابو جعفر منصور نے سب سے پہلے نجومیوں کو دربار میں جگہ دی، سریانی اور عجمی زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کرائے، کلیلہ ودمنہ، اقلیدس، اور دیگر یونانی کتب سے عوام کو دلچسپی ہو گئی ابن اسحاق نے یہ صورت دیکھ کر سیر ومغازی کو جمع کیا ہے[2]

ابن اسحاق کی کتاب المغازی کی روایت ان کے کئی شاگردوں نے کی ہے، مگر زیاد بن عبداللہ بکائی کوفی متوفی ۱۸۳ھ کی روایت کو جو مقبولیت حاصل ہوئی، اس کے نتیجے میں مغازی ابن اسحاق کی افادیت بہت عام ہوئی، انھوں نے بڑے خلوص ومحنت سے اس کی روایت

---

[1] المعارف ص۲۱۵۔ [2] تاریخ الخلفاء ذکر قاہر باللہ ص۲۶۶۔

کی تھی، گھر بار فروخت کر کے ابن اسحاق کے ساتھ ساتھ رہے، ابن اسحاق نے ان کو دو بار کتاب المغازی کا املار کرایا، سیرابن ہشام کا مدار زیادہ تر بکائی کی روایت پر ہے بہت سے اہل علم نے اس کو مختصر کیا، کئی علمار نے اس کو منظوم کیا اور بعضوں نے اس کے اشعار کی شرح لکھی، الغرض ابن اسحاق کی کتاب سیر و مغازی کے موضوع پر ... اصل الاصول مانی گئی، قدمار کی طرح ابن اسحاق بھی اپنی کتاب المغازی میں حک و اضافہ کرتے رہے اور ان کے تلامذہ کی روایات میں کچھ اختلاف ہو گیا، مثلاً سمعانی نے ایک جگہ لکھا ہے:

قال ذلك محمد بن اسحاق بن يسار في المغازي التي يرويها عنه ابراهيم بن سعد (الانساب ج ۱۳ ص۱۸۱)

محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب حیدر آبادی فرانساوی نے بڑی تحقیق و تلاش کے بعد ابن اسحاق کے دو شاگرد یونس بن بکیر اور محمد بن سلمہ کی روایات کو سیرابن اسحاق کے نام سے ۱۴۰۱ھ ترکی سے شائع کیا ہے۔

اس کا فارسی زبان میں ترجمہ شیخ سعدی کے معاصر بادشاہ ابو بکر بن سعد کے زمانہ میں ہوا، میں نے اس کا قلمی نسخہ کراچی میں مشہور ماہر قانون محترم خالد اسحاق صاحب کے کتب خانہ میں دیکھا ہے۔

کتاب المغازی ابو معشر نجیح سندی مدنی رح

ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن سندی مدنی متوفی ۱۷۰ھ رحمۃ اللہ علیہ بنی مخزوم کی ایک عورت کے مکاتب غلام تھے، ان کا حق ولار، ام موسیٰ بنت منصور حمیریہ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا، ام موسیٰ خلیفہ ابو جعفر منصور کی بیوی اور اس کے بیٹے مہدی کی ماں ہے، ایک زمانہ میں یمن کی حدود میں سندھیوں کی بڑی کثرت تھی، ان ہی میں ابو معشر کا خاندان بھی تھا۔ ایک مرتبہ یزید

ل تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص۲۱۶، العبر ج ۱ ص۲۵۴، لہ طبقات ابن سعد ج ۷، ص۳۱۳۔

بن مہلّب ازدی نے یمامہ اور بحرین میں جنگ کی، اسی میں ابو معشر گرفتار ہو کر مدینہ آئے۔

ان میں سندھی تقالید و عادت کی جھلک پائی جاتی تھی، جسم فربہ اور رنگ سیاہ تھا، کان چھدے ہوئے تھے، زبان میں لکنت تھی، عربی الفاظ و حروف اچھی طرح سے ادا نہیں کر سکتے تھے، کعب کو قعب کہتے تھے ابتدا میں خیاطی کرتے تھے، مہدی کی ماں اُمّ موسیٰ کی وِلا میں آنے کے بعد اُن کو آزاد زندگی مل گئی، ابو معشر مدینہ کے مشہور فقہاء و محدثین میں سے تھے ذہبیؒ نے ان کو حافظ حدیث، فقیہ اور صاحب المغازی والاخبار لکھا ہے[1] ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث اور ضعیف بتایا ہے[2]۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابو معشر کو حدیث اور تاریخ میں خاص مقام حاصل ہے، اور ان کی تاریخ (کتاب المغازی) سے ائمہ نے استشہاد کیا ہے۔

اور حدیث میں ان کو ضعیف بتایا ہے کچھ احادیث میں وہ منفرد تھے، امام شافعی ان سے روایت کرتے تھے، انتقال سے دو سال قبل سخت اختلال و تغیر میں مبتلا ہو گئے تھے[3]

ابو حاتم کا بیان ہے کہ میں ابو معشر کی حدیث میں احتیاط کرتا تھا مگر دیکھا کہ احمد بن حنبل ایک واسطہ سے ان سے روایت کرتے ہیں اس کے بعد میں نے بھی انکی احادیث کے بارے میں توسّع سے کام لیا، احمد بن حنبل کا قول ہے کہ ابو معشر صدوق ہیں، مگر وہ سند کو اچھی طرح بیان نہیں کر سکتے ہیں اس لئے حجت نہیں ہیں[4]

یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ابو جزء نصر بن طریف سے سُنا کہ ابو معشر تمام آسمان اور تمام زمین والوں سے جھوٹا ہے تو دل میں سوچا کہ آسمان والوں کے بارے میں ابو جزء کو کیسے معلوم ہوا؟ اس فخر و اتہام کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابو جزء کو گرا دیا اور ابو معشر کو اٹھا دیا[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۱۶، العبر ج ۱ ص ۲۵۵، [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۱۸۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۲، [4] الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۱ ص ۴۹۳ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۹۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲۰

ابومعشر مدینہ کے فقہاء ومحدثین میں خاص مقام ومرتبہ کے مالک تھے مگر ان کی شہرت سیر ومغازی کے عالم وم... سے زیادہ ہے، فنِ مغازی میں ان کے شیخ ہشام بن عروہ اور شاگرد واقدی ہیں۔

انھوں نے مغازی کا زیادہ حصّہ علمائے مدینہ کی مجلسوں میں ان سے سُنکر یاد کرلیا تھا، ان کے شیوخ واساتذہ اپنی مجلسوں میں اس کا تذکرہ کرتے تھے اور وہ سُنا کرتے تھے، ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے محمد بن ابومعشر سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کے والد نے مغازی کیسے یاد کئے؟ انھوں نے بتایا کہ:

کان التابعون یجلسون الی استاذہ فکانوا یتذاکرون المغازی فحفظ[1]	تابعین ان کے استاد کے پاس بیٹھ کر مغازی کا مذاکرہ کرتے تھے اور والد یاد کرلیا کرتے تھے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابومعشر ابتدا ہی سے علم المغازی سے خصوصی تعلق رکھتے تھے اور اسی زمانہ سے اس کو زبانی یاد کرتے تھے، آگے چل کر اسی میں ان کو شہرت ونا موری ملی۔

ابن ابی حاتم نے لکھا ہے:

کان احمد بن حنبل یرضاہ، و یقول: کان بصیرا بالمغازی[2]	احمد بن حنبل ابومعشر کو پسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ علم مغازی میں بصیرت رکھتے ہیں۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے:

وکان اعلم الناس بالمغازی[3]	وہ مغازی کے سب سے بڑے عالم تھے۔

ابومعشر کے آخری نو دس سال بغداد میں گذرے، ۱۶۰ھ میں خلیفہ مہدی حج کے بعد مدینہ منورہ آیا، اس وقت ابومعشر علمائے مدینہ میں بڑی اہمیت رکھتے تھے، اور مہدی کی والدہ ام موسیٰ کی ولاء میں تھے، مہدی نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ بغداد چلیں، ہمارے پاس

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۸۔ [2] الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ا ص ۴۹۴۔ [3] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۲۷۔

رہ کر اہل خانہ اور حاضرین دربار کو دینی تعلیم دیں گے، اور ایک ہزار دینار بھی دیئے، اس کے بعد سنہ ۱۶۱ھ میں ابو معشر مع اہل وعیال کے مدینہ سے بغداد چلے گئے اور زندگی کے باقی دن وہیں تحدیث وروایت میں بسر کیے، آخری دو سالوں میں کبر سنی اور ضعف کی وجہ سے ہوش وحواس بجا نہیں رہے، اور وہیں رمضان سنہ ۱۷۰ھ میں فوت ہوئے۔

ابن اسحاق کی طرح ابو معشر نے بھی بغداد میں کتاب المغازی لکھی، ابو جعفر منصور نے مہدی کے لئے ابن اسحاق سے کتاب المغازی لکھنے کی فرمائش کی اور خود مہدی نے ابو معشر کو اپنے یہاں بلا کر کتاب المغازی لکھنے میں آسانیاں فراہم کیں، ابو معشر کے شاگرد واقدی کو خلیفہ ہارون رشید مدینہ سے بغداد لے گیا تھا، اور انھوں نے وہیں ابو معشر سے انکی کتاب المغازی کی روایت کی، ابن سعد نے طبقات میں واقدی کی سند سے ابو معشر کی بہت سی روایات بیان کی ہیں۔ ان کی کتاب کے خاص راوی صاحبزادے اور ان کے خاتمۃ الاصحاب محمد بن ابو معشر سندی بغدادی ہیں جو انکے ساتھ مدینہ سے بغداد گئے تھے، اور محمد بن ابو معشر سے انکے صاحبزادے ابو سلیمان داؤد بغدادی نے اس کتاب کی روایت کی، اور ان سے قاضی احمد بن کامل نے روایت کی، خطیب نے داؤد بن محمد بن ابو معشر کے حال میں لکھا ہے:

حدث عن ابیه، عن ابی معشر کتاب المغازی، رواه عنه احمد بن کامل القاضی [1]	انھوں نے اپنے والد محمد سے اور انھوں نے اپنے والد ابو معشر سے کتاب المغازی کی روایت کی اور ان سے قاضی احمد بن کامل نے روایت کی۔

ابو معشر کی کتاب المغازی کے ساتھ بھی اہل علم نے اعتنا کیا، اور وہ مدتوں ان میں متداول رہی، فتح الباری کتاب المغازی میں بھی جا بجا اس کے حوالے سے روایات موجود ہیں، مثلاً:

وکذا اجزم به موسی ابن عقبة وابو معشر والواقدی (ج ۷، ص ۳۰۲) و فی روایة ابی معشر فی مغازیه (ج ۷، ص ۳۸۱) فیما ذکر اصحاب المغازی

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۲۸۔

منهم ابومعشر (ج، ص۳۹۳) وعند الاموی ان حمزۃ بن عبد المطلب اول من عقد لہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی الاسلام رایۃ وکذا اجزم بہ موسیٰ بن عقبۃ، وابومعشر والواقدی فی آخرین (ج، ص۳۹۳)

کتاب المغازی سلیمان بن بلال تیمی مدنی

سلیمان بن بلال تیمی قرشی مدنی متوفی ۱۷۲ھ رحمۃ اللہ علیہ قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق کے مولیٰ اور غلام ہیں ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ بربری نسل کے حسین وجمیل، خوش ہیئت اور صاحب فہم فراست عالم تھے، مدینہ منورہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے[1] ابن شاہین نے ان کو مدینہ کے بازار کا امیر بتایا ہے[2]

سلیمان بن بلال تیمی نے مدینہ کے اجلّہ تابعین سے روایت کی ہے، ان کے شیوخ میں ہشام بن عروہ، اور موسیٰ بن عقبہ مغازی کے مشہور عالم ومصنف ہیں، ان کی زیادہ روایات یحییٰ بن سعید سے ہیں، محمد بن شہاب زہری سے ملاقات کی ہے، مگر انکی احادیث کی روایت ان کے تلامذہ سے کی ہے، مدینہ منورہ میں ۱۷۲ھ میں فوت ہوئے۔

تذکرہ نگاروں نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر نہیں کیا ہے، حالانکہ وہ کتاب المغازی کے مصنف ہیں، اور دوسری صدی کے علمائے مغازی میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب المغازی میں اس کا ذکر صریح طور سے کیا ہے اور اس کی کئی روایات بیان کی ہیں، مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر میں زہر دینے والی یہودیہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

ولم ینفرد الزہری بدعواہ انہا — زہری اس دعوے میں منفرد نہیں ہیں کہ وہ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص۴۲۰، [2] تاریخ اسماء الثقات ص۹۶

اسلمت فقد جزم بذلك سليمان التيمي في مغازيه ولفظه بعد قولها وان كنت كاذباً ارحت الناس منك وقد استبان لي الآن انك صادق وانا اشهدك ومن حضر اني على دينك، وان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله" قال: فانصرف عنها حين اسلمت (ج ۷، ص ۳۹۶)

یہودی عورت مسلمان ہوگئی تھی کیونکہ سلیمان تیمی نے اپنی کتاب المغازی میں اسکو وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپ کاذب ہونگے تو میرے اس فعل کی وجہ سے لوگوں کو سکون مل جائے گا اور اب مجھے اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ آپ صادق ہیں اور میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتی ہوں، اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے چلے آئے۔

اور عمرۃ القضاء کے بیان میں لکھا ہے وبہ جزم سليمان التيمي في مغازيه (ج ۷، ص ۳۰۵) ۔ ایک اور مقام پر ہے ؛ ووقع في مغازي سليمان التيمي ان النبي صلى الله عليه وسلم لما رجع الخ (ج ۷، ص ۵۰۶)

سلیمان تیمی کی کتاب المغازی کے یہ چند اقتباسات ہیں، کتابوں میں تلاش کے بعد اور بھی مثالیں مل سکتی ہیں۔

کتاب المغازی عبدالملک بن محمد بن ابوبکر انصاری مدنی رح

عبدالملک بن محمد بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری نجاری مدنی متوفی ۱۷۶ھ رحمۃ اللہ علیہ کے جد اعلیٰ عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو سترہ سال کی عمر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰ھ میں نجران کا امیر مقرر فرما کر ان کے پاس اسلامی شرائع واحکام پر مشتمل مفصل مکتوب روانہ فرمایا تھا، انکا گھرانا فقہ وفتوی، حدیث اور سیر ومغازی کا دار العلم تھا، عبدالمالک نے مغازی کی روایت اپنے چچا عبداللہ بن ابوبکر سے کی اور ان سے سرتج

بن نعمان جوہری کانے کی خطیب نے ان کے بارے میں لکھا ہے۔

وکان جلیلاً من اهل بیت العلم والسیر والحدیث[1]	وہ علم اور سیر اور حدیث کے گھرانے کے بہت بڑے آدمی تھے۔

ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کی تصریح کی ہے۔

وله من الکتب کتاب المغازی[2]	ان کی کتابوں میں کتاب المغازی بھی ہے۔

انھوں نے مدینہ میں کتاب المغازی لکھی اور بغداد میں اس کی روایت کی، یہ معلوم نہیں کہ وہ بغداد کب آئے، ہارون رشید نے ان کو بغداد کے مشرقی علاقے میں قاضی مقرر کیا تھا، مگر اس کے چند ہی دن بعد ۱۷۶ھ میں انتقال کر گئے، ہارون رشید نے نماز جنازہ پڑھائی اور عباسیہ بنت مہدی کے قبرستان میں دفن کئے گئے سریج بن نعمان جوہری کا بیان ہے کہ عبد الملک بن محمد بن ابو بکر ہمارے یہاں بغداد آکر مقیم ہوئے اور ہم نے ان سے مغازی کی روایات لکھیں جن کو انھوں نے اپنے چچا عبد اللہ بن ابو بکر سے روایت کیا تھا[3]

کتاب المغازی ابراہیم بن سعد زہری مدنی

ابو اسحاق ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف زہری مدنی متوفی ۱۸۳ھ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ کے قاضی اور محدث تھے، انھوں نے سیر و مغازی کی تعلیم اپنے والد سعد بن ابراہیم زہری، محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ اور محمد بن اسحاق سے حاصل کی، اور ابن اسحاق سے ان کی کتاب المغازی کی روایت کر کے اس کا درس دیا، اور اس میں حک و اضافہ کر کے خود بھی کتاب المغازی لکھی، جو ابن اسحاق کے دوسرے تلامذہ کی روایت

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۱۰، تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۲۵۔ [2] الفہرست ص ۵۱۶،

[3] تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۴۰۹، ص ۴۱۰۔

سے کچھ مختلف تھی، سمعانی نے ایک واقعہ کے ضمن میں ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے

قال ذلك محمد بن اسحاق بن یسار فی المغازی التی یرویها عنه ابراهیم بن سعد [1]۔

یہ بات محمد بن اسحاق نے کتاب المغازی میں لکھی ہے جس کی روایت ان سے ابراہیم بن سعد نے کی ہے۔

امیر ابن ماکولا نے ایک جگہ لکھا ہے:

قاله ابن اسحاق فی روایة ابراهیم بن سعد [2]

ابراہیم بن سعد کی روایت میں ابن اسحاق نے اس کو بیان کیا ہے۔

خطیب نے امام بخاری کی روایت سے ابراہیم بن حمزہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابراہیم بن سعد کے پاس محمد ابن اسحاق کی سترہ ہزار سے زائد حدیثیں احکام میں تھیں، مغازی انکے علاوہ ہیں، ابراہیم بن سعد مدینہ میں اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حدیث کے عالم تھے [3]

انھوں نے مدینہ سے بغداد آکر مستقل سکونت اختیار کر لی تھی اور انکی اولاد نے علمی زندگی بسر کی، ان کو ہارون رشید نے بیت المال کا محاسب و نگراں بنایا تھا، بقول خطیب ان کو غنا کے جواز میں بہت زیادہ غلو تھا۔

کتاب المغازی محمد بن عمر واقدی مدنی رح

ابو عبداللہ محمد بن عمر بن واقد اسلمی واقدی مدنی رح متوفی ۲۰۷ھ رحمۃ اللہ علیہ بنو اسلم کی شاخ بنو سہم کے مولیٰ ہیں، انھوں نے ابن جریج، اوزاعی، ابن ابی ذئب، مالک بن انس، سفیان ثوری، ربیعہ رائی، ابو معشر سندی، امام زہری کے بھتیجے محمد بن عبداللہ وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے ان کے تلمیذ خاص اور کاتب محمد بن سعد، ابو حسان زیادی، محمد بن

---

[1] الکمال ج ۲ ص ۱۳۱، [2] الانساب ج ۱۳ ص ۱۵۷۔ [3] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۸۳

اسحاق صنعانی، احمد بن خلیل برجلانی، عبداللہ بن حسن ہاشمی، ابو بکر بن ابی شیبہ وغیرہ نے روایت کی،

حدیث، فقہ، تفسیر، سیر، مغازی، تاریخ، اخبار اور رجال وطبقات کے جامع عالم تھے، ابن سعد کہتے ہیں کہ واقدی مغازی، سیر، فتوح، حدیث واحکام اور علماء کے اختلاف واجتماع کے عالم تھے اور ان کو اپنی کتابوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے[1] خطیب اور سمعانی نے ان کے بارے میں تصریح کی ہے۔

وھو ممن طبق شرق الارض وغربہا ذکرہ ولم یخف علی احد عرف اخبار الناس امرہ وسارت الرکبان بکتبہ فی فنون العلم من المغازی والسیر والطبقات، واخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم. والاحداث التی کانت فی وقتہ وبعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم، و کتب الفقہ، واختلاف الناس فی الحدیث وغیر ذلک، وکان جواداً، کریماً، مشہوراً بالسخاء[2]	وہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا چرچا مشرق ومغرب پر چھایا ہوا ہے اور اخبار واحداث کی واقفیت میں انکا مرتبہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے اور انکی کتابوں کو اہل علم قافلہ در قافلہ اپنے اپنے شہروں میں لے گئے جو مختلف علوم وفنون میں ہیں یعنی مغازی اور سیر اور طبقات، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات واخبار، جو آپ کی حیات میں اور آپکی وفات کے بعد ظاہر ہوئے اور فقہ اور اختلاف علماء اور حدیث وغیرہ پر مشتمل ہیں، واقدی دریادل، کریم اور مشہور سخی تھے۔

ابن ندیم نے علماء کا قول نقل کیا ہے کہ ابو مخنف عراق کے اخبار وفتوح کے علم

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۴۲۵، [2] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۳، دار الانساب ج ۱۳ ص ۲۷۱

ہیں دوسروں سے آگے ہیں، اور مدائنی خراسان ہند اور فارس کے بارے میں دوسروں سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور واقدی حجاز اور سیر کے علم میں سب سے برتر ہیں اور شامی فتوحات کے علم میں تینوں علماء برابر ہیں[1]۔

ابراہیم بن اسحاق حربی جو حدیث و مغازی کے زبردست عالم اور کتاب المغازی کے مصنف ہیں، ان کا بیان ہے کہ احمد بن حنبل ہر جمعہ کو محمد بن سعد کاتب الواقدی کے پاس حنبل بن اسحاق کو بھیجکر واقدی کی احادیث کے دو جزء منگاتے تھے اور دوسرے جمعہ تک ان کو دیکھ کر واپس کرتے تھے اور دوسرے دو جزء منگاتے تھے، حالانکہ اگر احمد بن حنبل خود محمد بن سعد کے یہاں جاکر ان کا سماع کرتے تو بہتر ہوتا۔

امام حربی نے ان کے بارے میں کہا ہے:

کان الواقدی امن الناس علی اھل الاسلام۔	واقدی مسلمانوں کے سب سے بڑے علمی امانتدار تھے۔

حربی نے یہ بھی کہا ہے:

کان الواقدی اعلم الناس بامر الاسلام واما الجاھلیۃ فلم یعلم منھا شیئاً[2]	واقدی اسلامی امور کے سب سے بڑے عالم تھے اور جاہلیت کے بارے میں انکو کچھ علم نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

بغداد جانے سے پہلے واقدی مدینہ میں مسجد نبوی میں باقاعدہ مغازی کا درس دیتے تھے یوسف بن ابراہیم سمتی کا بیان ہے کہ ہم نے دیکھا کہ واقدی مسجد نبوی کے ایک ستون کے پاس درس دے رہے ہیں پوچھا کہ کس چیز کا درس دے رہے ہیں؟ تو کہا کہ جزء من المغازی یعنی مغازی کے ایک حصہ کا۔

---

[1] الفہرست ص۱۴۳۔ [2] تاریخ بغداد ج۳ ص۵

سمتی ، ری کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے واقدی سے کہا کہ بعض لوگ بہت سے راویوں کی سندوں کو یکجا کر کے مشترک واقعات کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں جس سے روایات میں تمیز نہیں ہوتی ہے بہتر ہو کہ آپ ہر راوی کی روایت کو اس کی سند سے علیحدہ علیحدہ بیان کریں ، واقدی نے جواب دیا کہ ایسی صورت میں بہت طوالت ہوگی ، ہم نے اس پر رضامندی ظاہر کی تو ایک ہفتہ کے بعد مجلس درس میں آئے ، اور اپنے ساتھ صرف غزوہ احد کے بارے میں بیس اجزاء اور بعض روایت میں ہے کہ سو اجزاء لکھ کر لائے ، یہ دیکھکر ہم نے کہا کہ آپ حسب سابق تمام رواۃ واسناد کو یکجا کر کے مختصر طور سے بیان کیا کریں[۱]۔

واقدی عام طور سے قریب اللفظ اور قریب المعنی روایتوں کو ان کی سندوں کے ساتھ الگ الگ بیان نہیں کرتے ہیں بلکہ راویوں کے نام لے کر واقعہ بیان کرتے ہیں جو محدثین کے طریقہ کے خلاف ہے ۔ کیونکہ وہ ہر راوی کی روایت کو اسی کی سند سے بیان کرتے ہیں اور اس کو مستقل حدیث قرار دیتے ہیں ، یہ انکی شدت احتیاط ہے مگر مورخین ایسا نہیں کرتے ہیں ، واقدی کے خاص تلمیذ اور کاتب محمد بن سعد نے بھی طبقات کی کتاب المغازی میں ایسا ہی کیا ہے ۔

واقدی کا بیان ہے کہ میں صحابہ اور شہداء کی اولاد میں اور انکے موالی میں سے جس کو پاجاتا اس سے دریافت کرتا کہ کیا آپ نے اپنے خاندان کے کسی شریک غزوہ سے کوئی خبر سنی ہے اور اگر کوئی شہید ہوا ہے تو کہاں ؟ اور جب کوئی بات معلوم ہوتی تو جائے وقوع پر جاکر تحقیق کرتا تھا ۔ چنانچہ میں نے مریسیع جاکر وہاں کا منظر دیکھا ۔ اسی طرح جس غزوہ کے بارے میں کوئی بات معلوم ہوتی خود جاکر وہاں کا معائنہ کرتا تھا ، ہارون قروی کہتے ہیں کہ میں نے واقدی کو مکہ میں دیکھا کہ پانی کا برتن لئے کہیں جارہے ہیں ، میں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے ؟ بولے حنین جانا چاہتا ہوں تاکہ غزوہ حنین کی جائے وقوع اور اسکی نوعیت معلوم کروں[۲]۔

۱ے تاریخ بغداد ج ۳ ص ۷ ۔ ۲ے ایضاً ج ۳ ص ۳

واقدی کی سیر و مغازی میں مہارت و علمیت کا اندازہ ایک روایت کے بارے میں ان کے نقد سے ہوتا ہے محمد بن عبد اللہ انصاری کی روایت میں ہے کہ حارث بن ہشامؓ عکرمہ بن ابی جہلؓ اور عیاش ابن ابی ربیعہؓ جنگ یرموک میں زخمی ہو کر پاس پاس پڑے تھے، اسی حال میں حارث بن ہشام نے پانی طلب کیا، جب پانی لایا گیا تو عکرمہ بن ابی جہل نے حارث کی طرف دیکھا اور انھوں نے کہا کہ پہلے عکرمہ کو پانی پلاؤ، جب عکرمہ کے پاس پانی لے کر گئے تو انھوں نے عیاش بن ابی ربیعہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ پہلے عیاش بن ابی ربیعہ کو پانی دو پانی پلانے والا ایسی حالت میں کسی کے پاس نہ پہنچ سکا اور تینوں حضرات جاں بحق ہو گئے۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ واقدی سے بیان کیا تو انھوں نے اس کا شدت سے انکار کیا اور کہا کہ تمام علمائے سیر اس پر متفق ہیں کہ عکرمہ بن ابی جہل بعہد صدیقی جنگ اجنادین میں شہید ہوئے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور عیاش بن ابی ربیعہ کا انتقال مکہ میں ہوا، اور حارث بن ہشام ملک شام میں ۱۸ھ میں عمواس طاعون میں فوت ہوئے [1]

واقدی مدینہ میں ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور پچاس سال تک یہاں رہ کر تحدیث و روایت کی خدمت انجام دیتے رہے۔ ذریعۂ معاش کے طور پر گندم کی تجارت کرتے تھے۔ جس میں آخر میں بہت زیادہ نقصان ہوا، اسی حال میں جود و سخا اور دریا دلی زور پر رہی، آخر ۱۸۰ھ میں بغداد جانا پڑا اور کم و بیش ستائیس سال تک وہاں رہ کر ذوالحجہ ۲۰۷ھ میں انتقال کیا۔

بغداد جانے کا سبب خود یوں بیان کرتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید حج کے بعد مدینہ آیا اور یحییٰ بن خالد سے کہا کہ ایسے عالم کو تلاش کرو جو مدینہ کے مشاہد، متبرک مقامات شہدا کے مقابر اور نزول وحی وغیرہ کے بارے میں معلومات رکھتا ہو، لوگوں نے میرا نام بتایا

---

[1] العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین ج ۴ ص ۳۲۔

اور یحییٰ بن خالد نے آدمی بھیجکر مجھے عصر کے بعد بلوایا، اور کہا کہ شیخ ! امیرالمومنین چاہتے ہیں کہ آپ عشار کی نماز ہمارے ساتھ ادا کریں، اس کے بعد ہمارے ساتھ چل کر یہاں کے مشاہد و مقامات کے بارے میں معلومات دیں، چنانچہ میں عشار کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرکے باہر نکلا تو دیکھا کہ دو شخص سواری پر کھڑے ہیں اور سامنے روشنی ہو رہی ہے، یحییٰ بن خالد نے مجھے بلایا، میں نے ان دونوں کو ساتھ لے جاکر مسجد نبوی کے مقدس مقامات دکھائے، دونوں نے مقام جبرئیل پر دو رکعت نماز ادا کرکے دعار کی، اس کے بعد میں ان کو لے کر رات بھر مدینہ کے مشاہد و مقابر کی زیارت کراتا رہا اور وہ دونوں ہر متبرک مقام پر دو رکعت نماز پڑھ کر دعا، مانگتے رہے۔ اور جب مسجد نبوی میں پہنچے تو فجر کی اذان ہو رہی تھی، اس کے بعد ہارون رشید نے مجھے دس ہزار دینار دینے کا حکم دیا[1]

واقدی ۱۸۰ھ میں بغداد گئے، جہاں انکو بڑی شان وشوکت کی زندگی ملی، بغداد کے قاضی بنائے گئے، انھوں نے کتاب المغازی کہاں لکھی ؟ اس کی تصریح نہیں ملتی ہے بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تدوین مدینہ میں ہوئی، درمیان میں کچھ دنوں شام میں بھی رہے ہیں۔

ذوالحجہ ۲۰۷ھ میں بغداد میں انتقال ہوا، اس وقت عہدۂ قضا پر تھے مگر سخاوت اور کشادہ دستی کی وجہ سے کفن کا انتظام بھی نہ ہو سکا اور خلیفہ مامون نے کفن بھیجا۔

واقدی کے یہاں دو آدمی ان کی کتابیں لکھنے اور نقل کرنے پر مقرر تھے، وفات کے بعد چھ سو بورے کتابیں چھوڑیں، ہر بورے میں دو آدمیوں کے بوجھ بھر کتابیں تھیں جب وہ بغداد کے مغربی علاقے سے مشرقی علاقے میں منتقل ہوئے تو ایک سو بیس اونٹ پر ان کی کتابیں لادی گئیں، ایک مرتبہ انکی کچھ کتابیں دو ہزار دینار میں فروخت ہوئیں[2]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۴۲۵ و ۴۲۶ - [2] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲ الفہرست ص ۱۴۴ -

واقدی کی کتاب المغازی ہر دور میں علماء و محدثین کے نزدیک معتبر و مستند رہی ہے اور انھوں نے کتب حدیث کی طرح اس کی سماعت و روایت کی ہے، محمد بن عباس خزاز بغدادی متوفی ۳۸۲ھ ابن حیویہ کی کنیت سے مشہور ہیں۔ انھوں نے بڑی بڑی کتابوں کی روایت کی ہے جن میں ابن سعد کی کتاب الطبقات، مغازی واقدی اور مغازی سعید اموی بھی شامل ہے[1]

احمد بن محمد بن علی دبوسی کہتے ہیں کہ حافظ عبدالعزیز بن محمد نخشبی نے پندرہ دن میں مغازی واقدی کا سماع کیا جس کا اکثر حصہ ان کے پاس لکھا ہوا تھا، اور ہم نے مغازی واقدی کی روایت ابوبکر کاغذی، عن ابیہ، عن والدہ، عن محمد بن شجاع، عنہ کی ہے[2]

حسن بن جہم تیمی اصفہانی متوفی ۲۹۰ھ نے کتاب المغازی کی روایت حسین بن فرح سے کی اور انھوں نے واقدی سے کی تھی[3]

نصوح بن واصل درازانی متوفی ۳۴۳ھ نے ابوحفص قتیبہ بن احمد بخاری سے مغازی واقدی کا سماع کیا تھا[4]

واقدی کی کتاب المغازی تین بار چھپ چکی ہے، پہلی بار ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۵ء) شائع ہوئی، دوسری بار مصر سے معمولی کاغذ و طباعت کیساتھ شائع ہوئی اور تیسری بار ۱۹۶۴ء میں اس کا نہایت شاندار ایڈیشن تین ضخیم جلدوں میں ڈاکٹر مارسدن جونس کی تعلیق و تحقیق کے ساتھ دارالمعارف قاہرہ سے شائع ہوئی، میں نے تینوں ایڈیشن دیکھے ہیں۔

واقدی کے بارے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں اور ان کی مدح کے ساتھ قدح میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی، مگر یہ عجیب بات ہے کہ سیر مغازی، انساب، اخبار، تاریخ

---

[1] الانساب ج ۵ ص ۱۱۱، [2] ایضاً ج ۶ ص ۲۱۔ [3] ایضاً ج ۱۳ ص ۲۵۳۔ [4] ایضاً ج ۱۲ ص ۳۰

رجال، طبقات اور حدیث کے تقریباً تمام مصنفین ان کے محتاج ہیں اور واقدی کے اقوال و روایات کے بغیر ان کی کتاب مکمل نہیں ہوتی ہے۔ خاص طور سے ان کے شاگرد محمد بن سعد کے ذریعہ ان کی روایتوں کو آنکھ بند کر کے قبول کر لیتے ہیں اور استاذ کو کذاب اور داستان گو کہتے ہیں، کچھ لوگوں نے فتوح الشام اور فتوح مصر وغیرہ کو واقدی کی کتاب سمجھ کر اور ان میں سب غلط واقعات پر مستشرقین کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر واقدی کو سب کچھ کہہ اور لکھ دیا جو ایک پھکڑ داستان گو کو کہا اور لکھا جا سکتا ہے اور اب وہی مستشرقین تحقیق کر کے اقرار کرتے ہیں کہ یہ کتابیں واقدی کی طرف غلط منسوب ہیں اور انکی تصنیف نہیں ہیں۔

یہاں تک تو درست ہے کہ دوسرے علماء سیر و مغازی اور اہل اخبار و احداث کی طرح واقدی بھی احکام میں حجت نہیں ہیں، اگر کسی عالم نے ان کو ضعیف و کذاب کہا ہے تو اسی کے مرتبے کے دوسرے عالم نے انکو امیر المومنین فی الحدیث بھی کہا ہے۔

واقدی کی کتاب المغازی میں ہجرت کے بعد سے وصال نبوی تک کے غزوات و سرایا کا تذکرہ ہے، یعنی انکی کتاب صرف مغازی پر ہے، کتاب المغازی کے آخر میں ابو محمد معتمر بن سلیمان تیمی بصری متوفی ۱۸۷ھ کا قول ابو یزید محمد بن عبد الاعلیٰ صنعانی سے منقول ہے کہ میں نے اپنے والد سے واقدی کی کتاب المغازی کے بارے میں یہ کہتے ہوئے سُنا ہے کہ

ما اعلم بعد القرآن کتاباً اصح	میں قرآن کے بعد اس کتاب السیرۃ سے
ولا احفظ من ھذہ السیرۃ[1]	زیادہ صحیح اور مستند کوئی کتاب نہیں جانتا

ابو معتمر سلیمان بن طرفان تیمی بصری کا انتقال ۱۴۳ھ میں ہوا اس وقت واقدی بارہ تیرہ سال کے تھے۔ غالباً خود ان کے صاحبزادے کا یہ قول ہے۔

ہشام بن عروہ اسدی مدنی رح

ابو المنذر ہشام بن عروہ بن زبیر بن عوام اسدی مدنی متوفی ۱۴۶ھ رحمۃ اللہ علیہ صاحب المغازی

---

[1] کتاب المغازی ص ۴۳۳ (کلکتہ)

عروہ بن زبیر کے صاحبزادے اور انکی احادیث کے راوی ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے انکے سر پر اپنا دست شفقت پھیرا اور دعا دی ہے، نیز وہ حضرت سہل بن سعدؓ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالکؓ کی دید و زیارت سے شرف یاب ہیں، ان کا خاندان حدیث و فقہ، سیر و مغازی اور اخبار و انساب کا مرکز رہا ہے۔

ان کے تلامذہ میں محمد بن اسحاق اور معمر بن راشد مغازی کے مصنف ہیں نیز امام مالک، عبداللہ بن مبارک اور بہت سے ائمہ دین ان کے تلامذہ میں ہیں، بعد میں ہشام بن عروہ اور محمد بن اسحاق کے تعلقات خوشگوار نہیں رہے، ابن اسحاق نے ان کی بیوی فاطمہ بنت منذر سے روایت کی ہے مگر ہشام بن عروہ شدت سے اس کا انکار کرتے تھے، حالانکہ اس دور میں صحابیات اور تابعیات سے پس پردہ روایت کا عام رواج تھا اسی طرح ان کے والد کے پروردہ ابوالاسود یتیم عروہ سے بھی ان کے تعلقات اچھے نہیں تھے اور بعض اوقات دونوں میں سال سال بھر ہمکلامی نہیں ہوتی تھی[1]

ہشام بن عروہ نے اپنے والد سے مغازی کی تعلیم حاصل کی تھی، مگر ان کی کتاب المغازی کی روایت ابوالاسود یتیم عروہ نے مصر میں کی۔

ولید بن کثیر مخزومی مدنیؒ

ابو محمد ولید بن کثیر مخزومی مدنی متوفی ۱۵۱ھ رحمۃ اللہ علیہ حدیث و مغازی کے ثقہ عالم تھے، مغازی میں ابن شہاب زہری سے تلمذ رکھتے تھے ان کے تلامذہ میں ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری اور محمد بن عمر واقدی مغازی کے عالم و مصنف ہیں، ولید بن کثیر کو مغازی سے خصوصی شغف تھا اور وہ اس علم کی تلاش و جستجو میں رہا کرتے تھے۔ ابراہیم بن سعد کا بیان ہے:

کان الولید بن کثیر ثقۃ ؒ ولید بن کثیر ثقہ محدث، مغازی کے جویا اور

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۶ و ج ۱۱ ص ۵

متتبعًا للمغازی حریصًا علی علمھا۔ علم مغازی کے حریص تھے۔

ابن سعد نے لکھا ہے:

کان لہ علم بالسیرۃ والمغازی[2] ان کے پاس سیر اور مغازی کا علم تھا۔

اور ذہبی نے بیان کیا ہے:

وکان عارفًا بالمغازی والسیر وہ مغازی اور سیر کے عالم و عارف تھے

ولکنہ اباضی[3] مگر اباضی یعنی خارجی تھے۔

انھوں نے مدینہ سے کوفہ آکر مستقل سکونت اختیار کرلی تھی اور یہیں ۱۴۱ھ میں انتقال کیا۔

عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز حنیفی مدنیؒ

عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز حنیفی مدنی متوفی ۱۶۲ھ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو امامہ اسعد بن سہل بن حنیف رضؓ کی اولاد سے ہیں، اسی لئے حنیفی اور امامی کی نسبت سے مشہور ہیں، بعض لوگوں نے ان کو حضرت عثمان بن حنیفؓ کی اولاد سے بتایا ہے، ان کے شیوخ میں ابن شہاب زہری اور عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن حزم انصاری مغازی کے مصنف و عالم ہیں، اور ان کے تلامذہ میں محمد بن عمر واقدی مصنفِ مغازی ہیں، کثیر الحدیث محدث اور سیر کے عالم ہیں، آنکھوں سے معذور تھے، ابن سعد اور ابن حجر نے لکھا ہے:

کان کثیر الحدیث، وکان عالماً بالسیرۃ وغیرھا[1] وہ کثیر الحدیث محدث اور سیر وغیرہ کے عالم تھے۔

اور امیر ابن ماکولا کا بیان ہے۔

کان ذاھب البصر، کثیر الحدیث ان کی بینائی چلی گئی تھی، کثیر الحدیث

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۴ قسم ۲ ص ۱۱۳، [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۳۴، [3] العبر ج ۱ ص ۲۱۱۔ [1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۰۲

عالمًا بالسیرۃ، ؎۱ سیرت کے عالم تھے۔

سنہ ۱۶۲ھ میں ستر سال سے زائد عمر میں انتقال ہوا۔

اسماعیل بن ابراہیم اسدی مدنی

ابو اسحاق اسماعیل بن ابراہیم بن عقبہ بن ابو عیاش قرشی اسدی مطرقی مدنی متوفی سنہ ۱۶۹ھ رحمۃ اللہ علیہ مولیٰ آل زبیر اور مصنف مغازی موسیٰ بن عقبہ کے بھتیجے ہیں، ان کے اساتذہ میں موسیٰ بن عقبہ، عروہ بن زبیر، اور ہشام بن عروہ اور تلامذہ میں محمد بن اسحاق اور واقدی مغازی کے عالم و مصنف ہیں۔

ان کے والد تین بھائی تھے، ابراہیم بن عقبہ، محمد بن عقبہ اور موسی بن عقبہ اور تینوں بھائیوں کے درس کے حلقے مسجد نبوی میں علٰحدہ علٰحدہ ہوا کرتے تھے۔

اسماعیل بن ابراہیم اپنے چچا موسی بن عقبہ سے ان کی کتاب المغازی کے راوی ہیں اور انکی روایت سے اس کتاب کا درس دیتے تھے، ابن سعد کا بیان ہے:

وکان یحدث بالمغازی عن عمّہ موسی بن عقبۃ ؎۲۔ وہ اپنے چچا موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے مغازی بیان کرتے تھے۔

ان کا انتقال مدینہ منورہ میں سنہ ۱۶۹ھ میں ہوا۔

عبداللہ بن جعفر مخزومی مدنی

ابو محمد عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمٰن بن مسور بن مخرمہ قرشی مدنی متوفی سنہ ۱۷۰ھ رحمۃ اللہ علیہ حدیث و فقہ اور مغازی کے بہت بڑے عالم تھے اپنے علم و فضل کی وجہ سے عہدۂ قضاء کے مستحق تھے مگر اہل علم کا خیال ہے کہ چونکہ انھوں نے بنی امیہ کے خلاف محمد بن عبداللہ بن حسن کے ساتھ خروج کیا تھا اس لئے نظر انداز کر دیئے گئے۔ ابن حجر نے ان کے حال

؎۱ الاکمال ج ۳ ص ۳۔ ؎۲ طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۱۲۔ ؎۳ تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۷۲۔

میں لکھا ہے :

کان من رجال اھل المدینۃ، علمنا بالمغازی والفتویٰ [1]	وہ مغازی اور فتویٰ کے علم میں اہل مدینہ کے علمائے کبار میں سے تھے ۔

۱۸۰ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے ۔

یعقوب بن ابراہیم زہری مدنی

ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن ابن عوف زہری عوفی مدنی متوفی ۲۰۸ھ رحمۃ اللہ علیہ حدود ۱۸۱ھ میں اپنے والد کے ساتھ مدینہ سے بغداد چلے گئے اور آخری ایام تک وہیں رہے ۔ ان کو سیر ومغازی سے خاص تعلق تھا اور مغازی کی روایت اپنے والد ابراہیم بن سعد سے کرتے تھے ۔ ابن سعد نے لکھا ہے :

وکان یروی عن ابیہ المغازی وغیرھا [2]	وہ اپنے والد سے مغازی وغیرہ کی روایت کرتے تھے ۔

یحیٰی بن معین نے بھی ان سے مغازی کی روایت کی ہے ، ان کا بیان ہے :

سمعتُ المغازی من یعقوب ابراھیم بن سعد [3]	میں نے یعقوب بن ابراہیم بن سعد سے مغازی کا سماع کیا ہے ۔

ایک مرتبہ یحیٰی بن معین سے سوال کیا گیا کہ کیا یعقوب بن ابراہیم نے اپنے والد سے مغازی کی روایت عرضاً کی ہے ؟ تو انھوں نے کہا کہ ہاں ان کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عرض کے طور پر روایت کی ہے ، کیونکہ اہل مدینہ کے نزدیک سماع اور عرض دونوں برابر ہیں [4]

محدثین کے نزدیک حدیث کی روایت کے دو طریقے ہیں ایک سماع یعنی شیخ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۶۲ ، [2] طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۲۴۳ ، [3] الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۲۰۲ قسم ۲ ، [4] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۶۸

اپنی حدیث خود پڑھے اور طلبہ سنیں، ایسی صورت میں طلبہ حدثنا، اخبرنا، انبانا کے الفاظ سے اس کی روایت کریں گے، اور دوسرا عرض ہے یعنی طلبہ اپنے شیخ کو حدیث پڑھکر سنائیں، ایسی صورت میں طلبہ قرأت علی فلان قرئ علیہ وانا اسمع، حدثنا، اخبرنا قراءۃً علیہ کے الفاظ سے روایت کریں گے۔

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ یعقوب بن ابراہیم نے اپنے والد کے سامنے ان کی کتاب المغازی پڑھ کر ان سے روایت کی ہے۔

ابراہیم بن منذر حزامی مدنیؒ

ابو اسحاق ابراہیم بن منذر بن عبد اللہ بن منذر بن مغیرہ بن عبد اللہ بن خالد بن حزام بن خویلد بن اسد حزامی، اسدی، مدنی، متوفی ۲۳۶ھ رحمۃ اللہ علیہ مغازی کے مشہور عالم اور عبد اللہ بن وہب مصری کی کتاب المغازی کے راوی ہیں۔ ان کا شمار امام مالک کے اجلّہ تلامذہ میں ہوتا ہے۔

انھوں نے امام مالک کے علاوہ عبد اللہ بن وہب مصری، سفیان بن عیینہ، ولید بن مسلم اور معن بن عیسیٰ وغیرہ سے روایت کی ہے، اور ان سے یحییٰ بن معین، امام بخاری ابن ماجہ، عثمان بن سعید دارمی، بقی بن مخلد، ابوزرعہ اور ابوحاتم نے روایت کی ہے، عثمان بن سعید دارمی کا بیان ہے کہ:

رأیت یحیی بن معین یکتب عن ابراھیم بن المنذر احادیث ابن وھب ظننتہا المغازی [1]	میں نے دیکھا ہے کہ یحییٰ بن معین ابراہیم بن منذر سے عبد اللہ بن وہب کی احادیث لکھ رہے ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ مغازی ہیں۔

ابراہیم بن منذر کا انتقال ۲۳۶ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا۔

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱ ص ۱۳۹، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۶۷۔

باب چہارم

مختلف شہروں کے علمائے سیر و مغازی اور مصنفین

اسلامی فتوحات کے بعد حضرات صحابہ عالم اسلام کے مختلف ملکوں اور شہروں میں پھیل گئے اور انھوں نے اپنے اپنے حلقہ میں کتاب وسنت اور فقہ وفتوی کی تعلیم وتدریس اور احادیث وآثار کی روایت وتحدیث کا سلسلہ جاری کیا، ان کے بعد ان کے تلامذہ اور منتسبین نے اس سلسلہ کو جاری رکھ کر تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی رکھا اور حدیث وفقہ کی طرح سیر و مغازی میں کتابیں لکھیں، چنانچہ دوسری صدی کے وسط میں پورے عالم اسلام کے ہر مرکزی شہر میں علمائے سیر ومغازی نے بھی کتابیں تصنیف کرکے اپنے پیش رو بزرگوں کے کام کی تکمیل کی۔

کوفہ کے علمائے سیر و مغازی اور مصنفین

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۱۷ھ میں کوفہ آباد ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے عراق کا سب سے اہم دینی وعلمی اور فکری مرکز بن گیا، اجلۂ صحابہ یہاں اقامت پذیر ہوئے، جن کے فیوض و برکات سے کوفہ کے گلی کوچے معمور تھے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذات مرجع بنی، اور جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کی حیثیت دارالخلافہ کی ہوئی تو اس کی علمی ودینی مرکزیت اور بڑھ گئی اور یہ شہر حدیث کے ساتھ فقہ وفتوی کا دارالعلوم بن گیا، ہمارے علم میں کوفہ میں

سب سے پہلے امام شعبی نے مغازی پر کتاب تصنیف کی، جس کا ذکر انھوں نے کتاب الفتح کے نام سے کیا ہے۔

کتاب الفتح عامر بن شراحیل شعبی کوفی رح

ابو عمرو عامر بن شراحیل شعبی حمیری کوفی متوفی ۱۰۵ھ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب یمن کے ملوک حمیر کی شاخ ہمدان سے ملتا ہے، انھوں نے حضرت علیؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت سعید بن زیدؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت جابر بن عبداللہؓ اور بہت سے اجلّہ صحابہ اور صحابیات سے روایت کی ہے، امام شعبی کا بیان ہے کہ میں نے پانچ سو صحابہ کا زمانہ پایا ہے، ان کا حافظہ بہت قوی تھا، کہتے ہیں کہ میں نے کبھی سفید کو سیاہ نہیں کہا، جس عالم نے کوئی حدیث بیان کی میں نے یاد کرلیا، اور کسی نے کوئی حدیث بیان کی تو اس کا اعادہ نہیں چاہا، صحابہ کے بعد اپنے زمانہ میں دینی علوم کا مرجع تھے، اسی کے ساتھ اموی خلفاء و امراء سے تعلق رکھتے تھے، تقریباً دس سال تک عجم کی فتوحات میں شریک رہے، عبدالملک بن مروان نے ان کو شاہ روم کے دربار میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا، حجاج بن یوسف نے بامیان (افغانستان) کے راجہ رتبیل کے پاس سفارت میں بھیجا مگر ۸۱ھ میں حجاج بن یوسف کے مظالم کے خلاف ابن اشعث کی زیر قیادت قرّاء و علماء کے ساتھ میدان میں آگئے اور ۸۳ھ میں شکست کے بعد دوسرے شرکاء کی طرح نو ماہ تک اپنے مکان میں روپوش رہے۔

اس سے پہلے ۶۶ھ میں مختار بن ابو عبید ثقفی نے کوفہ پر غلبہ حاصل کر کے بہت سے لوگوں کو قتل کیا، تو امام شعبی آٹھ ماہ تک مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے یہاں مقیم رہے۔

انھوں نے غزوات و فتوحات پر کتاب الفتوح لکھی تھی، جس کا ذکر خود کیا ہے۔
کہتے ہیں کہ جس زمانے میں حجاج بن یوسف کے خوف سے اپنے مکان میں روپوش تھا،

اعلان ہوا کہ جو شخص خراسان کی مہم پر قتیبہ بن مسلم باہلی کے ساتھ نکلے گا اس کو امان ہے، اس اعلان کے بعد میں بھی اس مہم میں شریک ہوگیا قتیبہ بن مسلم فرغانہ آیا اس وقت میں خفیہ طور سے اس کی فوج میں تھا، ان کا بیان ہے:

فلم ازل مع قتیبة حتی اتینا فرغانة، فجلس ذات یوم قد برز فنظرت الیه، فقلت: ایها الامیر عندی علم، قال: ومن انت؟ قلت: اعیذك لا تسألنی عن ذلك، فعرف انی ممن یخفی نفسه، فدعا بکتاب، فقال: اکتب۔ یعنی مسودة۔ قلت: لست ممن یحتاج، فجعلت املی علیه، وهو ینظر حتی فرغ من کتاب الفتح۔ [1]	میں قتیبہ کے لشکر میں فرغانہ آیا، ایک دن اس نے دربار عام کیا، میں نے اس کو دیکھکر کہا: اے امیر! میرے پاس علم ہے، اس نے پوچھا تم کون ہو؟ میں نے کہا کہ یہ نہ پوچھئے وہ سمجھ گیا کہ میں بھی روپوشوں میں سے ہوں۔ اس نے دفتر منگا کر کہا کہ اس میں لکھو یعنی اپنے علم کا مسودہ تیار کرو، میں نے کہا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، پھر میں اسکے کاتب کو املا کرانے لگا اور وہ دیکھ رہا تھا یہانتک کہ کاتب کتاب الفتح لکھ کر فارغ ہوا۔

قتیبہ بن مسلم نے ۹۴ھ میں فرغانہ شہر کا محاصرہ کیا اور اس کے قلعہ جات فتح کرکے وہاں کے گھوڑے ملک شام بھیجے تھے[2] اسی وقت امام شعبی نے کتاب الفتوح کا زبانی املاء کرایا تھا، جس کو اس سے پہلے لکھ چکے تھے، اس لئے انھوں نے ابتدائی مسودہ لکھنے کی بجائے اپنی لکھی لکھائی کتاب کا املاء کرادیا ان کا حافظہ بہت قوی تھا بقول خود انھوں نے کبھی کاغذ اور سیاہی سے سروکار نہیں رکھا بلکہ ان کا تمام علم زبانی تھا اس لئے بلا تکلف

---

[1] تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۸۱، ص ۸۲۔ [2] تاریخ خلیفہ بن خیاط ج ۱ ص ۳۰۴

کتاب الفتح کا املا کرا دیا۔ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب ۱۰۶ھ میں مدینہ منورہ میں لکھی تھی جب کہ وہ آٹھ ماہ تک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مکان میں مقیم تھے اور مغازی کا درس دیتے تھے۔

انھیں دنوں کا واقعہ ہے کہ شعبی اپنے حلقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغازی کی بیان کر رہے تھے۔ حضرت ابن عمرؓ بھی وہاں موجود تھے، انھوں نے کہا کہ یہ اس طرح مغازی بیان کر رہے ہیں جیسے مجاہدین کے ساتھ موجود تھے۔[۱]

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ ابن عمرؓ نے شعبی کو مغازی بیان کرتے ہوئے سنا تو کہا کہ گویا یہ ان غزوات میں ہمارے ساتھ تھا۔[۲] ایک اور روایت میں ہے کہ شعبی مغازی بیان کر رہے تھے، ابن عمرؓ نے گذرتے ہوئے سنا تو کہا کہ شعبی مغازی کا مجھ سے زیادہ حافظ ہے اگرچہ میں غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہا ہوں۔[۳]

اس سے امام شعبی کی فن مغازی میں مہارت اور وسعت معلومات کے ساتھ ان کے انداز بیان کا بھی پتہ چلتا ہے کہ کتنا دلنشیں اور جامع ہوتا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ انھیں ایام میں انھوں نے مغازی کے درس کے ساتھ اس کی تدوین بھی کی ہو اور اسی سے فتح مکہ کی تفصیل املا کرائی ہو۔ یقینی طور سے معلوم نہیں کہ کتاب الفتح سے کون سی فتوحات مراد ہیں، اور یہ کتاب امام شعبی نے کس وقت لکھی تھی۔

ابن ہشام نے اپنی سند سے امام شعبی کی تین روایات، اسلام ابو العاص بن ربیع بیعت رضوان اور قدوم مہاجرین حبشہ کے بارے میں درج کی ہیں۔[۴]

خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں شعبی سے آٹھ نو روایات نقل کی ہیں جو خلافت راشدہ کی فتوحات اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محاربات سے متعلق ہیں، اخبار و اسرات میں امام شعبی کے

---

[۱] کتاب الآثار قاضی ابو یوسف، صفحہ ۲۱۲، [۲] تاریخ بغداد جلد ۱۲ صفحہ ۲۳۰ [۳] تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۶۶ [۴] سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۵۹، ۳۲۰، ۳۱۲ و صفحہ ۳۵۹

خصوصی راوی مجالد بن سعید کوفی ہیں ۔

کتاب السیرۃ مجالد بن سعید ہمدانی کوفی ؒ

ابو عمرو مجالد بن سعید بن عمیر ذی مُرّان بن شرحبیل ہمدانی کوفی متوفی ۱۴۴ھ رحمۃ اللہ علیہ سیر و مغازی کے عالم و مصنف ہیں ، امام شعبی سے کثرت روایت کی وجہ سے صاحب الشعبی کہے جاتے ہیں ، انکے دادا عمیر ذومرّان کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتی مکتوب روانہ فرمایا تھا ، مجالد کہتے ہیں کہ یہ مکتوب ہمارے یہاں محفوظ ہے [1] انھوں نے امام شعبی کے علاوہ قیس بن ابو حازم ، محمد بن بشر ہمدانی وبرہ بن عبدالرحمن وغیرہ سے روایت کی ہے اور اُن سے ہشیم بن بشیر ، سفیان ثوری ، سفیان بن عیینہ ، عبداللہ بن مبارک ، یحیٰی بن سعید قطان ، قاضی ابو یوسف وغیرہ نے روایت کی ہے ہیثم بن عدی ان کے خصوصی راوی ہیں ، آخری عمر میں ان کے ضعف حافظہ کی وجہ سے اس دور کی روایات ضعیف مانی گئی ہیں ۔

ابن قتیبہ نے ان کو نسابہ یعنی ماہر انساب بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ زیادہ تر اخبار و احداث کی روایت کرتے ہیں ۔

مجالد بن سعید نے کتاب السیرۃ لکھی تھی جس کی روایت جریر بن حازم نے کی تھی اور ان سے انکے لڑکے وہب بن جریر نے کی اور وہب سے اہل علم نے اسکی روایت کی ۔

ایک مرتبہ یحیٰی بن سعید قطان نے اپنے بعض تلامذہ سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ :

اذهب الى وهب بن جرير اكتب السيرة عن ابيه ، عن مجالد ۔	وہب بن جریر کے پاس جاتا ہوں کتاب السیرۃ لکھونگا جسکو انھوں نے والد اور انکے والد نے مجالد سے روایت کی ۔

---

[1] المعارف ص ۲۳۳

یحییٰ بن سعید قطان نے کہا کہ تم بہت زیادہ جھوٹ لکھو گے، اگر میں چاہوں تو مجالد بن سعید اس کتاب کی تمام روایات کو عن الشعبی، عن مسروق، عن عبداللہ کی سند سے بیان کر دیں گے۔[1]

ابن ندیم نے ان کو محدث اور راوی اخبار بتایا ہے اور لکھا ہے کہ ہشیم بن عدی نے ان سے بہت زیادہ روایت کی ہے۔ امام شعبی کی اخبار و احداث اور فتوحات کے متعلق اکثر روایتیں مجالد بن سعید سے مروی ہیں۔

کتاب المغازی زیاد بن عبداللہ بکائی کوفی

ابو محمد زیاد بن عبداللہ بن طفیل بکائی عاجری کوفی، متوفی ۱۸۳ھ رحمۃ اللہ علیہ محمد بن اسحاق کے ارشد و اوثق راوی اور کتاب المغازی کے مصنف ہیں۔

انھوں نے ابن اسحاق کے علاوہ حمید الطویل، عاصم الاحول، سلیمان الاعمش، حجاج بن ارطاۃ اور دوسرے کئی ائمہ حدیث سے روایت کی ہے، انکے تلامذہ میں احمد بن حنبل، ابو غسان نہدی سعید بن ابان اموی کے علاوہ ابن اسحاق کی کتاب المغازی کے خصوصی راوی اور سیرت ابن ہشام کے مصنف عبدالملک بن ہشام کوفی بصری شامل ہیں۔ بکائی نے ابن اسحاق سے انکی کتاب المغازی کی روایت میں بڑے ایثار و اخلاص سے کام لیا ہے، گھر بار فروخت کر کے ابن اسحاق کے ساتھ ساتھ رہے اور ان سے روایت کی ہے، صالح بن محمد کا بیان ہے:

لیس کتاب المغازی عند احدٍ اصح منہ عند زیاد، وزیاد فی نفسہ ضعیف، ولکن ھو اثبت الناس فی ھذا الکتاب وذلک	زیاد بن عبداللہ بکائی سے زیادہ صحیح کسی کے پاس ابن اسحاق کی کتاب المغازی نہیں ہے زیاد خود ضعیف ہیں مگر اس کتاب کے بارے میں وہ سب سے زیادہ معتبر ہیں کیونکہ انھوں نے

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۳۶۱، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰

انه باع داره وخرج يدور مع ابن اسحاق حتى سمع منه الكتاب[1]

اپنا گھر بار فروخت کرکے ابن اسحاق کے ساتھ ساتھ چکر کاٹا، اور ان سے اس کتاب کا سماع کیا۔

عبداللہ بن ادریس کا بیان ہے کہ ابن اسحاق کے بارے میں زیاد بکائی سے زیادہ کوئی اثبت و مستند نہیں ہے اس لئے کہ ابن اسحاق نے ان کو کتاب المغازی کا املاء دو مرتبہ کرایا تھا ایک مرتبہ حیرہ میں اور دوسری بار اس طور سے کہ ایک قریشی عالم کو ابن اسحاق نے املاء کرایا اور اس بار بھی زیاد بکائی نے املاء کیا انھوں نے اپنے بعض مکانات فروخت کرکے کتاب المغازی لکھی ہے[2]

عثمان بن سعید دارمی کا قول ہے کہ زیاد بکائی سے مغازی کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کے علاوہ میں یہ بات نہیں ہے، ان ہی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے یحییٰ بن معین سے دریافت کیا کہ میں مغازی کس سے حاصل کروں؟ یونس بن بکیر سے روایت کرنے والوں سے یا دوسروں سے؟ تو انھوں نے کہا کہ تم بکائی کے شاگردوں سے مغازی لکھو[3]

وکیع بن جراح کا قول ہے کہ بکائی اس سے بہت اعلیٰ وارفع ہیں کہ جھوٹ بولیں امام احمد بن حنبل کے سامنے بکائی کا ذکر آیا تو کہنے لگے کہ عبداللہ بن ادریس ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے وہ صدوق ہیں سمعانی نے تصریح کی ہے کہ بکائی نے بغداد آکر ابن اسحاق سے مغازی کی روایت کی، اور محمد بن سالم سے اس کو حل کیا، اس کے بعد کوفہ واپس آگئے اور وہیں بزمانۂ ہارون ۱۸۳ھ میں فوت ہوئے[4]

کتاب المغازی۔ یحیٰ بن سعید اموی، کوفی

ابو ایوب یحیٰ بن سعید بن ابان بن سعید بن عاص بن سعید بن امیہ بن عبدالشمس قرشی اموی کوفی متوفی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۷۶۔ [2] الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۲ ص ۵۴۳۔ [3] ایضاً ج ۱ قسم ۲ ص ۵۴۳۔ [4] الانساب سمعانی ج ۲ ص ۲۹۰

سنہ ۱۹۴ھ رحمۃ اللہ علیہ، حافظ حدیث، عالم سیر و مغازی، اور ابن اسحاق کی کتاب المغازی کے راوی اور خود کتاب المغازی کے مصنف ہیں، وطن کوفہ تھا آخری عمر میں بغداد چلے گئے تھے۔

صاحبزادے سعید بن یحییٰ نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ میرے بھائی محمد بن سعید اور عوفی نے ابن اسحاق سے کتاب المغازی کی روایت سماعاً کی ہے اور میں، قاضی ابو یوسف اور دوسرے ساتھیوں نے عرضاً روایت کی یعنی ہم نے ابن اسحاق کے سامنے ان کی کتاب المغازی پڑھی ہے، البتہ قاضی ابو یوسف نے تھوڑا بہت سماع کیا ہے[1]

ابن سعد اور خطیب نے تصریح کی ہے کہ انھوں نے محمد بن اسحاق سے مغازی کی روایت کی ہے۔[2] اور ذہبی نے اس میں اتنا اضافہ کیا ہے۔

وحمل المغازی عن ابن اسحاق	انھوں نے ابن اسحاق سے کتاب المغازی پڑھکر
واعتنی بہا، وزاد فیہا اشیاء[3]	خصوصی توجہ دی اور اس میں اضافہ کیا۔

ان کا انتقال نصف شعبان یا شوال سنہ ۱۹۴ھ میں ہوا، انکی کتاب المغازی اہل علم میں بہت بعد تک متداول رہی ہے، چنانچہ محمد بن عباس خزاز ابن حیویہ بغدادی متوفی سنہ ۳۸۲ھ نے طبقات ابن سعد، اور مغازی واقدی کے ساتھ مغازی سعید اموی کی بھی روایت کی ہے[4]

یحییٰ بن سعید کے کئی تلامذہ نے ان کی کتاب المغازی کی روایت کی ہے، ان میں ان کے صاحبزادے سعید بن یحییٰ بن سعید اموی بہت مشہور اور صاحب المغازی ہیں۔

حافظ ابن حجر نے مغازی اموی کا ذکر فتح الباری کتاب المغازی میں متعدد مقامات پر کیا ہے: مثلاً وعند الاموی، وفی مغازی الاموی حدثنی ابی عن ابن اسحاق

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۳۲، [2] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۴۰۲، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۱۳۲ – [3] العبر ج ۱ ص ۳۱۳۔
[4] الانساب سمعانی ج ۵ ص ۱۱۲۔

(صـ۴۷۹) وقد روی الاموی فی المغازی (صـ) ، وذکرہ الاموی فی المغازی (صـ۹) ش عند الاموی ان حمزۃ بن عبد المطلب اول من عقد لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاسلام رایۃ وکذا جزم بہ موسیٰ بن عقبہ وابو معشر والواقدی (صـ)

کتاب المغازی یونس بن بکیر شیبانی کوفیؒ

ابوبکر، یونس بن بکیر بن واصل شیبانی کوفی متوفی ۱۹۹ھ رحمۃ اللہ علیہ مولیٰ بنی شیبان ہیں حافظ حدیث، فقیہ و مورخ اور محمد بن اسحاق کے تلمیذ خاص اور کتاب المغازی کے مصنف ہیں، محکمۂ مظالم کے امیر و حاکم تھے، امراء و حکام سے تعلق رکھتے تھے، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکو الحافظ، العالم، المورخ، صاحب المغازی اور العبر میں الحافظ صاحب المغازی کے القاب سے یاد کیا ہے۔ ؎۱ اور ابن سعد نے لکھا ہے:

وھو صاحب محمد بن اسحاق وصاحب المغازی ؎۲ — وہ ابن اسحاق کے شاگرد اور کتاب المغازی کے مصنف ہیں۔

یونس بن بکیر نے ابن اسحاق سے کتاب المغازی کی روایت کرکے قدماء کے طریقہ پر اس میں دوسری روایات کا اضافہ کیا اور زیادات و اضافات کی وجہ سے ان کی کتاب المغازی کی مستقل حیثیت ہوگئی اور علماء سیر و مغازی اور اہل تواریخ و اخبار نے اس کے ساتھ خصوصی اعتناء کیا۔ خلیفہ بن خیاط متوفی ۲۴۰ھ نے اپنی تاریخ میں ان سے روایت کی ہے مثلاً ۶۴ھ میں یزید بن معاویہ کی وفات کے بیان میں لکھا ہے: قرئ علی ابن بکیر وانا اسمع عن اللیث قال الخ۔ (ج ۱ صـ۲۱) ۷۳ھ میں عبداللہ بن زبیر کی شہادت کے بیان میں لکھتا ہے کہ: قرئ علی ابن بکیر وانا اسمع عن اللیث قال (ج ۱ صـ۳۳۳) ۸۲ھ میں ایک روایت کے

؎۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ صـ۲۹۹، العبر ج ۱ صـ۳۳۱۔ ؎۲ طبقات ابن سعد ج ۶ صـ۳۹۹۔

سلسلہ میں لکھا ہے: قرئ علی ابن بکیر وانا اسمع عن اللیث (ص۲۴۴) ۔ یہ تینوں روایات ایک ہی سند سے ہیں۔

طبری نے اپنی تاریخ میں فتح مکہ کے بارے میں حدثنا ابوکریب قال: اخبرنا یونس بن بکیر، عن ابن اسحاق کی سند سے ڈیڑھ صفحہ میں روایت درج کی ہے۔ (تاریخ طبری ص۱۱۰ ج۳ تا ص۱۱۱)۔

غزوۂ خیبر میں لکھا ہے: فحدثنا ابوکریب قال: حدثنا یونس بن بکیر قال حدثنا المسیب بن مسلم الاودی (، ج۳ ص۱۳)۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب المغازی میں یونس بن بکیر کی کتاب المغازی کا حوالہ دیا ہے مثلاً فاخرج (الحاکم) من طریق یونس بن بکیر، وھو فی المغازی روایۃ من طریق عائشۃ بنت سعد عن ابیھا قال الخ (، ص۳۵۹) ووقع فی روایۃ یونس بن بکیر عن الزھری (، ص۳۶۶) وفی روایۃ یونس بن بکیر فی زیادات المغازی (ص۲۹) وکذا عند یونس (ص۳۹) وکذا ھو فی مغازی ابن اسحاق روایۃ یونس بن بکیر (ص۴۳)۔

یونس بن بکیر کی کتاب المغازی کے دو حصے فاس کے شہر قرومین میں تھے، جن کو محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدرآبادی فرنساوی نے اپنی تحقیق وتعلیق کے ساتھ "سیرت ابن اسحاق" کے نام سے شائع کیا ہے جو کتاب کی ابتداء سے ۲۸۰ صفحات تک ہے۔ اس میں بیشتر روایات براہ راست ابن اسحاق سے ہیں، اسی کے ساتھ دوسرے کئی شیوخ واساتذہ کی روایتیں بھی ہیں جو غالباً کتاب کا چوتھائی حصہ ہیں، ہمارے خیال میں یونس بن بکیر کی اس کتاب کو سیرابن اسحاق سے تعبیر کرنا "للاکثر حکم الکل" کے اعتبار سے صحیح ہوسکتا ہے، ورنہ یہ یونس بن بکیر کی مستقل کتاب ہے جس کو انھوں نے ابن اسحاق کی کتاب المغازی کو اصل قرار دے کر اضافات وزیادات سے مکمل کیا ہے۔ ابن حجر نے ایک مقام پر اسکی

تصریح بھی کردی ہے : وفی روایۃ یونس بن بکیر فی زیادات المغازی ، (فتح الباری ج ۷ ص ۲۹)
اس کے باوجود یہ کیا کم دینی و علمی خدمت ہے کہ ابن اسحاق کی کتاب المبتدأ والبعث والمغازی کا معتد بہ حصہ اصل صورت میں سامنے آگیا ہے اور سیرت ابن ہشام میں جو کمی ہے ، اس کی بڑی حد تک تلافی ہوگئی ہے ۔

کتابُ المغازی ابراہیم بن محمد بن سعید ثقفی کوفی اصبہانی

ابراہیم بن محمد بن سعید بن ہلال ثقفی کوفی اصبہانی متوفی ۲۸۳ھ رحمۃ اللہ علیہ نے اسماعیل بن ابان ، ابونعیم ، عباد بن یعقوب ، اور عباس بن بکار وغیرہ سے روایت کی ، اور ان سے احمد بن علی اصبہانی ، حسین بن علی بن محمد زعفرانی ، محمد بن یزید رطال وغیرہ نے روایت کی ہے ابونعیم نے تاریخ اصبہان میں ان کو غالی رافضی بتایا ہے ، اس لئے ان کے بھائی نے ترک تعلق کرلیا تھا ۔ انھوں نے ایک کتاب " المناقب والمثالب " لکھی ، لوگوں نے کہا کہ تم اس کتاب کو ظاہر کرکے اس کی روایت کرو ، انھوں نے پوچھا کہ کونسا شہر شیعیت میں غلو رکھتا ہے ، لوگوں نے اصبہان کا نام لیا ، انھوں نے کہا کہ اس کتاب کی روایت میں اصبہان میں کروں گا ۔ چنانچہ اصبہان جاکر اس کی روایت کی شمس الدین محمد بن علی داؤدی مصری نے طبقات المفسرین میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی تصانیف میں پہلا نام کتاب المغازی کا لکھا ہے[1]

وکیع بن جراح رؤاسی کوفی

ابوسفیان وکیع بن جراح رؤاسی کوفی متوفی ۱۹۷ھ رحمۃ اللہ علیہ مشہور قائم اللیل صائم النہار محدث وفقیہ ہیں ، امام ابوحنیفہ کے تلمیذ خاص اور ان کے مسلک کے مفتی ہیں وہ مغازی

---

[1] طبقات المفسرین ج ۱ ص ۱۰ و ص ۱۱ ۔

کے بھی ممتاز عالم تھے مشہور امام مغازی ولید بن مسلم دمشقی صاحب کتاب المغازی وکیع کے معاصر تھے ، ان کے بارے میں ابن حجر نے لکھا ہے :

کان الولید اعلم من وکیع بامر المغازی [1]	ولید وکیع سے زیادہ علم مغازی رکھتے تھے ۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ولید بن مسلم اور وکیع بن جراح دونوں معاصر علم المغازی میں نمایاں حیثیت کے مالک تھے ، البتہ ولید بن مسلم وکیع سے آگے تھے اور انھوں نے اس فن میں کتاب لکھی تھی ۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر کوفیؒ

ابوعبدالرحمن محمد بن عبداللہ بن نمیر ہمدانی خارفی کوفی متوفی ۲۳۴ھ رحمۃ اللہ علیہ قبیلہ ہمدان کی شاخ بنو خارف سے تھے جو کوفہ میں آباد تھا ، انھوں نے اپنے والد اور سفیان بن عیینہ ، اسمٰعیل بن علیہ ، عبداللہ بن ادریس اودی ، حفص بن غیاث ، اور محمد بن اسحاق سے روایت کی اور ان سے بخاری ، مسلم ، ابوداؤد ، ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کی ، بڑے باوقار اور علم وفہم ، زہد وسنت اور فقر واستغنا ، کے جامع تھے ، احمد بن حنبل ان کو درۃ العراق اور حسن بن سفیان ریحانۃ العراق کے لقب سے یاد کرتے تھے [2]

حدیث وفقہ کے ساتھ سیر ومغازی کے زبردست عالم اور ابن اسحاق سے ان کی کتاب المغازی کے راوی تھے ۔ ابن ندیم نے محمد بن اسحاق کے ذکر میں لکھا ہے ۔

کتاب السیرۃ والمبتدا والمغازی رواہ عنہ ، ابراھیم بن سعد ، والنفیلی ، واسم النفیلی ، محمد بن عبد اللہ بن نمیر النفیلی ، وتوفی	ابن اسحاق سے انکی کتاب السیرۃ والمبتدا والمغازی کی روایت ابراہیم بن سعد اور نفیلی نے کی ہے ۔ نفیلی کا نام محمد بن عبداللہ بن نمیر نفیلی ہے ، کنیت

---

[1] تہذیب التہذیب ج۱۱ ص۱۵۳ ۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۲۲ ، تہذیب التہذیب ج۹ ص۲۸۳ ، العبر ج۱ ص۴۱۲ ۔

سنة اربع وثلاثين ومأتين بحرّان ويكنى اباعبد الرحمٰن[1]

ابو عبد الرحمٰن ہے، ۲۳۴ھ میں حرّان میں فوت ہوئے۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر ہمدانی خارفی کی نسبت سے مشہور ہیں، کوفہ وطن تھا اور نفیلی کی نسبت سے ابوجعفر عبداللہ بن محمد بن علی بن نفیل حرّانی مشہور ہیں، دونوں کا سنہ وفات ۲۳۴ھ ہے، نام کی تصریح کی وجہ سے یہاں محمد بن عبداللہ بن نمیر خارفی کوفی مراد ہو سکتے ہیں۔

محمد بن علاء ابو کریب ہمدانی کوفیؒ

ابو کریب محمد بن علاء ہمدانی کوفی متوفی ۲۴۸ھ رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک، ہشیم، عمرو بن عبید، محمد بن قاسم محاربی وغیرہ سے روایت کی ہے، یونس بن بکیر سے انکی کتاب المغازی کے راوی ہیں۔ ابن عقدہ کا بیان ہے کہ کوفہ میں ابو کریب سے تین لاکھ احادیث روایت کی گئی ہیں، موسیٰ بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے ابو کریب سے ایک لاکھ احادیث کا سماع کیا ہے۔

ابو کریب یونس بن بکیر سے کتاب المغازی کی روایت کرکے اس کا درس دیتے تھے، محمد بن حسین بن حمید نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ ابو کریب نے ہم لوگوں کو کتاب المغازی کا درس دینا شروع کیا، ایک یا دو سبق پڑھایا تھا کہ بعض طلباء کے شور و شغب کی وجہ سے پڑھانا بند کر دیا اور نہ پڑھانے کی قسم کھالی۔ دوسرے دن جب ہم ان کے یہاں گئے تو انکار کیا اور کہا کہ تم لوگ عبدالجبار عطاردی کے پاس جاؤ۔ وہ ہمارے ساتھ یونس بن بکیر سے کتاب المغازی پڑھتے تھے، اگر وہ نہ ہوں تو ان کے لڑکے احمد بن عبدالجبار عطاردی سے پڑھ لینا۔ چنانچہ ہم طلبۂ حدیث عبدالجبار عطاردی کی تلاش میں

---

[1] الفہرست ص ۱۳۲۔

نکلے، معلوم ہوا کہ ان کا انتقال ہوچکا ہے اور ان کے لڑکے احمد بن عبد الجبار اپنے مکان میں ملے، ہم نے ان سے ابو کریب کا پورا واقعہ بیان کیا، انھوں نے بتایا کہ یونس بن بکیر سے کتاب المغازی پڑھنے کے بعد میں نے پھر اس کو نہیں دیکھا، اس کے بعد اس کا نسخہ نکال کر دیا اور ساتھ ہی نقل کرنے کی اجازت دے دی [1]

احمد بن عبد الجبار عطاردی کوفی

ابو عمر احمد بن عبد الجبار بن محمد بن عطارد بن حاجب بن زرارہ تمیمی عطاردی کوفی متوفی ۲۷۲ھ رحمۃ اللہ علیہ یونس بن بکیر سے ان کی کتاب المغازی کے راوی ہیں، ۱۷۷ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں یونس بن بکیر، عبداللہ بن ادریس ادری، ابوبکر بن عیاش، حفص بن غیاث، وکیع بن جراح وغیرہ سے روایت کی، اور ان سے ابوبکر بن ابی الدنیا، ابوالقاسم بغوی، قاسم بن زکریا مطرز وغیرہ نے روایت کی۔

خطیب نے لکھا ہے:

قدم بغداد وحدث بها عن ...	انھوں نے کوفہ سے بغداد آکر وہاں فلاں فلاں
وعن يونس بن بكير مغازي	اور یونس بن بکیر سے مغازیٔ ابن اسحاق کی
ابن اسحاق [2]۔	روایت کی۔

محمد بن حسین بن حمید کے والد کا بیان اوپر گذر چکا ہے کہ ہم لوگ ابو کریب کی ہدایت کے مطابق احمد بن عبد الجبار عطاردی کے یہاں گئے، اس کے بعد ان کا بیان ہے کہ اس وقت وہ کبوتر بازی کر رہے تھے ہم نے واقعہ بیان کیا تو انھوں نے کہا کہ اس کتاب کے سماع کے بعد میں نے اس کو دیکھا نہیں ہے البتہ کتابوں کی زنبیل میں ہے تم لوگ تلاش کرو، چنانچہ میں نے تلاش کیا تو مل گئی، اس پر کبوتروں کی بیٹ پڑی ہوئی

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۶۳۔ [2] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۶۲۔

تھی اور اس میں قدیم خط میں احمد بن عبد الجبار نے اپنے والد کے ساتھ سماع کی تصریح تھی۔ میرے کہنے پر انھوں نے کتاب مجھے دیکر نقل کی اجازت دیدی۔

اس کے بعد خطیب نے لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے ساتھ مغازی ابن اسحاق کے چند اوراق کی روایت کی تھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے یونس بن بکیر سے پوری کتاب کا سماع نہ کیا ہو بلکہ اپنے والد سے کیا ہو، اور یہ بات انکی روایت میں صداقت اور احتیاط کی دلیل ہے[1]

بصرہ کے علمائے سیر و مغازی اور مصنفین

بصرہ بھی عہد فاروقی میں آباد ہوا ہے اور کوفہ کی طرح وہاں بھی اجلہ صحابہ و تابعین کثیر تعداد میں کتاب و سنت، فقہ و فتوی اور سیر و مغازی کی تدریس و تعلیم میں مصروف تھے، تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری تھا اور حجاز کے دونوں شہر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی طرح عراق کے دونوں شہر کوفہ اور بصرہ علم و علماء کے مرکز تھے۔

کتاب المغازی (سیرت ابن ہشام) عبد الملک بن ہشام حمیری بصری رح

ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری معافری بصری متوفی ۲۱۸ھ رحمۃ اللہ علیہ کا وطن بصرہ ہے مگر مصر میں مستقل طور سے آباد ہو کر وہیں ۲۱۸ھ میں فوت ہوئے، تاریخ سیر و مغازی، انساب ادب اور نحو کے مشہور عالم و مصنف تھے انھوں نے محمد بن اسحاق کے شاگرد رشید زیاد بن عبد اللہ بکائی کوفی کی ابن اسحاق سے روایت کردہ کتاب المغازی کو اصل قرار دیکر اس میں حک و اضافہ کیا اور اس کی تنقیح کی، ذہبی نے لکھا ہے:

---

[1] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۲۶۵، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۵۱ و ص ۵۲

ابو محمد عبد الملك بن هشام البصري النحوي صاحب المغازي الذي هذب السيرة ونقلها عن البكائي صاحب ابن اسحاق [1]

ابو محمد عبد الملک بن ہشام بصری نحوی، صاحب المغازی ہیں جنھوں نے کتاب السیرۃ کو بہترین انداز میں مرتب کیا اور اس کو ابن اسحاق کے شاگرد بکائی سے نقل کیا۔

اور ابن خلکان نے لکھا ہے:

هذا ابن هشام هو الذي جمع سيرة رسول الله صلى الله عليه وسلم من المغازي والسير لابن اسحاق وهذبها ولخصها وشرحها السهيلي، وهي الموجودة بايدي الناس المعروفة بسيرة ابن هشام [2]

یہی ابن ہشام ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغازی و سیر مصنفہ ابن اسحاق کو جمع کر کے اس کو مہذب کیا اور اس کی تلخیص کی جس کی شرح سہیلی نے کی ہے۔ اور یہی کتاب سیرۃ ابن ہشام کے نام سے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ انشاء اللہ میں اس کتاب کی ابتدا حضرت اسماعیل اور ان کی صلبی اولاد کے ذکر سے کروں گا۔ اور ابن اسحاق کی بعض ایسی باتوں کو چھوڑوں گا جن میں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اور نہ قرآن میں ان کے متعلق کچھ نازل ہوا ہے نہ ان کے ذکر کی کوئی وجہ ہے اور نہ ہی ان میں کسی واقعہ کی شہادت ہے، ابن اسحاق کی کتاب کے ایسے اشعار کو بھی چھوڑ دوں گا جن سے میری تحقیق میں اہل علم ناواقف ہیں نیز ایسی باتوں کا ذکر چھوڑ دوں گا جن کا ذکر نامناسب نہیں ہے اور بعض لوگوں کی ناگواری کا باعث ہیں۔ اور بکائی کی روایت سے ان کا ثبوت نہیں ہے۔ ان کے علاوہ سب

---

[1] العبر ص۳۴۲ ۔ [2] وفیات الاعیان ج ۱ ص۳۱۵ ۔

باتیں مفصل بیان کروں گا۔

سیرابن ہشام کی روایت اس کے مصنف سے ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبدالرحیم برقی مصری مولی بنی زہرہ نے کی ہے، اپنے مقام پران کا ذکر آئے گا۔

ابن ہشام کی تصنیفات میں ایک کتاب شاہان حمیر کے انساب میں ہے اور ایک کتاب سیرت سے متعلق اشعار کی شرح میں ہے مگر جو مقبولیت و شہرت سیرابن ہشام کو حاصل ہوئی کسی اور کتاب کو نہیں ہوئی۔

ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ بن احمد سہیلی اندلسی متوفی ۵۸۱ھ رحمۃ اللہ علیہ نے الروض الانف کے نام سے سیرابن ہشام کی بہترین اور ضخیم شرح لکھی ہے اور ایک سو سے زائد کتابوں سے اس کو مکمل کیا ہے۔

کتاب المغازی ابوالحسن علی بن محمد بصری مدائنی

ابوالحسن علی بن محمد بن عبداللہ بن ابو یوسف قرشی بصری مدائنی متوفی ۲۲۴ھ صاحب المغازی رحمۃ اللہ علیہ مولی عبدالرحمن بن سمرہ ہیں۔ ان کی ولادت ۱۳۵ھ میں ہوئی، اصلی وطن بصرہ ہے، مدائن میں مستقل سکونت اختیار کی پھر بغداد چلے گئے اور وہیں انتقال کیا، اپنے دور کے عظیم مورخ ماہر انساب اور فتوحات کے زبردست عالم و مصنف اور اشعار کے راوی تھے۔ ابوالعباس احمد بن یحییٰ کا قول ہے:

من اراد اخبار الجاھلیۃ فعلیہ	جو شخص جاہلیت کے حالات معلوم کرنا چاہے
بکتب ابی عبیدۃ ومن اراد اخبار	وہ ابو عبیدہ کی کتابوں کو پڑھے اور جو شخص اسلامی
الاسلام فعلیہ بکتب المدائنی[1]	دور کے حالات معلوم کرنا چاہے وہ مدائنی کی کتابوں کو پڑھے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۵۵۔

ان کے تلامذہ میں زبیر بن بکار، احمد بن ابو خیثمہ بن احمد بن حارث خزاز، حارث بن ابو اسامہ اور حسن بن علی بن متوکل وغیرہ ہیں۔

ابن ندیم نے تقریباً چھ صفحات میں مدائنی کی تصانیف کے نام دیئے ہیں اور کتبہ فی اخبار النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے تحت کتاب المغازی اور کتاب السرایا کا ذکر کیا ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و مغازی کے متعلق ان کتابوں کا ذکر کیا ہے: (۱) کتاب امہات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۲) کتاب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) کتاب اخبار المنافقین، (۴) کتاب عہود النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۵) کتاب تسمیۃ المنافقین ومن نزل القرآن فیہ ومن غیرہم، (۶) کتاب تسمیۃ الذین یوذون النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۷) کتاب تسمیۃ المستہزئین الذین جعلوا القرآن عضین، (۸) کتاب رسائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۹) کتاب کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الملوک، (۱۰) کتاب آیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۱۱) کتاب اقطاع النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۱۲) کتاب صلح النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۱۳) کتاب خُطُب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۱۴) کتاب المغازی، (۱۵) کتاب الوفود، وفود یمن ومضر وربیعہ، (۱۶) کتاب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۱۷) کتاب خبر الافک، (۱۸) کتاب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۱۹) کتاب السرایا، (۲۰) کتاب عمال النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الصدقات، (۲۱) کتاب ما نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، (۲۲) کتاب حجۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، (۲۳) کتاب الخاتم والرسل، (۲۴) کتاب من کتب للنبی صلی علیہ وسلم کتاباً او اماناً (۲۵) کتاب اموال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکتابہ ومن کان یرد علیہ بالصدقۃ من العرب [1]

---

[1] الفہرست ص۱۴۷، ص۱۴۸۔

کتاب المغازی محمد بن سعد بصری بغدادیؒ

ابو عبد اللہ محمد بن سعد بن منیع ہاشمی بصری نزیل بغداد متوفی ۲۳۰ھ رحمۃ اللہ علیہ مولی بنی ہاشم صاحب الطبقات واقدی کے شاگرد رشید اور کاتب الواقدی کے لقب سے مشہور ہیں، حدیث وفقہ، سیر ومغازی، تاریخ، اخبار و احداث کے ثقہ امام ہیں ان کی ولادت بصرہ میں ۱۶۸ھ کی حدود میں ہوئی یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ محمد بن سعد ہمارے نزدیک عادل ہیں انکی حدیث انکی صداقت کی دلیل ہے وہ اپنی بہت سی روایات میں تحقیق وتحری سے کام لیتے ہیں، تحقیق وعدالت اور صداقت کی وجہ سے ان کو ثقہ تسلیم کیا گیا ہے۔

حالانکہ اُن کی تصانیف ان کے استاد واقدی کی کتابوں سے ماخوذ ہیں جنکے بارے میں کلام کیا گیا ہے، خطیب نے لکھا ہے کہ وہ اہل علم وفضل میں سے ہیں۔ انھوں نے صحابہ تابعین اور اپنے زمانہ تک کے طبقات میں بہت بڑی کتاب تصنیف کی ہے۔ دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ ابن سعد کثیر العلم، کثیر الحدیث، کثیر الروایہ، کثیر الطلب اور کثیر الکتب عالم تھے۔ انھوں نے غریب الحدیث اور فقہ میں کتابیں لکھی ہیں[1]۔

طبقات ابن سعد کی ابتدائی دو جلدیں سیر اور مغازی کے بیان میں ہیں۔ ابتدا میں سیر ومغازی کے اپنے ان شیوخ کے نام دیئے ہیں۔ محمد بن عمر اسلمی واقدی، عمر بن عثمان بن عبد الرحمن مخزومی، موسیٰ بن محمد بن ابراہیم تیمی، محمد بن عبد اللہ بن مسلم ابن اخی زہری، موسیٰ بن یعقوب بن عبد اللہ، عبد اللہ بن جعفر بن عبد الرحمن زہری، یحییٰ بن عبد اللہ بن ابو قتادہ انصاری، ربیعہ بن عثمان بن عبد اللہ تیمی، ابراہیم بن اسماعیل بن ابو حبیبہ اشہلی، عبد الحمید بن جعفر حکمی، عبد الرحمن بن ابو الزناد، محمد بن صالح تمار سے ابن سعد نے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۲۱ و ص ۳۲۲، تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۸۲۔

براہ راست روایت کی ہے، ان کے علاوہ محمد بن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، ابومعشر سندی سے اپنے سلسلۂ سند سے روایت کی ہے اور اپنے استاد واقدی کی طرح ان سب کی روایات کو یکجا کرکے کتاب المغازی مرتب کی ہے جو الطبقات الکبریٰ میں شامل ہے، یہ کتاب یوروپ اور بیروت میں آٹھ جلدوں میں چھپی ہے مگر دونوں مطبوعہ نسخے ناقص ہیں، کامل نسخہ ترکی میں ہے اور اس کا فوٹو جامعہ دول عربیہ مصر میں ہے۔

حسین بن محمد بن فہم بغدادی متوفی ۲۸۹ھ نے ابن سعد سے طبقات کی روایت کی ہے۔ یہ کتاب ہمیشہ سے محدثین اور علماء کے نزدیک نہایت مستند ماخذ رہی ہے۔

کتاب المغازی اسمٰعیل بن اسحاق جہضمی بصری رح

ابواسحاق اسماعیل بن اسحاق بن حماد بن زید بن درہم بن بابک جہضمی ازدی مولیٰ آل جریر بصری بغدادی متوفی ۲۸۲ھ رحمۃ اللہ علیہ صاحب المغازی کا خاندان کئی صدیوں تک علم دین، قضاء، فقہ، حدیث کے ساتھ دنیاوی جاہ وجلال میں ممتاز رہا ہے، ان کا مفصل تذکرہ قاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں کیا ہے[1]

۲۰۰ھ میں بصرہ میں پیدا ہوئے وہیں پروان چڑھے، بعد میں بغداد کو وطن بنا لیا اور وہاں کے مختلف علاقوں میں پچاسوں سال تک قاضی رہے۔

مالکی مسلک کے امام وناشر تھے، جیسا کہ خطیب بغدادی اور ابن ندیم نے لکھا ہے[2] ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں کتاب المغازی کی تصریح کی ہے[3]

قاضی عیاض اور داوٗدی نے کتاب الاموال والمغازی کے نام سے

---

[1] ترتیب المدارک ج ۳ ص ۱۶۸ تا ص ۱۸۱ ۔ [2] تاریخ بغداد ج ص ، [3] الفہرست ص ۲۸۲

اس کا تذکرہ کیا ہے[1]

وہب بن جریر ازدی بصریؒ ابوالعباس وہب بن جریر بن حازم ازدی بصری متوفی ۲۰۶ھ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد جریر بن حازم سے کتاب المغازی کے راوی ہیں۔ نیز انھوں نے عکرمہ بن عمار ہشام بن حسان، ابن عون، ہشام دستوائی، شعبہ بن حجاج وغیرہ سے روایت کی ہے اور ان سے احمد بن حنبل، علی بن عبداللہ مدینی، یحییٰ بن معین، اسحاق بن راہویہ اور بہت سے ائمہ حدیث نے روایت کی ہے[2]

علم مغازی کے مشہور عالم تھے، اس کا درس دیتے تھے، اُن کے والد جریر بن حازم متوفی ۱۷۰ھ نے محمد بن اسحاق سے کتاب المغازی کی روایت کی اور وہب اُن سے روایت کرتے تھے۔

ابو حفص فلاس کا بیان ہے کہ ہم لوگ وہب بن جریر کے یہاں سے واپسی میں یحییٰ بن سعید کے پاس سے گزرے تو انھوں نے پوچھا کہ تم لوگ کہاں سے آرہے ہو؟ ہم نے بتایا کہ وہب بن جریر ہم کو کتاب المغازی پڑھا رہے تھے جن کی روایت انھوں نے اپنے والد سے کی ہے۔ یہ سنکر یحییٰ بن سعید نے کہا کہ تم لوگ ان کے پاس سے کذب کثیر لے کر لوٹے ہو[3]

یحییٰ بن سعید قطان ابن اسحاق کے بارے میں سئی الرائے تھے اس لئے ان کی کتاب المغازی کو کذب کثیر بتایا ہے۔

محمد بن صالح نطاحی بصریؒ ابوعبداللہ یا ابوجعفر محمد بن صالح بن مہران نطاحی بصری متوفی ۲۵۲ھ رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] ترتیب المدارک ج ۳ ص ۱۰۹، طبقات المفسرین ج ۱ ص ۱۰۶ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۶۱ [3] الجرح والتعدیل ج ۳ ج ۲ قسم ۲ ص ۱۹۳

مولی بنی ہاشم ابن النطاح" کی کنیت سے مشہور ہیں، اصلی وطن بصرہ ہے، وہاں سے بغداد آکر حدیث کی روایت کی، خطیب بغدادی، سمعانی اور ابن حجر نے ان کو اخباری، ماہر انساب، اور سیر کا راوی لکھا ہے انکی تصنیف کتاب الدولہ ہے، وہ پہلے مصنف ہیں جنھوں نے اس باب میں کتاب لکھی ہے:

وکان اخباریا، نسابۃ، راویۃ للسیر، ولہ کتاب الدولۃ، وھو اول من صنف فی اخبارھا کتابا[1]	وہ اخباری، نسابہ سیر کے راوی تھے۔ کتاب الدولہ ان کی تصنیف ہے، وہ پہلے عالم ہیں جنھوں نے حکومت کے حالات میں کتاب لکھی،

ابن ندیم نے انکی تصانیف میں کتاب افخاذ ازد عمان، کتاب البیوتات، کتاب الرد علی ابی عبیدۃ فی کتاب الدیباج، کتاب انساب ازد عمان، کتاب مقتل زید بن علی کے نام بھی لکھے ہیں[2]

عمر بن شبہ بصری رح ابو زید عمر بن شبہ بن زید بن رائطہ بصری نزیل بغداد متوفی ۲۶۲ھ رحمۃ اللہ علیہ مولی بنی نمیر، نہایت ثقہ، صادق اللہجہ، فقیہ، محدث، سیر و مغازی اور ایام الناس ادب و شعر اور نحو کے ماہر اور صاحب تصانیف عالم تھے، ذہبی نے لکھا ہے:

کان بصیرا بالسیر والمغازی وایام الناس[3]	وہ سیر و مغازی اور ایام ناس میں صاحب بصیرت تھے۔

خطیب بغدادی، ابن حبان، ابن جوزی نے بھی یہی الفاظ انکے بارے میں لکھی ہیں[4]
ابن ندیم نے ان موضوعات پر ان کی بائیس کتابوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے تاریخ المدینۃ

---

[1] تاریخ بغداد ج ۵ ص ۳۵۵۔ انساب سمعانی ج ۱۳ ص ۱۳۵۔ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۲۴۔
[2] الفہرست ص ۱۵۲۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۹۔ [4] تاریخ بغداد ج ۱۱ ص ۲۰۸، تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۴۶۰۔ المنتظم ج ۵ ص ۴۱۔

چھپ گئی ہے۔

واسط کے علمائے سیر ومغازی اور مصنفین

کوفہ اور بصرہ کے درمیان اموی دور خلافت میں شہر واسط کی تعمیر و تاسیس ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کوفہ وبصرہ کا یہ سنگم علم و علماء کا مرکز بن گیا اور یہاں بھی دوسرے شہروں کی طرح تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔

کتاب المغازی ہشیم بن بشیر واسطیؒ

ابو معاویہ ہشیم بن ابو حازم بشیر بن قاسم بن دینار سلمی واسطی متوفی ۱۸۳ھ رحمۃ اللہ علیہ بخاری الاصل ہیں، وطن کوفہ اور بصرہ کے درمیان شہر واسط ہے بعد میں بغداد آگئے تھے۔

انھوں نے ابن شہاب زہری اور سلیمان بن ہلال تیمی کے علاوہ اپنے والد ابو خازم بشیر، ماموں بن قاسم بن مہران، اعمش، یحیٰی بن سعید انصاری، عبدالعزیز بن صہیب وغیرہ سے حدیث کی روایت کی، اور ان سے امام مالک، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک صاحبزادے سعید بن ہشیم، شعبہ بن حجاج، وکیع بن جراح، علی بن عبداللہ مدینی، امام احمد بن حنبل وغیرہ نے روایت کی ہے[1]

ان کا شمار ابتدائی مصنفین میں ہے جنھوں نے دوسری صدی کے وسط میں فقہی ترتیب پر احادیث کو مرتب و مدون کیا، ان تصانیف میں کتاب المغازی بھی ہے۔ شمس الدین محمد بن علی داؤدی مصری نے طبقات المفسرین میں اس کا ذکر کیا ہے۔

ولہ غیر التفسیر السنن فی الفقہ المغازی۔[2]	کتاب التفسیر کے علاوہ ان کی کتاب السنن فی الفقہ اور کتاب المغازی ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۸۵، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۲۹، العبر ج ۱ ص ۲۸۶، تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۵۹، [2] طبقات المفسرین ج ۲ ص ۳۵۳۔

ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں کتاب السنن فی الفقہ، کتاب التفسیر اور کتاب القرات کا ذکر کیا ہے[1]

ہشیم بن بشیر نے مکہ میں امام زہری کی روایات کا ایک صحیفہ مرتب کیا تھا جو کہیں گم ہوگیا، اور ہشیم کو اس کی صرف نو حدیثیں یاد رہ گئیں تھیں، ان کا قول ہے کہ میں نے زہری سے تقریباً ایک سو حدیثیں سنیں جن کو لکھا نہیں بلکہ یاد کر لیا۔ سعید بن منصور کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں ابو یوسف اور ہشیم میں سے کس کی مجلس میں بیٹھوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہشیم کو پکڑو۔ ہشیم بن بشیر نہایت عابد و زاہد اور رعب داب کے عالم و بزرگ تھے[2]

بغداد کے علمائے سیر و مغازی اور مصنفین

بغداد آباد ہوتے ہی عالم اسلام کا علمی و دینی مرکز بن گیا، مدینہ منورہ کے علمائے مغازی ابو معشر سندی، محمد بن اسحاق اور واقدی نے یہیں آکر اس فن کو تصنیف و تدریس کے ذریعہ پھیلایا، اسی طرح دوسرے شہروں کے اہل علم اور اہل مغازی اس مرکز سے وابستہ ہوئے، اور ان کے تلامذہ نے اس فن کی خدمت کی ہم نے ان میں سے کئی علماء اور ان کی تصانیف کا ذکر ان کے وطنِ اصلی میں کیا ہے۔

کتاب المغازی احمد بن محمد بن ایوب وراق بغدادیؒ

ابو جعفر احمد بن محمد بن ایوب وراق بغدادی متوفی ۲۲۸ھ رحمۃ اللہ علیہ صاحب المغازی ہیں فضل بن یحییٰ بن خالد برمکی کے وراق تھے یعنی ان کے لئے کتابیں نقل کرتے تھے۔ انھوں نے

---

[1] الفہرست ص۳۱۸۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص۵۹ تا ص۶۴

ابن اسحاق کے شاگرد ابراہیم بن سعد صاحب المغازی سے سیر و مغازی کی روایت کی ہے، ان کے علاوہ ابوبکر بن عیاش وغیرہ سے روایت کی ہے، اور اُن سے عبداللہ بن احمد بن حنبل، ابوبکر بن خیثمہ، حنبل بن اسحاق، یعقوب بن شیبہ، ابوبکر بن ابی الدنیا محمد بن یحیٰ مروزی نے روایت کی ہے، انھوں نے ابن اسحاق کی کتاب المغازی ابراہیم بن سعد سے فضل بن یحیٰ برمکی کے ساتھ پڑھی ہے، مگر یحیٰ بن معین نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ابراہیم بن سعد نے اپنی کتاب المغازی اپنے لڑکوں کے علاوہ اور کسی کو نہیں پڑھائی ہے، خود ان کا قول ہے کہ میں نے یہ کتاب دوسروں کو نہیں پڑھائی ہے۔

خطیب بغدادی نے لکھا ہے کہ ابراہیم بن سعد نے یہ بات اپنے لڑکوں سے بہت پہلے کہی ہوگی، بعد میں دوسروں کو پڑھایا ہوگا اور اسی زمانہ میں احمد بن محمد بن ایوب وراق نے سنا ہوگا۔

ایک مرتبہ یحیٰ بن معین سے ابراہیم بن سعد سے ابن ایوب کی روایت کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے بتایا کہ ابراہیم بن سعد کے لڑکے یعقوب نے ہم سے بیان کیا ہے کہ میرے والد نے فضل بن یحیٰ برمکی کے لئے کتاب المغازی لکھی تھی مگر فضل بن یحیٰ اس کی روایت نہ کر سکے۔ خطیب نے لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ابن ایوب نے اس نسخہ کی تصحیح کی ہو اور ابراہیم بن سعد سے اس کی روایت و سماعت کی ہو اور فضل برمکی نہ کر سکے ہوں۔

یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں کہ ابن ایوب نے ایک برمکی کے لئے ابراہیم بن سعد کی کتاب المغازی لکھی جس کی روایت انھوں نے ابن اسحاق سے کی تھی۔ برمکی نے ابن ایوب سے کہا کہ تم ابراہیم بن سعد کے یہاں جا کر اس کی تصحیح کر لو۔ چنانچہ ابراہیم بن سعد نے اس کو پڑھ کر سنایا اور اس کی تصحیح کی۔

اسحاق بن ابو اسرائیل کا بیان ہے کہ میں احمد بن ایوب کے یہاں گیا تاکہ ان سے

کتاب المغازی کی روایت کروں، میں نے ان سے معلوم کیا کہ آپ نے اس کتاب کی روایت ابراہیم بن سعد سے عرضاً یا سماعاً کیسے کی ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے اسکی روایت سماعاً کی ہے، انھوں نے اس پر قسم بھی کھائی تو میں نے ان سے اس کتاب کا سماع کیا۔ خطیب نے احمد بن محمد بن ایوب کا تذکرہ یوں شروع کیا ہے۔

احمد بن محمد بن ایوب ابو جعفر وراق فضل بن یحیٰی بن خالد بن برمک کے موّرِق یعنی ناقل اور کاتب تھے، کہا گیا ہے کہ انھوں نے اس کے ساتھ ابراہیم بن سعد سے مغازی ابن اسحاق کا سماع کیا ہے، اور یحیٰی بن معین نے اس کا انکار کیا ہے اور ان کے بارے میں سوء کلامی کی ہے اس کے باوجود اہل علم نے ان سے مغازی کی روایت کی ہے، احمد بن حنبل ان کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے اور ان کے صاحبزادے عبداللہ نے ابن ایوب سے حدیث کا سماع کیا ہے[1]

عثمان بن سعد دارمی کہتے ہیں کہ احمد بن حنبل اور علی بن عبداللہ مدینی ابن ایوب کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کرتے تھے، اور یحیٰی بن معین ان پر حملہ کرتے تھے، ابو حاتم کا بیان ہے کہ احمد بن محمد بن ایوب کے بارے میں احمد بن حنبل لا بأس بہ کہا کرتے تھے اور یحیٰی بن معین ان پر حملہ کرتے تھے، حالانکہ انھوں نے ابن ایوب سے حدیث لکھی ہے اور میں نے ان کو دیکھا ہے کہ طلبہ کو ابراہیم بن سعد کی روایت سے کتاب المغازی کا درس دیتے تھے۔ ورأيته يقرء عليهم كتاب المغازي عن ابراهيم بن سعد[2]

سمعانی نے عبدالخالق بن منصور کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے یحیٰی بن معین کو کہتے ہوئے سنا ہے:

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۹۳، ص ۳۹۴۔ [2] الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱ ص ۰۔

ان کان صاحب المغازی سمعها من ابراهیم فقد سمعها انا من ابن اسحاق[1]	اگر صاحبُ المغازی یعنی ابن ایوب نے اس کو ابراہیم بن سعد سے سُنا ہے تو میں نے ابن اسحاق سے سُنا ہے۔

نیز سمعانی نے تصریح کی ہے کہ ابن ایوب نے ابراہیم بن سعد سے محمد بن اسحاق کی کتابُ المغازی کا سماع فضل بن یحییٰ بن خالد بن برمک کے ساتھ کیا ہے، اور یحییٰ بن معین نے ابن ایوب کے بارے میں اس کا انکار کرکے ابن ایوب کے متعلق نامناسب بات کہی ہے، اس کے باوجود لوگوں نے ابن ایوب سے اس کی روایت کی ہے[2] ابن حجر نے فتح الباری میں باب قتل ابی جہل میں مغازی احمد بن محمد بن ایوب کا حوالہ دیا ہے۔

کتابُ المغازی حسن بن عثمان زیادی بغدادی رح

ابو حسان حسن بن عثمان بن حمّاد بن عبدالرحمٰن بن یزید زیادی بغدادی متوفی ۲۴۳ھ رحمۃ اللہ علیہ واقدی کے تلامذۂ کبار میں سے ہیں نہایت ثقہ اور متقی عالم اور بغداد کے مشرقی علاقہ کے قاضی تھے، اسی کیساتھ سیر و مغازی اور تواریخ و اخبار کے مشہور عالم تھے، انھوں نے واقدی ابراہیم بن سعد، ہشیم بن بشیر، وکیع بن جراح، ولید بن مسلم سے روایت کی ہے اور یہ سب کے سب سیر و مغازی کے امام و مصنف ہیں، نیز دوسرے ائمہ سے حدیث کی روایت کی ہے:

خطیب نے لکھا ہے:-

وکان من کبار اصحاب الواقدی	وہ واقدی کے کبار تلامذہ میں سے ہیں۔

---

[1] الانساب ج ۱۳، ص ۳۰۱۔ [2] تاریخ بغداد ج ۷، ص ۳۵۶۔

انھوں نے حسان بن زید کا قول نقل کیا ہے کہ کذاب رواۃ حدیث سے مقابلہ کے لئے تاریخ سے بہتر کوئی حربہ نہیں ہے، جب ہم کسی استاد اور راوی سے سنہ ولادت معلوم کرتے ہیں، اور وہ اس کو بتا کر اقرار کرتا ہے تو اس کے صدق یا کذب کو معلوم کر لیتے ہیں۔

حسن بن عثمان کہتے ہیں کہ: اس کے بعد میں نے علم تاریخ کو اختیار کیا، اور ساٹھ سال سے اس علم سے تعلق رکھتا ہوں[1]

ابن ندیم کا بیان ہے کہ وہ قاضی، فاضل، ادیب، ماہر انساب، سخی اور شریف الطبع عالم تھے، وہ خود کتابیں لکھتے تھے اور ان کے لئے کتابیں لکھی جاتی تھیں ان کے پاس کتابوں کا بہت اچھا ذخیرہ تھا اس کے بعد لکھا ہے:

ولہ من الکتب کتاب معانی (مغازی) عروۃ بن الزبیر، کتاب طبقات الشعراء، کتاب القاب الشعراء، کتاب الآباء والامہات[2]

ابو حسان زیادی کی کتاب کا نام معانی عروہ بن زبیر مصری نسخہ میں نسخ یا طباعت کی غلطی ہے، یہ مغازی عروہ ابن زبیر ہے، جیسا کہ بعض معاصر فضلاء نے الفہرست مطبوعہ یورپ کے ص ۱۲۳ سے یہی نام درج کیا ہے۔

ابو حسان زیادی نے عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی کو مرتب و مدون کیا تھا اور اسکا شمار ان کی تصانیف میں ہوتا تھا۔

ان کا انتقال رجب ۲۴۲ھ میں چند ماہ زائد ۸۹ سال کی عمر میں ہوا۔ ابن ندیم نے ان کی وفات ۲۴۳ھ میں اور عمر ۸۹ سال چند ماہ زائد بتائی ہے۔

کتاب المغازی احمد بن حارث خزاز بغدادی رحمہ اللہ

ابو جعفر احمد بن حارث بن مبارک خزاز بغدادی مولیٰ ابو جعفر منصور متوفی ۲۵۸ھ رحمۃ اللہ علیہ

[1] تاریخ بغداد ج ۳، ص ۳۵۶۔ [2] الفہرست ص ۱۶۰۔

ابوالحسن مدائنی کے تلمیذ خاص اور ان کی تصانیف کے راوی ہیں۔

خطیب نے لکھا ہے:

وهو صاحب ابی الحسن المدائنی روی عن المدائنی تصانیفه وکان صدوقاً من اهل الفهم والمعرفة [1]	وہ ابوالحسن مدائنی کے شاگرد ہیں، انھوں نے مدائنی سے ان کی کتابوں کی روایت کی ہے۔ اور وہ صدوق اور صاحب فہم و معرفت عالم تھے۔

ابن ندیم بھی انکو صاحب المدائنی اور وکان راویة المدائنی لکھا ہے اور انکی تصانیف میں کتاب مغازی النبی صلے اللہ علیہ وسلم وسرایاہ وذکر ازواجه کا ذکر کیا ہے [2]

غالباً یہ کتاب ابوالحسن مدائنی کی کتاب المغازی، کتاب ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب السرایا کا مجموعہ ہے، جن کو احمد بن حارث خزاز نے ان سے روایت کرکے قدماء کے طریقہ پر ان میں اضافہ کیا ہے اس لئے انکی طرف منسوب ہوئی۔

کتاب المغازی
ابراہیم بن اسحاق حربی بغدادیؒ

ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم بن بشیر بن عبداللہ بن دیسم مروزی حربی بغدادی متوفی ۲۸۵ھ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان خراسان کے شہر مرو کا تھا بعد میں بغداد آکر باب الحرب کے پاس آباد ہوگیا، امام حربی یہیں ۱۹۸ھ میں پیدا ہوئے۔ تئیس سال کی عمر میں امام احمد بن حنبل کے حلقہ درس میں گئے تو ان کی وفات ۲۴۱ھ تک وہیں رہے۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۱۲۲، ص ۱۲۳۔ [2] الفہرست ص ۱۵۳

حربی نے اپنے زمانہ کے ائمہ علم سے حدیث، فقہ، نحو، ادب، تاریخ، اخبار، سیر ومغازی کا علم حاصل کیا، ایک اندازے کے مطابق ان کے استاذوں میں ۲۰۵ محدث اور ۲۶ مورخ ہیں، زہد وتقویٰ اور اخفائے حال میں بہت آگے تھے۔

ان کے مکان کے بیرونی حصہ میں ان کا بہت بڑا کتب خانہ تھا جس میں بیٹھ کر لکھتے پڑھتے تھے، ایک مرتبہ حربی بیمار پڑے اور ان کے دوست ابوالقاسم جبلی عیادت کو گئے، حربی نے ان سے کہا کہ مجھے اپنی لڑکی کی طرف سے ذہنی پریشانی ہے۔ اس کے بعد لڑکی کو بلایا، وہ چہرے پر نقاب ڈالکر آئی اور کہنے لگی کہ ہم لوگ سخت تنگی میں ہیں، مہینوں مہینوں سوکھی روٹی اور نمک تک میسر نہیں ہوتا، کل خلیفہ معتضد نے ایک ہزار دینار بھیجا تھا مگر والد نے قبول نہیں کیا، اسی طرح دوسروں نے رقم بھیجی مگر واپس کردی، والد بیمار ہیں اور گھر کا یہ حال ہے۔ لڑکی کی باتیں سنکر امام حربی نے مسکراتے ہوئے کہا کہ تم گھر کے اس کونے میں دیکھو، یہاں بارہ ہزار اجزاء ہیں جن کو میں نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔ میرے انتقال کے بعد تم روزانہ ایک جزو ایک درہم میں فروخت کرنا، جس کے پاس بارہ ہزار درہم ہوں وہ فقیر نہیں ہے [1]

ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ [2]

ان کی تصانیف میں ایک مختصر سی کتاب اکرام الضیف ۱۳۴۹ھ قاہرہ میں چھپی ہے اور ان کی ایک کتاب المناسک و معالم طرق الحج ومعالم الجزیرۃ" کے نام سے ۱۳۸۹ھ مورخ الجزیرہ استاد حمد الجاسر نے شائع کی ہے، یہ دونوں کتابیں ہمارے پاس ہیں۔

کتاب المغازی محمد بن یحییٰ مروزی بغدادی رح

ابوبکر محمد بن یحییٰ بن سلیمان بن زیاد وراق مروزی بغدادی متوفی ۲۹۸ھ

[1] تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۲ - [2] الفہرست ص ۳۲۳

رحمۃ اللہ علیہ کا وطن خراسان کا شہر مرو تھا، بعد میں بغداد کو وطن بنایا اور یہیں فوت ہوئے انھوں نے ابو عبید قاسم بن سلام، عثمان بن ابی شیبہ، داؤد بن عمرو ضبی، سعید بن سلیمان واسطی، علی بن جعد، حکم بن موسیٰ، محمد بن جعفر ورکانی سے روایت کی، کثیر الحدیث اور ثقہ محدث تھے، ان کے پاس ابو عبید قاسم بن سلام کی کتاب الطہارت کے کچھ اجزاء تھے جن کی روایت کرتے تھے۔[1] جاحظ کے وراق یعنی اس کی کتابوں کے ناقل و رکاتب تھے۔

ان کی تصانیف میں کتاب المغازی بھی ہے جس کی وہ روایت کرتے تھے۔

اس کا پتہ ان کے شاگرد مخلد بن جعفر، ابو علی دقاق فارسی باقرحی متوفی ۳۷۰ھ کے حال سے پتہ چلتا ہے، خطیب نے محمد بن یحییٰ مروزی سے انکی روایت کرنے کی تصریح کی ہے۔ اسی کے ساتھ لکھا ہے کہ ابتداء میں باقرحی نہایت ثقہ محدث تھے مگر بعد میں ان کے لڑکے نے غلط مشورہ دے کر ان کو بے اعتبار کر دیا۔ اسی ضمن میں محمد بن یحییٰ مروزی اور ان کی کتاب المغازی کا ذکر آیا ہے۔

خطیب لکھتے ہیں:۔

ثم ان ابنه حمله فی آخر امره علی ادعاء اشیاء کثیرۃ، منها المغازی عن المروزی، والمبتدأ عن ابن علویۃ وتاریخ الطبری الکبیر والطہارۃ لابی عبید واشیاء غیر ذلک[2]	ان کی آخری عمر میں انکے لڑکے نے بہت سی کتابوں کی سماعت کے دعوی پر ابھارا جیسے مروزی کی کتاب المغازی، ابن علویہ کی کتاب المبتدا، طبری کی تاریخ کبیر، اور ابو عبید کی کتاب الطہارۃ وغیرہ۔

لڑکے کے کہنے پر یہ کتابیں اور دوسری کتابیں بازار سے خریدی گئیں اور باقرحی

---

[1] تاریخ بغداد ج ۳ ص ۴۲۲۔ [2] ایضاً ج ۱۳ ص ۱۷۶

نے ان کے مصنفین سے سماع و روایت کا دعویٰ کیا۔
اسی واقعہ کے ضمن میں باقرحی کے استاد محمد بن یحییٰ مروزی کی کتاب المغازی کا نام ملتا ہے، اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں خطیب نے ان کی وفات شوال ۱۹۸ھ میں اور ابن حجر نے ۲۰۸ھ میں بتائی ہے[1]

ہیثم بن عدی طائی کوفی بغدادیؒ

ابو عبدالرحمٰن ہیثم بن عدی بن عبدالرحمٰن طائی کوفی بغدادی متوفی ۲۰۷ھ رحمۃ اللہ کے والد واسط کے باشندے تھے، والدہ منبج کی قیدی تھیں ہیثم کوفہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی، پھر بغداد میں سکونت اختیار کرلی، اور وہیں فوت ہوئے سمعانی نے انکے بارے میں ابو حاتم بن حبان بستی کا قول نقل کیا ہے۔

الهیثم بن عدی کان من علماء الناس بالسیر و ایام الناس واخبار العرب۔[2]	ہیثم بن عدی سیر اور ایام ناس اور اخبار عرب کے علماء میں سے تھے۔

یہ بھی لکھا ہے کہ وہ ثقات سے موضوع سے قریب تر احادیث روایت کرتے تھے، انھوں نے مجالد بن سعید، محمد بن اسحاق، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی، سعید بن عروبہ اور شعبہ بن حجاج سے روایت کی ہے، ان سے روایت کرنے والوں میں محمد بن سعد کاتب الواقدی بھی ہیں، محرم ۲۰۷ھ یا ۲۰۶ھ میں مقام فم الصلح میں ۹۳ سال کی عمر میں انتقال کیا[3]

عبداللہ بن سعد زہری بغدادیؒ

ابو القاسم عبداللہ بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف زہری بغدادی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۵۱۰۔ [2] الانساب ج ۹ ص ۲۶، [3] تاریخ بغداد ج ۱۴، ص ۵۰۔

متوفی ۲۳۰ھ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان بیت السیر والمغازی ہے، دادا ابراہیم بن سعد بن ابراہیم نے محمد بن اسحاق اور ابن شہاب زہری سے مغازی کی روایت کی چچا یعقوب بن ابراہیم نے ان سے روایت کی اور عبداللہ بن سعد نے چچا یعقوب بن ابراہیم سے روایت کی، وہ اپنے دو بھائیوں عبیداللہ اور احمد سے عمر میں بڑے تھے، ثقہ عالم تھے، مقام مصیصہ میں ۲۳۰ھ میں انتقال ہوا[1]

ابن ندیم نے ان کو اصحاب سیر میں شمار کیا ہے۔

الزهری، واسمه عبد الله بن سعد الزهری من اصحاب السیر وله من الکتب کتاب فتوح خالد بن الولید [2]	زہری کا نام عبداللہ بن سعد زہری ہے علمائے سیر میں سے ہیں اور ان کی تصانیف سے کتاب فتوح خالد بن الولید ہے۔

سعید بن یحیٰ اموی بغدادیؒ

ابو عثمان سعید بن یحیٰ بن سعید بن ابان بن سعید بن عاص اموی بغدادی متوفی ۲۴۹ھ رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد یحیٰ بن سعید اموی صاحب المغازی کے راوی اور ان کی کتاب المغازی کے ناشر ہیں، علی ابن عبداللہ مدینی کا قول ہے کہ محدثین کی اولاد جو اپنے آباء سے روایت کرنے میں مستند و ثقہ ہے اس میں سعید بن یحیٰ بن سعید اموی اپنے والد سے زیادہ ثقہ ہیں، ان کے والد یحیٰ بن سعید نے محمد بن اسحاق سے کتاب المغازی کی روایت کی، اور سعید نے ان سے اس کی روایت کی۔ بغداد کے اہل علم ان سے کتاب المغازی کی روایت کرتے تھے اور اس کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

خطیب نے ایک واقعہ نقل کیا جس سے اس کتاب کی اہمیت معلوم ہوتی ہے

---

[1] تاریخ بغداد ج ۹ ص ۴۷۳، تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۴ [2] الفہرست ص ۱۳۹۔

ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز متوفی ۳۱۷ھ بیان کرتے ہیں کہ میں دراقت یعنی کتابوں کو نقل کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے اپنے نانا احمد بن منیع سے کہا کہ مجھے سعید بن یحیٰ بن سعید اموی کے پاس لے چلیں اور ان سے کہیں کہ ابن اسحاق کی کتاب المغازی جس کی روایت انھوں نے اپنے والد سے کی ہے اس کا پہلا جزو مجھے دیدیں" تاکہ میں اسکو لکھ لوں، چنانچہ نانا احمد بن منیع مجھے ان کے پاس لے گئے اور انھوں نے کتاب المغازی کا پہلا جزو مجھے دے دیا اور میں گھوم گھوم کر اہل علم کو دکھانے لگا، سب سے پہلے ابو عبداللہ بن مغلس کو دکھایا تو انھوں نے مجھے بیس دینار دے کر کہا کہ تم اس کا ایک نسخہ میرے لئے لکھ دینا، اس کے بعد پورا دن اہل علم کو دکھاتا رہا اور اس کی کتابت کی اجرت پیشگی طور پر بیس دینار دس دینار، اس سے کم اور زیادہ وصول کرتا رہا، یہاں تک کہ اس دن میرے پاس دوسو دینار جمع ہوگئے اور میں نے سب کے لئے نسخے تیار کئے اور سب کو اس کا درس دیا[1]

دیوان الحماسہ ابن شجری کے مصنف ھبۃ اللہ بن علی ابن الشجری متوفی ۵۴۲ھ نے سعید بن یحیٰ بن سعید اموی کی کتاب المغازی کی روایت ابوالحسین مبارک بن عبدالجبار صیرفی سے کرکے اس کی روایت دوسروں سے کی۔

داؤد بن محمد بن ابومعشر بغدادیؒ

ابوسلمان داؤد بن محمد بن ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندی بغدادی متوفی سنہ ھ رحمۃ اللہ علیہ صاحب المغازی ابومعشر سندی مدنی کے پوتے ہیں ان کے والد ابوعبدالملک محمد بن ابومعشر متوفی ۲۴۴ھ اپنے والد سے انکی کتاب المغازی روایت کرتے تھے، خطیب نے ان کے متعلق لکھا ہے:

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۰ صـ ۱۱۳ وصـ ۱۱۴

حدث عن ابیہ عن ابی معشر کتاب المغازی رواہ عنہ احمد بن کامل القاضی[1]

داؤد نے اپنے والد سے، انھوں نے ابو معشر سے کتاب المغازی کی روایت کر کے اس کا درس دیا انسے قاضی احمد بن کامل نے روایت کی۔

قاضی ابوبکر احمد بن کامل بن خلف بغدادی متوفی ۳۵۰ھ احکام، علوم قرآن، نحو، شعر، ایام ناس اور تواریخ کے عالم تھے اور سیر کے موضوع پر ایک کتاب املا کرائی تھی۔

محمد بن شجاع ثلجی بغدادیؒ

ابو عبداللہ محمد بن شجاع ثلجی بغدادی متوفی ۲۶۶ھ رحمۃ اللہ علیہ ابن الثلجی کے نام سے مشہور رہیں، انھوں نے یحییٰ بن آدم، اسماعیل بن علیہ، وکیع بن جراح، ابو اسامہ عبیداللہ بن موسیٰ اور محمد بن عمر واقدی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی اور ان سے یعقوب بن شیبہ، ان کے پوتے محمد بن احمد بن یعقوب بن شیبہ، عبداللہ بن احمد بن ثابت بزاز اور عبدالوہاب بن عیسیٰ بن ابی حبہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے تلمیذ حسن بن زیاد لولوی سے تفقہ کی تعلیم پائی اور ان کے خاص تلامیذ و اصحاب میں شمار کئے گئے، ذہبی نے اُن کو فقیہ العراق اور شیخ الحنفیۃ لکھا ہے اور سمعانی نے فقیہ العراق فی وقتہ بتایا ہے، قاضی ابو عبداللہ صمیری نے لکھا ہے:

وھو المقدم فی الفقہ والحدیث وقراءۃ القرآن، مع ورع وعبادۃ

وہ فقہ اور حدیث اور قراءت و قرآن میں بہت آگے تھے اسی کے ساتھ تقویٰ اور عبادت میں پیش پیش تھے

ان کا انتقال عصر کی نماز میں بحالت سجدہ ۲۶۶ھ میں ہوا، اور اپنے مکان میں

---

[1] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۸

دفن کئے گئے، کیونکہ انھوں نے وصیت کی تھی کہ:

ادفنونی فی هذا البیت فانه لم یبق طاق الا ختمت علیه القرآن۔ — مجھے اسی مکان میں دفن کرنا، اس کے ہر ہر گوشے میں میں نے قرآن ختم کیا ہے۔

خلق قرآن کے فتنہ اور دوسرے الزام میں ان کو مبتدع، وضاع اور کافر تک کہا گیا۔

محمد بن شجاع ثلجی اپنے شیخ واقدی کے خاص راوی ہیں اور مطبوعہ نسخہ ان ہی کی روایت سے ہے .... ابو القاسم عبد الوهاب بن ابی حیة قال حدثنا ابو عبد الله محمد بن شجاع الثلجی، قال حدثنی محمد بن عمر الواقدی الخ۔ وہ فقہ وفتوی اور حدیث کی روایت میں مشغولیت کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے تھے، ابن ندیم نے ان تصانیف میں کتاب تصحیح الاخبار، الکبیر، کتاب النوادر اور کتاب المضاربۃ کا ذکر کیا ہے اور ذہبی نے ان کو متروک الحدیث بتایا ہے۔

محمد بن شجاع ثلجی فقہ وفتوی اور حدیث کے امام وعالم تھے اسی کے ساتھ اپنے شیخ واقدی کی کتاب المغازی کے راوی تھے اور اس کا درس دیتے تھے، اسی مناسبت سے ان کا ذکر علمائے سیر ومغازی میں کیا گیا ہے۔

عبد الوہاب بن ابو حیہ کے علاوہ محمد بن شجاع ثلجی سے واقدی کی کتاب المغازی کی روایت ابو بکر کاغذی نے عن ابیه، عن والده، عن محمد بن شجاع عن الواقدی اس کی روایت کی ہے[1]

---

[1] اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صیمری ص۱۵۸، تہذیب التہذیب ج ۹ ص۲۲۰، کتاب الانساب ج ۳ ص۱۴۴، العبر ج ۲ ص۳۳، الفہرست ص۱۹۱۔ الانساب ج ۶ ص۲۷۔

رَے، مَرو، بیہق، نیساپور، جزیرہ اور حرّان کے علمائے سیر و مغازی اور مصنفین

عہد فاروقی میں عجم کی فتوحات شروع ہوئیں اور دیکھتے دیکھتے خراسان، رے، اصفہان اور بلادِ ماوراء النہر کے انتہائی علاقوں تک جا پہنچیں، ان تمام مفتوحہ بلاد و امصار میں صحابہ، تابعین اور علمائے اسلام پھیل گئے اور ہر جگہ دینی علوم میں تعلیمی و تصنیفی سرگرمی پیدا ہوگئی، عجم کی سرزمین اسلامی علوم کے لئے بڑی زرخیز ثابت ہوئی اور یہاں کے اہل علم علمی فضا پر چھا گئے، جن میں سیر و مغازی کے بھی نامور مصنف گذرے ہیں۔

کتاب المغازی
علی بن مجاھد کابلی رازی

ابوالمجاھد علی بن مجاہد بن مسلم بن رفیع کابلی رازی متوفی بعد ۱۸۰ھ صاحب المغازی رحمۃ اللہ علیہ کے آباء و اجداد میں سے کوئی شخص کابل سے جنگی قیدی بن کر قبیلہ کندہ کی غلامی میں آیا تھا بعض علماء نے ان کو کابلی کے ساتھ ہندی بھی لکھا ہے کیونکہ اس زمانہ میں سجستان و کابل کے بعض علاقے سندھ اور مکران میں تھے، بلکہ سمعانی نے کابل کو بلاد ہند کا مشہور علاقہ بتایا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ابو معشر سندی کی طرح یہ بھی سندھ و مکران کے علاقے سے ہوں۔ علی بن مجاہد خراسان کے شہر رَے کے قاضی تھے انھوں نے مغازی کی تعلیم ابو معشر سندی اور محمد بن اسحاق سے حاصل کی، اور حدیث کی روایت حجاج بن ارطاۃ، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، ابو جعفر رازی عنبسہ بن سعید قاضی رَے، وغیرہ سے کی، ان سے احمد بن حنبل، جریر بن عبدالحمید، محمد بن عیسیٰ بن طباع، زیاد بن ایوب طوسی وغیرہ نے روایت کی:

خطیبؒ نے لکھا ہے کہ علی بن مجاہد کابلی نے بغداد آکر محمد بن اسحاق اور

جعد بن ابو جعد وغیرہ سے روایت کی[1] غالباً بغداد ہی میں انھوں نے ابو معشر سندی سے روایت کی ہے۔

امام احمد بن حنبل نے ۱۸۱ھ میں ان سے روایت کی ہے اور کہا ہے:

کتبنا عنہ، ما اری بہ باسًا — ہم نے ان سے روایت کی ہے، میں ان سے روایت میں کوئی حرج نہیں دیکھتا ہوں۔

انھوں نے کتاب المغازی تصنیف کی جس کے بارے میں یحییٰ بن معین اچھی رائے نہیں رکھتے تھے، خطیب نے لکھا ہے کہ صالح بن محمد جزرہ نے یحییٰ بن معین سے علی بن مجاہد کے بارے میں کلام عظیم اور وصف قبیح کی یہ روایت کی ہے:

کان یضع الحدیث وکان صنف کتاب المغازی فکان یضع لکلامہ اسنادًا — وہ حدیث وضع کرتے تھے اور انھوں نے کتاب المغازی لکھی تو اپنی باتوں کے لئے اسناد وضع کرتے تھے۔

حالانکہ ایک دوسرے راوی نے علی بن مجاہد کے بارے میں یحییٰ بن معین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میں نے ابو مجاہد کابلی کو ہشیم بن بشیر کے دروازے پر دیکھا ہے میں ان میں کوئی نقص نہیں دیکھتا ہوں، البتہ میں نے ان سے کچھ نہیں لکھا ہے[2]

ان کے بعض ہم وطن معاصرین نے ان کو کذاب کہہ کر ان کے ابن اسحاق سے سماع تک کا انکار کیا ہے، معاصرین کی جرح محدثین کے یہاں معتبر نہیں ہے۔ ان کی روایات تاریخ طبری وغیرہ میں موجود ہیں۔

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۰۶، تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۳۷۷، الانساب ج ۱۱ ص ۱، الجرح والتعدیل ج ۳ قسم ۱ ص ۲، تاریخ کبیر ج ۳ قسم ۲ ص ۲۹۔ [2] تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۰۶

كتاب المغازی
سلمہ بن فضل ابرش انصاری رازی

ابو عبداللہ سلمہ بن فضل الابرش انصاری رازی متوفی ۱۹۱ھ رحمۃ اللہ علیہ مولیٰ انصار ہیں، رے کے قاضی تھے، محمد بن اسحاق کے شاگرد خاص، ان کی کتاب المغازی کے راوی اور خود کتاب المغازی کے مصنف ہیں، ان کے عام تذکرہ نگار ان کو سلمہ ابرش اور بعض ازرق لکھتے ہیں۔

انھوں نے محمد بن اسحاق، حجاج بن ارطاۃ، سفیان ثوری، اسحاق بن راشد جزری، ابو جعفر رازی، زہیر بن معاویہ، ابراہیم بن طہمان وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عثمان بن شیبہ، عبداللہ بن عمر قرشی، یحییٰ بن معین وغیرہ نے روایت کی ہے۔

ابتدا میں مؤدِّب (معلم) تھے، بعد میں رے کے قاضی ہوئے، بڑی سمجھ بوجھ کے عالم تھے، انکے کاتب عبدالرحمن بن سلمہ رازی تھے۔ ان کے بارے میں یحییٰ بن معین نے جریر کا یہ قول نقل کیا ہے۔

لیس من لدن بغداد الی ان تبلغ خراسان اثبت فی ابن اسحاق من سلمۃ بن الفضل	بغداد سے خراسان تک ابن اسحاق کے بارے میں سلمہ بن فضل سے زیادہ معتبر ومستند کوئی نہیں ہے۔

اور خود یحییٰ بن معین کا قول ہے:

ثقۃ، قد کتبنا عنہ، کان کیسًا، مغازیہ اتم لیس فی الکتب اتم من کتابہ [1]	وہ ثقہ ہیں ہم نے ان سے حدیث لکھی ہے، بہت عقلمند تھے، انکی کتاب المغازی مکمل کتاب ہے اس فن میں کوئی کتاب اس سے مکمل نہیں ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۵۳، و ص ۱۵۴

ابن سعد نے لکھا ہے :

وکان ثقۃ صدوقاً، وھو صاحب محمد بن اسحاق روی عنہ المغازی والمبتدأ [1]

وہ ثقہ صدوق تھے، اور محمد بن اسحاق کے شاگرد ہیں۔ ان سے کتاب المغازی والمبتدار کی روایت کی ہے۔

اور ذہبی نے لکھا ہے :

روی المغازی عن ابن اسحاق، وھو مختلف فی الاحتجاج بہ ولکنہ فی ابن اسحاق ثقۃ [2]

انھوں نے ابن اسحاق سے کتاب المغازی کی روایت کی ہے، ان کی روایتوں سے حجت پکڑنے میں اختلاف ہے، مگر ابن اسحاق کے بارے میں ثقہ ہیں۔

سلمہ ابرش کا انتقال ۱۹۱ھ میں ہوا، اس وقت ان کی عمر ایک سو دس سال کی تھی۔

کتاب المغازی
حسین بن محمد ماسرجسی نیساپوری رح

ابو علی حسین بن محمد بن عبداللہ بن حسن ماسرجسی نیساپوری متوفی ۳۶۵ھ رحمۃ اللہ علیہ امام مسلم کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں، ان کا خاندان بیت الحدیث تھا جس میں دس سے زائد محدث اور اہل علم گذرے ہیں، انھوں نے عراق، شام مصر وغیرہ کا سفر کرکے حدیث کی روایت کی، کثرت کتابت وسماع اور روایت میں مشہور تھے۔ امام ابن شہاب زہری کی احادیث کو مدون کیا تھا۔ ان سے پہلے یہ کام کسی نے نہیں کیا تھا۔ امام زہری کی احادیث کے حافظ تھے۔ کتاب

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۳۸۱۔ [2] العبر ج ۱، ص ۳۰۸۔

المسند الکبیر مع العلل تیرہ سو ۱۳۰۰ اجزا میں لکھی تھی، ان کی تصانیف میں کتاب المغازی بھی ہے، مغازی، انساب و اخبار میں صاحب بصیرت و معرفت عالم تھے۔ سمعانی نے لکھا ہے:

وصنّف المغازی، والقبائل وکان عارفاً بہا۔ [1]

انھوں نے کتابُ المغازی اور قبائل کے انساب پر کتاب لکھی ہے وہ اسکے عالم تھے

انھوں نے صحیحین پر احادیث کی تخریج کی اور مشائخ اور فقہی ابواب پر علیحدہ علیحدہ کتابیں تصنیف کیں۔ حاکم نے کہا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں کثرت کتابت میں سفینہ تھے، ان کے انتقال سے علم کثیر ختم ہوگیا۔

کتابُ المغازی
عثمانؓ بن عمرو جزری رح

ابو ساج عثمان بن عمرو بن ساج قرشی جزری مولی بنی امیہ متوفی سنہ رحمۃ اللہ علیہ تابعین کے طبقہ ثالثہ کے علماء سے تھے، جزیرہ کے قاضی اور مغازی کے مصنف تھے۔

انھوں نے امام المغازی ابن شہاب زہری سے مرسل روایت کی ہے اور مشہور مصنف مغازی موسیٰ بن عقبہ سے براہ راست روایت کی ہے، ان کے اساتذہ اور شیوخ میں امام جعفر صادق، عمر بن ثابت، ابن جریج، خصیف جزری، سہیل بن ابو صالح وغیرہ ہیں، اور ان سے معتمر بن سلیمان محمد بن یزید بن سنان جزری، عبیداللہ بن یزید بن ابراہیم حربی وغیرہ نے روایت کی ہے [2]

ان کی کتاب المغازی سے معمر بن راشد نے جو خود صاحب المغازی ہیں دو اجزا نقل کیے تھے، ان کا بیان ہے کہ میں نے عثمان جزری سے مغازی کی دو چھوٹی چھوٹی

---

[1] الانساب سمعانی ج ۱۲ صـ۳۶، العبر ج ۲ صـ۳۳ [2] تہذیب التہذیب ج ۷ صـ۱۳۴، ۱۳۵۔

کتابیں نقل کی تھیں اور ان کو کسی نے مجھ سے عاریتہً لیا، پھر واپس نہیں کیا، اس سے پہلے میں نے کسی کو اپنی کتاب عاریتہً نہیں دی تھی۔[1]

ابن ابو حاتم نے لکھا ہے کہ یہ دو بھائی تھے عثمان اور ولید، دونوں سے حدیث کی روایت کی جائے گی، مگر ان کو حجت نہیں تسلیم کیا جائے گا۔[2]

محمد بن سلمہ باہلی حرّانی رح

ابو عبداللہ محمد بن سلمہ بن عبداللہ باہلی حرّانی متوفی ۱۹۱ھ رحمۃ اللہ علیہ مولیٰ بنی باہلہ جزیرہ کے شہر حرّان میں مستقل قیام کرتے تھے، انھوں نے ابن اسحاق سے کتاب المغازی کی روایت کی ہے۔ ثقہ، صدوق، محدث اور صاحب فضل و کمال فقیہ و مفتی تھے۔ ابن سعد نے انکے متعلق لکھا ہے:

وکان صدوقاً ثقۃ ان شاء اللہ	ان شاء اللہ وہ صدوق و ثقہ محدث تھے،
وکان لہ فضل، وروایۃ	اور صاحب فضل و کمال اور حدیث کے
وفتویٰ۔	راوی تھے اور مفتی تھے۔

انھوں نے محمد بن اسحاق کے علاوہ اور بہت سے محدثین سے روایت کی ہے، ان سے روایت کرنے والوں میں احمد بن حنبل، ابو جعفر عبداللہ بن محمد نفیلی، احمد بن ابو شعیب حرّانی، احمد بن بکار حرّانی، موسیٰ بن عبدالرحمٰن انطاکی اور بہت سے محدثین نے روایت کی ہے۔

ابو عروبہ کہتے ہیں کہ ان کے فضل و حفظ پر ہم نے لوگوں کو متفق پایا ہے، امام مسلم نے ان سے بارہ احادیث کی روایت کی ہے، ذہبی نے ان کو حرّان کا محدث و مفتی لکھا ہے۔

---

[1] کتاب العلل، احمد بن حنبل ج ۱ ص ۔ [2] الجرح والتعدیل ج ۳ قسم ۱ ص ۱۶۲۔

محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب حیدر آبادی فرنساوی کی تحقیق و تلاش سے محمد بن سلمہ حرّانی کے نسخۂ مغازی ابن اسحاق کا ایک حصّہ اہل علم تک پہنچا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے سیر ابن اسحاق کے نام سے ابن اسحاق کے دو تلامذہ یونس بن بکیر اور محمد بن سلمہ کی کتابوں کے اجزار شائع کئے ہیں، اس میں صفحہ ۲۰۵ سے صفحہ ۳۱۶ تک محمد بن سلمہ کی کتاب کا حصّہ ہے۔ جس میں غزوۂ بدر کے درمیان سے غزوۂ احد کے درمیان تک کے واقعات ہیں، اور یہ پورا حصہ صرف ابن اسحاق کی روایت پر مشتمل ہے اور جو کچھ اور جتنا ہے اصل کتاب المغازی ہے اس میں دوسرے شیوخ کی روایات نہیں ہیں۔

ابراہیم بن مصعب رازیؒ

ابراہیم بن مصعب رازی متوفی سنہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلمہ بن فضل ابرش کی کتاب المغازی کی روایت کی ہے، یحیٰ بن معین کہتے ہیں کہ رَے کا ایک عالم بغداد میں ہے جس کو ابراہیم بن مصعب کہتے ہیں، وہ سلمہ بن فضل کی کتاب المغازی بروایت ابن اسحاق کا درس دیتا ہے، وہ صدوق ہے میری رائے ہے کہ اہل علم ان سے اس کتاب کی روایت کریں[1]۔

ابو عصمہ نوح بن ابی مریم الجامع مروزی

ابو عصمہ نوح بن ابی مریم یزید بن جعونہ قرشی مروزی متوفی ۱۷۳ھ رحمۃ اللہ علیہ الجامع کے لقب سے مشہور ہیں کیونکہ وہ مختلف علوم و فنون میں جامعیت رکھتے تھے۔ مقام مَرو کے قاضی اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد اور ان کے علوم کے جامع تھے، انھوں نے اپنے والد ابو مریم، امام المغازی ابن شہاب زہری، مصنف مغازی ابن اسحاق، امام ابوحنیفہ، یحیٰ بن سعید انصاری عبید اللہ بن عبد اللہ عمری، ابن جریج، ابن ابی لیلیٰ، بہز بن حکیم، اعمش، مقاتل بن حیان

[1] الجرح والتعدیل ج ۱ قسم اول ص ۱۳۹

اور یزید نحوی وغیرہ سے حدیث وفقہ، تفسیر، سیر ومغازی اور شعر و ادب کی تعلیم حاصل کی تھی۔

ابن حجر نے لکھا ہے کہ ان کو جامع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے فقہ ابوحنیفہ اور ابن ابی لیلیٰ سے، حدیث حجاج ابن ارطاۃ وغیرہ سے، مغازی ابن اسحاق سے، تفسیر کلبی اور مقاتل سے حاصل کی تھی، وہ دنیاوی معاملات کے عالم تھے، ابوحنیفہ کی حیات ہی میں مرو کے قاضی بنائے گئے[1]

ایک روایت ہے کہ انھوں نے مرو میں سب سے پہلے ابوحنیفہ کی فقہ کو جمع اور مدوّن کیا۔ اس لئے ان کا لقب جامع ہوگیا۔ وہ محدثین کے نزدیک متروک ہیں۔

یاروں نے نوح بن ابومریم جامع کی طرف ایک غلط روایت یہ منسوب کی ہے کہ انھوں نے قرآن کی ایک ایک سورہ کے فضائل میں حضرت ابن عباس کی روایات عکرمہ کے واسطے سے بیان کی ہیں، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو جواب دیا کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ابوحنیفہ کی فقہ اور ابن اسحاق کی مغازی کی وجہ سے قرآن سے غافل ہوگئے ہیں اس لئے میں نے یہ اچھی اچھی حدیثیں وضع کیں[2]۔ مرو کے قاضی، فقہ حنفی کے جامع و ناشر اور ابن اسحاق سے مغازی کی تعلیم کرنے والا ایسی حرکت کرے؟ یہ بات سمجھ سے باہر ہے۔ ان کے متروک ہونے کی دوسری وجوہ ہیں جن میں ان کا حنفی ہونا اول نمبر پر ہے۔

فضل بن محمد شعرانی بیہقیؒ ابومحمد فضل بن محمد بن مسیب بن موسیٰ بن زہیر بن یزید بن کیسان ابن باذان شعرانی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۸۶ و ص ۴۸۹، العبر ج ۱ ص ۲۶۴ ۔ [2] مقدمہ ابن صلاح ص ۴۲، ص ۴۳

بیہقی متوفی ۴۵۸ھ رحمۃ اللہ علیہ کے جداعلیٰ باذان کسریٰ بادشاہ کی طرف سے یمن کے حاکم تھے، اور سب سے پہلے وہ مسلمان ہوئے۔

فضل بن محمد نے طلب علم میں دنیا کی خاک چھان ماری، اندلس کے علاوہ پورے عالم اسلام کا چکر کاٹ کر تحصیل علم کی۔ ذہبی نے ان کو الامام، الجوال الحافظ لکھا ہے۔ حاکم نے ان کو ادیب، فقیہ، عابد اور طبقات ورجال کا عالم بتایا ہے انھوں نے احادیث کی روایت کے ساتھ کتابیں لکھیں ہیں[1] ان کے پاس چند ایسی کتابیں تھیں جن کی روایت میں وہ منفرد تھے، ان کتابوں میں ابواسحاق ابراہیم بن منذر حزامی کی کتاب المغازی بھی تھی، انھوں نے اس کی روایت عبداللہ بن وہب مصری سے کی تھی۔

وکان عنده تاریخ احمد بن حنبل عنه و تفسیر سنید بن داؤد، و السنن عن النعیم بن حماد و المغازی عن ابن المنذر[2]	ان کے پاس احمد بن حنبل کی تاریخ، ان کی روایت سے، سنید بن داؤد کی تفسیر، نعیم بن حماد کی کتاب السنن اور ابراہیم ابن منذر کی روایت سے کتاب المغازی تھی۔

ان کے صاحبزادے ابوبکر محمد بن فضل شعرانی اور پوتے ابوالحسن سہل بن محمد بن فضل شعرانی دونوں اپنے اپنے وقت میں مشہور علما، وفضلا میں سے تھے۔

یمن اور صنعاء کے علمائے سیر و مغازی اور مصنفین!!

مدرسۃ المغازی مدینہ میں سیر و مغازی کی ابتدائی تصنیف کے زمانہ ہی میں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۱۲۰، العبر ج ۲ ص ۶۹ ۔ [2]

یمن کے شہر صنعاء میں بھی اس فن میں کتاب لکھی گئی، اور اس میں اس شہر کا دوسرا نمبر ہے، یہاں سب سے پہلے وہب بن منبہ، ان کے بعد امام زہری کے شاگرد معمر بن راشد اور ان کے شاگرد عبدالرزاق نے اپنی اپنی کتاب المغازی تصنیف کی، بعد میں ان کے تلامذہ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا۔

کتاب المغازی
وہب بن منبہ صنعانی رح

ابو عبداللہ وہب بن منبہ بن کامل ابناوی صنعانی متوفی سنہ ۱۱۰ھ رحمۃ اللہ علیہ فارسی النسل ابناء کی اولاد سے ہیں، جنکو کسریٰ بادشاہ نے یمن پر قبضہ کرنے کے لئے ایران سے یمن بھیجا تھا اور یہ لوگ وہیں آباد ہوگئے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ، حضرت ابو سعید خدری، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ صنعاء کے قاضی تھے، نہایت عابد و زاہد اور بزرگ انسان تھے، ان کے بڑے بھائی ہمام بن منبہ حضرت ابوہریرہ کے تلمیذ خاص ہیں صحیفہ ہمام بن منبہ حضرت ابوہریرہ کی روایات کا مختصر سا مجموعہ چھپ گیا ہے۔

وہب بن منبہ نے ستر سے زائد کتابیں پڑھی تھیں جو انبیائے سابقین پر نازل ہوئی تھیں، امم سابقہ کے اخبار و احوال کے زبردست عالم تھے، کثرتِ معلومات میں کعب احبار کے ہم پلہ مانے جاتے تھے۔

انھوں نے سیر و مغازی کو کتاب میں مدوّن کیا تھا۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے:

وجمعها ایضًا وهب بن منبّة[1] — وہب بن منبہ نے بھی مغازی کو جمع کیا تھا۔

[1] کشف الظنون ج ۲ صـ ۱۴۷ ۔ تہذیب التہذیب ج ۱۱ صـ ۱۶۷ ۔

مگر ان کی اس کتاب کا تذکرہ کتابوں میں نہیں ملتا ہے۔ سیرابن ہشام میں ان کی دو ایک روایت ہے۔ البتہ انکی کتاب التیجان بروایت عبدالملک بن ہشام کلبی ۱۳۴۷ھ میں حیدر آباد سے اور ۱۹۷۹ء میں جمہوریہ جنوبی یمن سے شائع ہوگئی ہے اس کی ابتدا یوں ہے : حدثنا ابو محمد عبد الملك بن هشام عن اسد بن موسىٰ، عن ابى ادريس، عن جده لامه وهب ابن منبه قال الخ۔

اس کے آخر میں عبید بن شریہ صنعانی کی کتاب الملوک واخبار الماضیین بھی شامل ہے۔ بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہب بن منبہ کی کتاب المغازی کا ایک جزء جرمنی میں ہے۔

کتابُ المغازی معمر بن راشد ازدی صنعانی

ابو عروہ معمر بن راشد ازدی حدانی بصری نزیل صنعاء یمنی صنعانی متوفی ۱۵۴ھ رحمۃ اللہ علیہ مولیٰ بنی ازد ہیں، ان کا وطن بصرہ ہے اور صنعاء میں مستقل سکونت کرلی تھی، نہایت ثقہ حافظ حدیث، حجت اور سیر و مغازی کے امام و مصنف ہیں۔ اس علم میں محمد بن شہاب زہری کے تلمیذ خاص اور انکی کتاب المغازی کے راوی ہیں۔ ان کے اساتذہ و تلامذہ میں مشاہیر ائمہ دین ہیں۔

ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے محمد بن شہاب زہری سے حدیث کا سماع کس طرح کیا ہے، تو بتایا کہ میں بنو ازد کا غلام تھا۔ میرے آقا نے مجھے پارچہ فروشی کا حکم دیا، اس سلسلہ میں مدینہ آیا اور ایک مکان میں اترا، وہاں ایک شیخ کو دیکھا جسکے سامنے علماء احادیث پڑھ رہے ہیں، میں بھی انکے ساتھ پڑھنے لگا۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۶، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۴۳، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۸۔

معمر بن راشد حضرت ابو ہریرہ کے شاگرد ہمام بن منبہ سے حدیث کی تعلیم کے لئے یمن گئے تو وہاں کے اہل علم نے روک لینے کی ترکیب سوچی، رائے ہوئی کہ ان کو قید کردیا جائے، چنانچہ ان کی شادی کردی اور وہ وہیں کے ہو رہے، بصرہ میں انکی گمشدگی کا شہرہ عام ہوگیا، طبرانی کا بیان ہے کہ معمر بن راشد اور سلم بن ابی زیال طلب علم میں یوں گم ہوگئے کہ مدتوں ان کا پتہ نہ چلا، ایک مرتبہ سفیان بن عیینہ نے عبدالرزاق صنعانی سے معمر کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ ان کا انتقال ہمارے یہاں صنعاء میں ہوا ہم ان کے جنازہ میں شریک تھے۔ ان کی بیوی نے ہمارے یہاں کے قاضی مطرف بن مازن سے نکاح کرلیا [۱]

معمر کا بیان ہے کہ میں نے عثمان جزری سے مغازی کے دو کتابچے نقل کئے۔ کسی نے ان کو عاریۃً لیا اور واپس نہیں کیا۔ اس سے پہلے میں نے کسی کو اپنی کتاب عاریۃً نہیں دی تھی [۲]

ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے:

من اصحاب السیر والاحداث	معمر بن راشد علمائے سیر و احداث میں سے
ولہ من الکتب کتاب المغازی [۳]	ہیں اور انکی کتابوں میں کتاب المغازی ہے

معمر بن راشد کی کتاب المغازی کا بیشتر حصہ عبدالرزاق صنعانی نے کتاب المصنف میں اپنی روایت سے بیان کردیا ہے اور مصنف کی اشاعت کے بعد وہ محفوظ ہوگیا ہے۔ ان کا انتقال اٹھاون سال کی عمر میں رمضان ۱۵۳ھ میں یا ۱۵۴ھ میں ہوا۔

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۴۵۔ [۲] کتاب العلل احمد بن حنبل ج ۱ ص بحوالہ مقدمہ تدوین حدیث، اسلام آباد، [۳] الفہرست ص ۱۳۸۔

کتابُ المغازی
عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رح

ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع، مولیٰ حمیر، حمیری صنعانی متوفی ۲۱۱ھ رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے، معمر بن راشد کے علم کے وارث اور ان کی کتاب المغازی کی روایت کرکے خود کتابُ المغازی کے مصنف ہیں، انھوں نے حدیث کی روایت اپنے والد، چچا وہب بن نافع، ابن جریج، اوزاعی، مالک بن انس، سفیان ثوری سفیان بن عیینہ وغیرہ سے کی اور ان سے ان کے شیخ سفیان بن عیینہ، وکیع بن جراح، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، علی بن مدینی، یحیٰ بن معین وغیرہ نے روایت کی۔

عبدالرزاق کہتے ہیں کہ میں سات سال تک معمر بن راشد کی مجلس درس میں بیٹھا ہوں، امام احمد کا قول ہے کہ عبدالرزاق معمر کی حدیث کے حافظ تھے میرے نزدیک عبدالرزاق عن معمر والی حدیث اہل بصرہ کی حدیث سے زیادہ محبوب ہے۔ وہ معمر کی کتابوں کو پیش نظر رکھتے تھے، جب کہ خود معمر بصرہ میں اپنے حافظہ سے حدیث بیان کرتے تھے، ابراہیم بن عباد دبری کا بیان ہے کہ عبدالرزاق کو تقریباً سترہ ہزار حدیث زبانی یاد تھی، یمن سے بسلسلۂ تجارت ملک شام آتے تو یہاں کے اہل علم ان سے روایت کرتے تھے۔

بعض لوگوں نے ان پر تشیع کا الزام لگایا ہے بات اتنی تھی کہ وہ حب علی میں غلو کرتے تھے، اس الزام کے علی الرغم ائمۂ اسلام نے ان سے تحصیل حدیث کی اور دور دور سے سفر کرکے ان سے فیض پایا۔[1]

---

[1] تفصیل کے لئے تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۳۱۰، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳۳۱ ملاحظہ ہو۔

انکی کتاب المغازی کتاب المصنف میں چھپ گئی ہے، ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں کتاب السنن فی الفقہ اور کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے[1] ہمارے خیال میں کتاب السنن فی الفقہ ان کی کتاب المصنف ہے، جو گیارہ ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اور فقہی ترتیب پر ہے، اس کی پانچویں جلد کے صفحہ ۲۱۲ سے صفحہ ۴۹۲ تک کتاب المغازی ہے جس میں زیادہ تر روایات عبدالرزاق عن معمر عن الزہری کی سند سے ہیں، دوسری روایات بھی ہیں، یہ مغازی کی قدیم کتابوں میں سے ہے۔

شام و دمشق کے علمائے سیر و مغازی اور مصنفین۔

شامی فتوحات کا سلسلہ عہد صدیقی میں شروع ہو گیا تھا اور عہد فاروقی میں اس کا عروج ہوا بنوامیہ نے دمشق کو دارالخلافہ بنایا تو نامی گرامی صحابہ، تابعین اور اہل علم اس مرکز سے وابستہ ہو گئے۔ اموی خلفاء علم دوست تھے، حضرت معاویہؓ نے سب سے پہلے یہاں تصنیفی کام کرایا۔ عبدالملک بن مروان اور ولید وغیرہ نے امام زہری اور دیگر علماء سے کتابیں لکھوائیں۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے احادیث اور مغازی کے جمع اور اشاعت پر خصوصی توجہ کی اور اسلامی علوم خصوصاً حدیث کا بکھرا ہوا سرمایہ یکجا ہو گیا۔

کتاب المغازی ولید بن مسلم قرشی دمشقی

ابوالعباس ولید بن مسلم قرشی دمشقی متوفی ۱۹۵ھ رحمۃ اللہ علیہ مولیٰ بنی امیہ اور مولیٰ بنی ہاشم، صاحب المغازی، محدث شام و فقیہ اور سیر و مغازی کے عالم و مصنف ہیں۔

---

[1] الفہرست ص۳۱۸۔

اُن کی ولادت ۱۱۹ھ میں ہوئی تھی۔

انھوں نے اوزاعی، ابن جریج، ابن عجلان، ابن ابی ذئب، سفیان ثوری، عبد العزیز بن ابورواد، ثور بن یزید وغیرہ سے روایت کی اور ان سے لیث بن سعد، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، علی بن عبداللہ مدینی، حمیدی وغیرہ نے روایت کی ہے[1]

اپنے زمانہ کے مشہور صاحب تصانیف کثیرہ ہیں، ابن حوصار کہتے ہیں کہ ہم لوگ سُنا کرتے ہیں کہ جو شخص ولید بن مسلم کی کتابوں کو لکھے پڑھے گا اس میں قضا کی صلاحیت پیدا ہوگی اور یہ سب ستر کتابیں ہیں سیر و مغازی میں ان کی علمیت کا اعتراف بڑے بڑے علماء نے کیا ہے، ابوزرعہ رازی کا قول ہے:

کان الولید اعلم من وکیع بامر المغازی[2]	ولید بن مسلم وکیع بن جراح سے زیادہ مغازی جانتے تھے۔

ذہبی نے لکھا ہے:

کان الولید بارعاً فی حفظ المغازی[3]	ولید مغازی یاد رکھنے میں بہت آگے تھے

ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے:

الولید بن مسلم من اصحاب السیر والاحداث وله من الکتب کتاب المغازی[4]	ولید بن مسلم علمائے سیر و احداث میں سے تھے اور ان کی کتابوں میں کتاب المغازی ہے۔

اور دوسری جگہ لکھا ہے کہ ابوالعباس مولیٰ قریش کی کتابوں میں ... کتاب السنن فی الفقہ اور کتاب المغازی ہے[5]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۷، ص ۱۷۴، تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۱، [2] العبر ج ۱ ص ۳۱۹۔
[3] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۵۳۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۷۹۔ [5] الفہرست ص ۱۵۹ و ص ۳۱۸

اُن کی وفات تہتر ۷۳ سال کی عمر میں حج سے واپسی پر دمشق کے راستہ میں مقام ذی مرزہ میں محرم ۱۹۴ھ میں ہوئی۔

ولید بن مسلم کی روایات سیر و مغازی کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں، خلیفہ بن خیاط نے اپنی تاریخ میں ایک جگہ محمد بن عائذ دمشقی کے واسطہ سے اور ایک جگہ دوسرے راوی کے واسطہ سے روایت کی ہے [1]

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ان کی روایت نقل کی ہے، مثلاً وقد حکی ابن عائذ فی المغازی عن الولید بن مسلم [ج ۸ ص ۱۰]

کتاب المغازی

محمد بن عائذ قرشی دمشقی رح

ابو محمد احمد بن عائذ بن احمد قرشی دمشقی متوفی ۲۳۳ھ رحمۃ اللہ علیہ حافظ حدیث اور صاحب المغازی ہیں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ دمشق کے علاقہ غوطہ کے ناظر خراج تھے اس لئے الکاتب کے لقب سے مشہور ہیں، سیر و مغازی میں ولید بن مسلم کے تلمیذ خاص اور ان کی کتاب المغازی کے راوی ہیں، انھوں نے یحیٰ بن حمزہ حضرمی، اسمٰعیل بن عیاش، عطاف بن خالد، ہشیم بن حمید، ابو مسہر دمشقی وغیرہ سے روایت کی اور ان سے ابوزرعہ رازی، ابوزرعہ دمشقی، محمود بن ابراہیم بن سمیع دمشقی عثمان بن خرزاد، جعفر بن محمد فریابی وغیرہ نے روایت کی ہے [2]

ثقہ محدث اور صاحب فقہ و فتوے عالم تھے۔ ذہبی نے ان کے یہ اوصاف بیان کئے ہیں۔

صاحب المغازی والفتوح، و مغازی، اور فتوح اور......

---

[1] تاریخ خلیفہ ج ۱ ص ۱۴، ۱۲۵، و ص ۵۰۶ ۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۴۱ ۔

الصوائف، وغیر ذلك من المصنفات المفیدة [1] — صوائف وغیرہ میں مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔

محمد بن عائذ کے معاصر خلیفہ بن خیاط متوفی ۲۴۰ھ نے اپنی تاریخ میں صوائف یعنی رومیوں سے گرمائی غزوات وغیرہ کی روایات بکار بن عبداللہ کے واسطہ سے نقل کی ہیں جن کو محمد بن عائذ نے ولید بن مسلم، اسمٰعیل عیاش، مروان بن محمد، واقدی ابن نمیر وغیرہ سے روایت کیا ہے، اس کے بعد تقریباً دو صفحات میں ابن عائذ کی آٹھ روایات بیان کی ہیں۔

ابن حجر نے فتح الباری کتاب المغازی میں ابن عائذ کی کتاب المغازی کے حوالے دیئے ہیں: مثلاً

وذكر ابو الاسود فی مغازیه عن عروة، ووصله ابن عائذ من حدیث ابن عباس [ج ۷، ص۲۸۰] واخرجه ابن عائذ من طریق ابی الاسود عن عروة [ج ۷، ص۲۸۲] وعند ابن عائذ فی حدیث عروة [ج ۷، ص۲۸۲] ثم وجدت فی مغازی ابن عائذ ما یرفع الاشكال، فانه اخرج هذه القصة مطولة باسناد منقطع [ص۳۰۳] عند ابن عائذ عن طریق ابی الاسود عن عروة [ص۳۲۴] ثم وجدت فی مغازی ابن عائذ [ج ۸، ص۱۳] وفی روایة ابن عائذ [ص۱۴] وفی مغازی عند ابن اسحاق و ابن عائذ [ص۱۶] اخرجه ابن عائذ [ص۴۶] وقد حكی ابن عائذ فی المغازی عن الولید بن مسلم [ص۴۱]

---

[1] العبر ج ۱ ص۴۱۴ ۔

عبدالاعلی بن مسہر غسانی دمشقیؒ

ابو مسہر عبدالاعلیٰ بن مسہر بن عبداللہ بن مسلم غسانی دمشقی متوفی ۲۱۸ھ رحمہ اللہ

علیہ اہل شام کے شیخ و عالم حافظ حدیث اور سیر و مغازی کے امام ہیں، ۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔

انھوں نے سعید بن عبدالعزیز، عبداللہ بن علاء، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، اسمٰعیل عیاش وغیرہ سے روایت کی اور ان سے محمد بن اسمٰعیل بخاری، یحیٰی بن معین، احمد بن حنبل، ابو حاتم رازی، ابو زرعہ دمشقی وغیرہ نے روایت کی ہے۔

حدیث کے حفظ و اتقان میں علمائے شام کے امام اور اہل دمشق کی اولاد کے انساب کے ماہر تھے۔ اہل شام اپنے شیوخ و اساتذہ کی جرح و تعدیل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، بڑے رعب داب کے عالم تھے فتنۂ خلق قرآن میں گرفتار کر کے دمشق سے بغداد لائے گئے، سخت ابتلاء کے باوجود انکار کرتے رہے، تلوار نکالی گئی تو اپنی گردن آگے کر دی، یہ دیکھ کر خلیفہ مامون نے جیل میں ڈال دیا۔ تھوڑی مدت جیل میں رہ کر رجب ۲۱۸ھ میں انتقال کیا[1]

وہ سیر و مغازی کے زبردست اور مشہور امام تھے۔ ابو احمد حاکم نے کہا ہے:

کان عالمًا بالمغازی و ایام الناس[2] — وہ مغازی اور لوگوں کی جنگوں کے عالم تھے۔

ذہبی نے لکھا ہے:

وکان علامۃً بالمغازی والاثر، کثیر العلم، رفیع الذکر[3] — وہ مغازی اور اثر کے علامہ، کثیر العلم، مشہور عالم تھے۔

اور سمعانی کا بیان ہے:

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۹۸، [2] ایضاً ص ۱۰۱۔ [3] العبر ج ۱ ص ۳۷۴۔

وکان من اعلم الناس بالمغازی وایام الناس [1] — وہ مغازی اور جنگوں کے سب سے بڑے عالم تھے۔

ان کے رعب داب اور جلالتِ شان کا یہ حال تھا کہ جب باہر آتے تو لوگ صف بستہ کھڑے ہو کر ان کے ہاتھ کا بوسہ دیتے تھے۔

اندلس اور مصر کے علمائے سیر و مغازی اور مصنفین

مصر میں مغازی کے درس و روایت کا سلسلہ یتیم عروہ ابو الاسود نے عروہ بن زبیر کی کتاب المغازی سے شروع کیا اور وہاں کے اہل علم نے اس کتاب کی ان سے روایت کر کے اس کی یوں اشاعت کی کہ مغرب اقصیٰ اور اندلس تک اس کا فیض عام ہوا۔ مصر سے افریقہ اور اندلس تک امام مالک کے تلامذہ درس و تدریس کیساتھ تصنیف و تالیف میں مصروف رہے، اور دیگر اسلامی علاقوں کی طرح یہاں بھی سیر و مغازی کا چرچا رہا اور اس میں کتابیں لکھی گئیں۔

کتاب المغازی عبداللہ بن وہب قرشی مصری

ابو محمد عبداللہ بن وہب بن محمد قرشی مصری مولی بنی فہم متوفی ۱۹۷ھ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک کے اجل تلامذہ میں سے ان کے دادا افریقہ کے بربر نسل سے تھے۔ ابن وہب نے مصر، حجاز، عراق کے تقریباً چار سو علماء و محدثین سے روایت کی ہے اور تقریباً بیس سال تک امام مالک کے حلقہ درس سے وابستہ رہے، اُن کا قول ہے کہ میں نے تین سو ساٹھ اہل علم سے فیض اٹھایا۔

---

[1] الانساب ج ۱۔ ص ۲۳۳۔

اگر مالک اور لیث نہ ہوتے تو میں گمراہ ہو جاتا اور یہ کہ:

ادرکت من اصحاب ابن شهاب الزهری اکثر من عشرین رجلاً۔	میں نے ابن شہاب زہری کے تلامذہ میں سے بیس سے زائد لوگوں کو پایا ہے۔

ابن وہب نہایت عابد وزاہد اور بزرگ عالم تھے، سال کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ میں اسکندریہ میں مرابطت کرتے تھے، ایک حصہ میں مصر میں حدیث کا درس دیتے تھے اور ایک حصہ میں حج ادا کرتے تھے[1]

اس کے ساتھ کتابیں بھی تصنیف کرتے تھے، ابن قاسم کا قول ہے کہ علم حدیث کو جس قدر انھوں نے مدوّن کیا ہے کسی دوسرے نے نہیں کیا۔

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ انھوں نے امام مالک سے ان کی کتابوں میں سے سنن اور موطا کی روایت کی ہے نہایت ثقہ وصالح عالم تھے[2]

ذہبی نے لکھا ہے کہ ابن وہب نے فقہ، روایت اور عبادت کو جمع کیا ہے اور ان کی تصانیف کثیرہ ہیں[3]

قاضی عیاض کا بیان ہے کہ انھوں نے جلیلۃ المقدار، عظیمۃ المنفعہ، بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ اس کے بعد ان کی تصانیف میں سے دس کتابوں کا ذکر کیا ہے جس میں کتاب المغازی اور کتاب الاموال بھی ہے[4]

ان کے تلامذہ میں ابراہیم بن منذر حزامی مدنی متوفی ۲۳۶ھ نے ان سے کتاب المغازی کی روایت کر کے اس کا درس دیا ہے، ابن حجر نے ابراہیم بن منذر کے تذکرہ میں عثمان دارمی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے یحیٰ بن معین کو دیکھا ہے

---

[1] ترتیب المدارک ج ۲ ص ۴۲۱ تا ۴۲۳۔ [2] الفہرست ص ۲۸۱۔ [3] العبر ج ۱ ص ۳۲۳۔ [4] ترتیب المدارک ج ۲ ص ۴۲۳

کہ انھوں نے ابراہیم بن منذر سے ابن وہب کی احادیث لکھیں۔ میرا گمان ہے کہ وہ مغازی تھیں۔ [1]

ابن وہب کا انتقال ۱۹۷ھ میں مصر میں ہوا، انتقال کے بعد ان کی کتابیں پانچ سو دینار میں فروخت کی گئیں۔

کتاب المغازی
عبدالملک بن حبیب سلمی اندلسی

ابو مروان عبدالملک بن حبیب بن سلیمان بن ہارون بن عباس بن مرداس مالکی سلمی اندلسی متوفی ۲۳۸ھ رحمۃ اللہ علیہ مالکی مسلک کے مشہور امام اور اندلس میں اسکے ناشر، تاریخ، اخبار، انساب، سیر، مغازی اور عربیت کے زبردست عالم ہیں، ان کے والد حبیب العصّار کے لقب سے مشہور تھے۔

انھوں نے اندلس میں تحصیل علم کے بعد ۲۰۸ھ میں مشرق کا سفر کیا اور یہاں کے اہل علم سے فیضیاب ہو کر ۲۱۰ھ میں اندلس واپس ہوئے اور البیرہ میں قیام کیا، امیر عبدالرحمن بن حکم نے انکو قرطبہ بلا کر علمائے فقہ وفتوی کی جماعت میں شامل کیا۔

قاضی عیاض نے انکی تصانیف میں کتاب المغازی اور مغازی سے متعلق ان کتابوں کا ذکر کیا۔ (۱) کتاب الرہون والمغازی والحدثان۔ یہ کتاب ۹۵ جزر میں تھی۔ (۲) کتاب مغازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۲ جزر میں تھی [2]

داؤدی نے طبقات المفسرین میں مغازی وغیرہ میں ان کی تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔ (۱) کتاب الدہور والقدمار والحدثان ۹۵ جزر میں (۲) کتاب مغازی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ۲۲ جزء میں [3]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۶۱ ، [2] ترتیب المدارک ج ۳ ص ۳۰ وص ۳۱ ۔ [3] طبقات المفسرین ج ۱ ص ۳۵۰

باب پنجم

سیر کی فقہی تدوین

سیر جمع سیرت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال وسوانح حیات کے ابتدائی مصنفین اور ان کی تصانیف کے بارے میں گذشتہ صفحات میں تفصیل پیش کی گئی ہے اب سیر جمع سیرت یعنی اسلام کے حربی قوانین واصول اور فقہی احکام ومسائل کے ابتدائی مصنفین اور ان کی تصانیف کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ فقہاء ومحدثین کی کتاب السیر میں ان امور ومعاملات کا بیان ہوتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی طرف سے مشرکوں حربیوں، مستامنوں، ذمیوں، باغیوں، مرتدوں اور عہد وپیمان والوں کے بارے میں پیش آئے ہیں۔

فقہاء اور محدثین دونوں نے اپنے اپنے اصول کے مطابق اس موضوع پر خدمت انجام دی ہے۔ محدثین کتاب الجہاد والسیر میں اس سلسلہ کی احادیث و آثار اپنی روایت سے بیان کرتے ہیں، ان کا انداز محدثانہ ہوتا ہے، اور فقہاء بھی کتاب الجہاد والسیر کے عنوان سے احادیث وآثار کی روشنی میں جہاد وغزوات کے قوانین اور احکام ومسائل اپنے فقیہانہ ومجتہدانہ انداز میں بیان کرتے ہیں دونو

طبقوں کا مقصد ایک اور انداز جدا جدا ہے، جس طرح مغازی حدیث کی ایک قسم ہے اسی طرح سیر فقہ کی ایک قسم ہے، اور اس کی اہمیت و ضرورت کی وجہ سے فقہاء نے کتاب السیر کے نام سے فقہ کی اس خاص قسم میں مستقل کتابیں تصنیف کیں، اور ان میں اسلام کے حربی نظام و قوانین اور اصول کو مدوّن و مرتب کیا۔

مدرسۃ السیر کوفہ

جس طرح مدینہ منورہ مدرسۃ المغازی ہے، اسی طرح کوفہ مدرسۃ السیر ہے، سب سے پہلے یہاں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ نے اس کو مستقل موضوع قرار دے کر کتابیں تصنیف کیں، ہندوستان میں فقہ حنفی کے مشہور عالم و محقق مولانا ابوالوفا افغانی متوفی ۱۳۹۵ھ رحمۃ اللہ علیہ کتاب الرد علی سیر الاوزاعی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ علم السیر میں سب سے قدیم کتاب امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، انھوں نے اپنے تلامذہ ابو یوسف، زفر، اسد بن عمرو، حسن بن زیاد لولوی، حفص بن غیاث نخعی، محمد بن حسن شیبانی، عافیہ بن یزید اپنے صاحبزادے حماد اور اس طبقے کے ائمہ کبار کو اس کا املاء کرایا اور ان لوگوں نے امام صاحب سے اس کی روایت کرکے اس میں اضافہ اور ترتیب و تہذیب کے بعد کتابیں لکھیں جو ان کی طرف منسوب ہوئیں ہیں[1]

اسی دور میں مدینہ منورہ میں امام مالک نے کتابُ الموطا، کی کتاب الجہاد میں سیر کے بارے میں احادیث و آثار اور اقوال و آراء بیان کئے مگر اس کی حیثیت سیر میں مستقل تصنیف کی نہیں ہے بلکہ ضمنی ہے۔

اس دور کی تصانیف میں قاضی ابو یوسف اور یحییٰ بن آدم قرشی کی کتاب الخراج

---

[1] مقدمہ کتابُ الرد علی سیر الاوزاعی ص۲

اور ابوعبید قاسم بن سلام کی کتاب الاموال مطبوع و متداول ہے، یہ کتابیں صیغۂ مالیات سے متعلق ہیں مگر ان میں سیر کے احکام و مسائل بھی ہیں، اس اعتبار سے ان کا شمار علم السیر کی کتابوں میں کیا جا سکتا ہے، حدیث و فقہ کی تقریباً ہر کتاب میں کتاب الجہاد والسیر کے ذیل میں سیر کے بارے میں احادیث و آثار اور احکام و مسائل درج ہوتے ہیں اور اسی اعتبار سے ان کا بھی سیر کی کتابوں میں شمار ہو سکتا ہے مگر یہاں اس موضوع کی مستقل تصانیف کا ذکر مقصود ہے۔

کتاب السیر الصغیر اور کتاب السیر الکبیر محمد بن حسن شیبانی کوفیؒ

ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی کوفی متوفی ۱۸۹ھ رحمۃ اللہ علیہ صاحب ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سیر کے سب سے پہلے مصنف اور صاحب تصانیف کثیرہ فقیہ ہیں، ان کا وطن دمشق کا ایک قریہ حرستا تھا، ان کے والد عراق آ گئے تھے، ان کی پیدائش ۱۳۲ھ میں شہر واسط میں ہوئی کوفہ میں تعلیم و تربیت ہوئی ان کا شمار امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں ہے، ہارون رشید نے ان کو مقام رقہ کا قاضی بنایا تھا، ہارون رشید کیساتھ خراسان گئے اور شہر رے میں اٹھاون سال کی عمر میں ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے۔

امام محمد نے امام ابوحنیفہ کے علاوہ قاضی ابو یوسف، امام مالک، سفیان ثوری، مسعر بن کدام، عمر بن ذر، مالک بن مغول، اوزاعی، زمعہ بن صالح، بکیر بن عامر وغیرہ سے روایت کی اور ان سے امام شافعی، ابوسلمان جوزجانی ہشام بن عبیداللہ رازی، ابوعبید بن قاسم بن سلام، اسمٰعیل بن توبہ، علی بن مسلم طوسی وغیرہ نے روایت کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے تیس ہزار درہم چھوڑے تھے میں نے پندرہ ہزار درہم نحو اور شعر کی تعلیم پر اور پندرہ ہزار درہم حدیث و فقہ

کی تعلیم پر صرف کئے، بیس سال کی عمر میں کوفہ میں ان کا مستقل حلقۂ درس قائم ہوگیا تھا۔

امام شافعی کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد سے ایک اونٹ کے بار برابر کتابیں پڑھی ہیں، اور ان کی کتابوں کے لئے ساٹھ دینار خرچ کئے ہیں۔ میں نے حلال و حرام اور ناسخ و منسوخ کا ان سے زیادہ جاننے والا کسی کو نہیں دیکھا ان کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ قرآن ان کی زبان میں نازل ہوا ہے، ان سے زیادہ فصیح و بلیغ اور ان سے زیادہ عقلمند آدمی میں نے نہیں دیکھا، امام مالک کے بعد امام محمد کو اپنا اُستاذ مانتا ہوں۔

ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل سے پوچھا کہ آپ کو یہ دقیق مسائل کہاں سے ملے؟ انھوں نے بتایا کہ محمد بن حسن کی کتابوں سے، امام محمد کہتے ہیں کہ میرا مسلک وہی ہے جو ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ، ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ اور عثمانؓ کا ہے[1]

امام محمد تفقہ و اجتہاد میں امامت کا درجہ رکھتے ہیں، اس میں ان کو امتیازی شان حاصل ہے، اسی کے ساتھ انھوں نے دوسرے علوم و فنون سے حصۂ وافر پایا ہے نحو و عربیت اور اشعار عرب کو خاص طور سے حاصل کیا تھا، سیر و مغازی کے زبردست عالم تھے اور انھوں نے سیَر یعنی اسلام کے حربی نظام پر سب سے پہلے کتابیں لکھیں، اس فن میں ان کی مہارت کا اندازہ ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے جس کو انھوں نے خود بیان کیا ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہارون رشید نے مجھے بلایا اور رسمی گفتگو کے بعد کہا

---

[1] اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ صیمری ص ۱۲۰، تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۷۲۔

کہ حضرت عمرؓ نے بنو تغلب کے نصاریٰ سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو نصرانی نہیں بنائیں گے، حالانکہ بعد میں انھوں نے ایسا کیا جس کی وجہ سے ان کا خون حلال ہوگیا، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں ان کو اس شرط پر مجبور کیا تھا، ان کے بعد بنو تغلب نے اپنی اولاد کو نصرانی بنایا۔ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے اس کو برداشت کیا، حضرت علیؓ کا علمی مقام و مرتبہ آپ کو معلوم ہے اور اسی پر عمل جاری رہا اس لئے حضرت عمرؓ کے بعد خلفاء کی طرف سے یہ سنت جاریہ تسلیم کی جائے گی، اس معاملہ میں آپ کو کوئی روایت نہیں ملے گی، میں نے علمی و دینی حیثیت سے مسئلہ کی نوعیت آپ کے سامنے رکھدی، اب آپ جو چاہیں کریں۔

ہارون رشید نے میری باتوں کو سنکر کہا کہ ان شاء اللہ ہم بنو تغلب کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے جو پہلے خلفاء نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مشورہ کرنے کا حکم دیا تھا اور آپؐ صحابہ سے مشورہ کیا کرتے تھے، پھر حضرت جبرئیل اللہ تعالےٰ کی طرف سے توفیق لایا کرتے تھے آپ اپنے امراء و حکام کے لئے دعا کریں اور اپنے تلامذہ کو بھی اس کا حکم دیں[1]

امام محمد نے سیر کے موضوع پر سب سے پہلے دو مستقل کتابیں تصنیف کیں پہلے کتاب السیر الصغیر اور بعد میں کتاب السیر الکبیر، ان کتابوں کی تصنیف کے سلسلہ میں کتاب السیر الکبیر کے شارح شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابو سہل سرخسیؒ متوفی ۴۸۳ھ نے لکھا ہے کہ کتاب السیر الکبیر کے لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ کتاب السیر الصغیر امام اہل شام عبد الرحمن بن عمرو اوزاعیؒ کے ہاتھ میں پہنچی تو انھوں نے کہا کہ یہ کتاب

---

[1] اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ صـ۱۲۰ و تاریخ بغداد ج ۲ صـ۱۷۳ و صـ۱۷۴۔

کس کی ہے ؟ بتایا گیا کہ محمد عراقی کی ، انھوں نے کہا کہ اس باب میں اہل عراق کو کتاب تصنیف کرنے کا کیا حق ہے ؟ ان لوگوں کو سیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے مغازی کا علم نہیں ہے غزوات شام اور حجاز کے علاقہ میں ہوئے ہیں نہ کہ عراق میں ، وہ تو نیا نیا فتح ہوا ہے ، امام اوزاعی کی یہ بات امام محمد کو معلوم ہوئی تو انھوں نے کتاب السیر الکبیر لکھی اور جب یہ کتاب امام اوزاعیؒ کے ہاتھ لگی اور انھوں نے اس کو دیکھا تو کہا کہ اگر اس کتاب میں احادیث نہ ہوتیں تو میں کہتا کہ محمد بن حسن اپنی طرف سے علم وضع کرتے ہیں (روایت گھڑتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے ان کی رائے جواب باصواب کی سمت متعین کر دی ، سچ کہا اللہ نے وفوق کل ذی علم علیم ۔

خلیفہ ہارون رشید نے اس کتاب کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کیا اور اپنی اولاد کو امام محمد کی خدمت میں اس کے سماع کے لئے بھیجا ، ان کے ساتھ ان کے معلم و مودب اسمعیل بن توبہ قزوینی سماع میں شریک تھے اور اس کتاب کی روایت امام محمد سے اسمعیل بن توبہ قزوینی اور ابو سلمان جوزجانی نے کی ہے [1]

امام محمد کی دونوں کتابیں شائع ہو چکی ہیں ، علماء نے ان کی شرحیں لکھی ہیں شمس الائمہ سرخسیؒ کی شرح السیر الکبیر چار جلدوں میں حیدر آباد سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے جو اسلام کے حربی قوانین و احکام اور مسائل پر مکمل کتاب ہے ۔

کتاب الرد علی سیر الاوزاعی ، قاضی ابو یوسف انصاری کوفی

قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتہ انصاری کوفی متوفی ۱۸۲ھ رحمۃ اللہ علیہ حافظ الحدیث ، فقیہ العراقین ، قاضی القضاۃ ، امام ابو حنیفہ

---

[1] شرح السیر الکبیر ج ۱ ص ۳ حیدر آباد

کے تلمیذ عزیز اور ان کے علم و تفقہ کے ناشر ہونے کے ساتھ سیر و مغازی کے زبردست عالم و مصنف ہیں ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے۔

انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ کے علاوہ بہت سے ائمہ حدیث و فقہ سے کسب فیض کیا ہے، ان کے شیوخ میں محمد بن اسحاق رحمہ، ہشام بن عروہ، سلیمان بن بلال تیمی ابومعشر سعدی، مجالد بن سعید ہمدانی وغیرہ سیر و مغازی کے مصنف و عالم ہیں، امام ابوحنیفہ اور دوسرے شیوخ کے واسطے سے امام شعبی سے بھی روایت کی ہے، جن کے علم المغازی میں تبحر کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضہ نے ان کو مغازی کا درس دیتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جوان میدان جہاد میں موجود تھا اور جن کے بارے میں ذہبی نے تصریح کی ہے:

وھو اکبر شیخ لابی حنیفۃ[1] شعبی ابوحنیفہ کے شیخ اکبر ہیں

امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے بارے میں ابن خلکان نے امام شافعی کے حوالہ سے یہ مضحکہ خیز کہانی نقل کی ہے کہ قاضی ابو یوسف محمد بن اسحاق یا کسی اور عالم کے یہاں مغازی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے اور کئی دن تک امام ابوحنیفہ کے حلقۂ درس سے غائب رہے، واپس آنے پر امام ابوحنیفہ نے اُن سے کہا کہ ابو یوسف! طالوت کی جنگ میں جھنڈا کس کے ہاتھ میں تھا؟ ابو یوسف نے کہا کہ آپ امام ہیں اور آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں ہے، میں اس بھرے مجمع میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں کون پہلے ہوا؟ امام ابوحنیفہ یہ سُنکر خاموش ہوگئے۔[2]

اس قصہ کی نسبت امام شافعی کی طرف کرکے راوی نے امام شافعی، امام

---

[1] تذکرة الحفاظ ج ۱ ص ۸۰۔ [2] وفیات الاعیان ج ۲ ص ۲۶۴ طبع قدیم۔

ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف تینوں کی شان میں گستاخی کی ہے ـــــ قاضی ابو یوسف نے سیر و مغازی کی تعلیم کے لئے اہتمام کیا تھا، وہ فقہ و فتویٰ کے امام تھے مگر تفسیر مغازی اور ایام ناس میں ان کی جامعیت فقہ و فتویٰ سے بڑھ کر معلوم ہوتی تھی ہلال بن یحییٰ کا بیان ہے :

كان ابو يوسف يحفظ التفسير والمغازي، وايام العرب، وكان اقل علومه الفقه ۱	ابو یوسف تفسیر اور مغازی اور ایام ناس کے حافظ تھے اور اس کے مقابلہ میں انکو فقہ کا علم کم تھا۔

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سیر و مغازی اور ایام ناس میں کتنا بلند مقام رکھتے تھے، انھوں نے کتاب الخراج میں سیر و مغازی کے اساتذہ سے متعدد روایات درج کی ہیں، امام ابوحنیفہ سے ۲۷، محمد بن اسحاق سے ۲۷، ہشام بن عروہ سے ۱۲، مجالد بن سعید سے ۹، ابو معشر سندی سے ۲، اور شعبی سے مختلف شیوخ کے ذریعہ ۳۳، روایات موجود ہیں، اور کتاب الرد علی سیر الاوزاعی میں ایک مقام پر لکھتے ہیں :

قال ابو يوسف: ماسمعنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولا عن احد من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم انه اسهم لصبي وان هذا الخبر معروف عن اهل العلم ولو	ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے کسی صحابی کے بارے میں نہیں سُنا کہ انھوں نے غنیمت سے بچہ کو حصہ دیا ہو، اہل علم سے یہ بات منقول و معروف نہیں ہے، اگر مغازی میں ایسی کوئی بات ....

---

۱ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ صیمری صہ ۹۳۔

كان هذا في شيء من المغازي	ہوتی تو ہم سے
ماخفي علينا[1]	پوشیدہ نہیں رہتی۔

اسی کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

وقال ابو يوسف رحمه الله:	میں گمان نہیں کرسکتا ہوں کہ کوئی شخص جو
فماكنت احسب احداً يعرف	سنت اور سیر سے واقف ہے اس بات
السنة والسير يجهل هذا۔[2]	کو نہیں جانتا ہے۔

معلوم ہو چکا ہے کہ امام محمدؒ کی کتاب السیر الصغیر کو امام اوزاعیؒ نے دیکھ کر کہا کہ اہل عراق کو سیر و مغازی سے کیا سروکار ہے، غزوات تو شام اور حجاز میں ہوئے ہیں، عراق کی فتوحات عہد نبوی کے بعد ہوئی ہیں اور اس کے رد میں امام اوزاعی نے کتاب السیر لکھی جس کی وجہ سے سیر پر دو کتابیں لکھی گئیں، امام محمدؒ نے کتابُ السیر الکبیر اور قاضی ابو یوسف نے کتاب الرد علی سیر الاوزاعی لکھی جس میں امام اوزاعی کا جواب دیا، اسی سلسلہ کی تیسری کتاب امام شافعی نے لکھی اور کتابُ الام میں کتاب سیر الاوزاعی کے عنوان سے امام اوزاعی کی کتاب السیر اور قاضی ابو یوسف کی کتاب الرد علی سیر الاوزاعی کے درمیان محاکمہ کے طور پر اپنے آثار و اقوال بیان کئے ہیں جو مطبوعہ کتاب الام کی ساتویں جلد میں صفحہ ۳۰۲ سے صفحہ ۳۳۶ تک موجود ہے۔

کتاب الرد علی سیر الاوزاعی مولانا ابو الوفا افغانی رحؒ کی تعلیق و تصحیح کے ساتھ احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآباد سے ۱۳۵۷ھ میں شائع ہو چکی ہے، نیز قاضی ابو یوسف کی کتاب الخراج میں سیر کے متعلق احکام و مسائل اور بیش بہا معلومات موجود ہیں۔

---

[1] الرد علی سیر الاوزاعی ص۲۲، ص۲۳۔ [2] ایضاً ص۳۶۔

کتاب السیر

حسن بن زیاد لؤلؤی کوفی

ابو علی حسن بن زیاد لؤلؤی کوفی مولیٰ انصار متوفی ۲۰۴ھ رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں کتاب السیر کے تیسرے مصنف ہیں، ایام طالب علمی میں امام ابوحنیفہ ان کی مالی مدد کرتے تھے۔

ان کا بیان ہے کہ چالیس سال میں نے یوں گذارے ہیں کہ رات کو میرے سامنے چراغ رہا ہے اور پوری رات مطالعہ و کتب بینی میں گذاری ہے، میں نے ابن جریج سے بارہ ہزار ایسی حدیثیں لکھی ہیں، جن کے فقہاء محتاج ہیں۔ انھوں نے ایک مرتبہ ایک استفتاء کے جواب میں غلطی کردی اور مستفتی کا پتہ نہ چلا تو کرایہ دے کر منادی کرائی کہ فلاں دن حسن بن زیاد سے استفتاء کیا گیا تھا اور انھوں نے مسئلہ بتانے میں غلطی کی تھی، یہ فتویٰ جس شخص کو دیا ہو وہ جاکر ان سے ملاقات کرلے اور کئی دن کے بعد وہ شخص ملا تو اس سے کہا کہ میں نے غلط جواب دیا تھا، صحیح جواب یہ ہے۔

یحییٰ بن آدم جو کتاب الخراج کے مصنف ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن زیاد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا، احمد بن عبدالحمید حارثی کا بیان ہے کہ میں نے حسن بن زیاد سے بڑھ کر خوش خلق، مرنجاں مرنج آدمی نہیں دیکھا، جو لباس خود پہنتے تھے وہی اپنے ملازموں کو پہناتے تھے ۱۹۴ھ میں حفص بن غیاث کا انتقال ہوا تو ان کی جگہ لؤلؤی کو قاضی بنایا گیا، مگر اس عہدہ سے جلد ہی علیحدہ ہو گئے[۱]

ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں کتاب المجرد لابی حنیفہ بروایت لؤلؤی کتاب ادب القاضی

---

[۱] اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ ص ۱۳۱، ص ۱۳۲، ص ۱۳۳، تاریخ بغداد ج ۷، ص ۳۱۴ و ص ۳۱۵۔

کتاب الخصال، کتاب معانی الایمان، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض، کتاب الوصایا کے نام گنائے ہیں[1]۔

ان کے علاوہ بھی ان کے مقالات وامالی ہیں، تاج التراجم میں ہے:

قال فی المبسوط ۔صنف المقالات[2] — صاحب مبسوط نے کہا ہے کہ لؤلؤی نے مقالات لکھے ہیں:

ان کی تصانیف میں کتاب الامالی کا نام بھی ملتا ہے[3] اور ہندوستان میں حنفیات کے مشہور محقق عالم مولانا ابوالوفا افغانی نے کتاب الرد علی سیر الاوزاعی کے مقدمہ میں کتاب السیر للحسن بن زیاد کی تصریح کی ہے[4]۔

ہمارا خیال ہے کہ امام حسن بن زیاد کی کتاب الخراج کا دوسرا نام کتاب السیر ہے یا ان کے مقالات اور امالی میں اس نام کی کوئی کتاب ہے۔

کتاب السیر
عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی شامی

ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی شامی متوفی ۱۵۷ھ رحمۃ اللہ علیہ کتاب السیر کے مصنف ہیں۔ عام قول کے مطابق یمن کے قبیلہ اوزاع سے ہیں جو ملک شام میں آباد ہو گیا تھا اور بعض اقوال کے مطابق وہ سندی الاصل ہیں، ان کا خاندان ملک شام میں حمیر کی شاخ اوزاع میں رہتا تھا اور ان کا علاقہ بھی اوزاع کے نام سے مشہور تھا۔

ابوزرعہ دمشقی نے کہا ہے کہ اوزاعی کا نام عبدالعزیز تھا، انھوں نے خود ہی عبدالرحمٰن نام رکھا۔ ان کی اصل سندھ کے قیدیوں سے تھی، وہ اوزاع میں رہتے تھے اور اسی کی طرف نسبت کا غلبہ ہو گیا۔

---

[1] الفہرست ص۲۸۸، [2] تاج التراجم، قاسم قطلوبغا ص۲۲، [3] الفوائد البہیہ ص۶۱ طبع قدیم، [4] ص۲

امام اوزاعی عالم اہل شام اور ایک مستقل فقہی مسلک کے امام ہیں، جو صدیوں تک جاری رہا، انھوں نے عطاء بن ابی رباح، عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد اسحاق بن عبداللہ بن ابوطلحہ، شداد بن عمار وغیرہ سے روایت کی اور ان سے امام مالک، شعبہ بن حجاج، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، محمد بن شہاب زہری یحیٰی بن ابوکثیر اور قتادہ وغیرہ نے روایت کی، موخرالذکرتین حضرات امام اوزاعی کے شیوخ میں سے ہیں، ستر سال کی عمر میں ۱۵۷ھ میں انتقال کیا[1]

ابن ندیم نے ان کی تصانیف میں کتاب السنن فی الفقہ، اور کتاب المسائل فی الفقہ کا ذکر کیا ہے[2]

گذر چکا ہے کہ امام محمد کی کتاب السیر الصغیر دیکھ کر امام اوزاعی نے کہا کہ:۔

ما لاهل العراق والتصنيف في هذا الباب فانه لاعلم لهم بالسير ومغازی رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه كانت من جانب الشام والحجاز دون العراق فانها محدثة فتحا[3]	سیر کے باب میں اہل عراق کا کیا حصہ ہے؟ کیونکہ ان کو سیر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے مغازی کا علم نہیں ہے، یہ مغازی شام اور حجاز میں ہوئے نہ کہ عراق میں کیونکہ عراق کی فتوحات نئی ہیں

٭ ٭ ٭ ٭

اس کے بعد امام اوزاعی نے کتاب السیر لکھی اور اس کے جواب میں امام محمد اور قاضی ابویوسف نے کتابیں لکھیں امام اوزاعی سیر و مغازی کے زبردست عالم تھے اور امام مالک پر اس بارے میں فوقیت رکھتے تھے، قاضی عیاض نے لکھا ہے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۳۸، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۶۹، کتاب الانساب ج ۱ ص ۳۴۰،
[2] الفہرست ص ۳۱۸ [3] شرح السیر الکبیر، سرخسی ج ۱ ص ۳۔

قال بعضهم: اجتمع مالك والاوزاعي، فتناظرا فجعل الاوزاعي يجرّما لتاً الى المغازي والسير، فقوي عليه، فلما رأى مالك ذلك جرّه الى غيرهما من الفقه، فقوي مالك عليه[1]

بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ امام مالک و امام اوزاعی نے باہمی بحث ومناظرہ کیا، اوزاعی مالک کو مغازی اور سیر کے مباحث کی طرف لاکر غالب ہوگئے۔ جب مالک نے یہ دیکھا تو اوزاعی کو فقہی مباحث کی طرف لاکران پر غالب ہوگئے۔

اسی طرح ایک مرتبہ امام اوزاعی اور امام مالک میں فقہی وعلمی مباحثہ ہو رہا تھا اور امام اوزاعی غالب ہو رہے تھے تو امام مالک نے ان کو مکاتَب اور مدبَّر کے مسئلہ میں الجھا کر غلبہ حاصل کیا[2]

کتابُ الموطّأ

مالکُ بن انس اصبحی مدنی

ابوعبداللہ مالک بن انس بن ابوعامر بن عمرو بن حارث حمیری اصبحی مدنی متوفی ۱۷۹ھ رحمۃ اللہ علیہ امام دارالہجرۃ، امام حدیث وفقہ، عالم سیر ومغازی اور مدینہ میں علم السیر کے مسائل کے پہلے جامع ہیں، ان کے شیوخ میں محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ ابوالاسود یتیم عروہ، موسیٰ بن عقبہ وغیرہ مشہور علمائے سیر ومغازی ہیں امام صاحب نے موطا کی کتاب الجہاد میں سِیَر کے مسائل تحریری شکل میں جمع کئے ہیں۔

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ امام مالک کی تصانیف متعدد علوم میں ہیں مگر زیادہ شہرت ان کتابوں کو ملی جن کی روایت پر آپ نے مواظبت کی، چنانچہ ان کی ایک کتاب نجوم، مدارزمانہ اور منازل قمر پر نہایت مفید ہے جس کو اہل فن نے اصل

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۲۲۳۔ [2] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۰۵

قرار دیا [1]

اسی طرح فن سیر و مغازی میں ان کو کامل عبور تھا اور اس میں ناقدانہ بصیرت رکھتے تھے۔ جب ان سے سوال کیا جاتا کہ ہم مغازی کس سے حاصل کریں تو موسیٰ بن عقبہ کا نام لیتے اور انکی کتابُ المغازی کو اصح المغازی بتلاتے تھے معن بن عیسیٰ نے بیان کیا ہے:

کان مالک بن انس اذا قیل له: مغازی من نکتب؟ قال: علیکم بمغازی موسیٰ ابن عقبة فانہ ثقة [2]	مالک بن انس سے جب کہا جاتا کہ ہم کس عالم کی مغازی لکھیں تو کہتے کہ تم لوگ موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کو لکھو، وہ ثقہ ہیں۔

⁂ ⁂ ⁂

دوسری روایت میں ہے:

علیکم بمغازی الرجل الصالح موسیٰ بن عقبة، فانها اصح المغازی۔	تم لوگ مرد صالح موسیٰ بن عقبہ کی مغازی حاصل کرو، وہ سب سے زیادہ صحیح مغازی ہے۔

نیز کہا کہ موسیٰ بن عقبہ ثقہ آدمی ہیں، انھوں نے بڑی عمر میں مغازی کا علم حاصل کیا ہے اور دوسروں کی طرح تطویل نہیں کی ہے، اُن کی کتاب میں جن لوگوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، وہ واقعی شریک تھے اور جن کے بارے میں یہ تصریح نہیں ہے وہ شریک نہیں تھے [3]

عبداللہ بن ادریس اودی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام مالک کے یہاں مغازی کا ذکر ہوا، میں نے بتایا کہ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں مغازی کا بیطار (معالج)

---

[1] ترتیب المدارک ج ۱ ص ۲۰۳ ۔ [2] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۲۲ ، [3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۶۱ ۔

ہوں ، امام مالک نے تعجب سے کہا کہ انا بیطارھا ؟ ہم نے انکو مدینہ سے شہر بدر کر دیا ہے۔ [۱]

ایک مرتبہ امام مالک اور امام اوزاعی میں علمی بحث و مباحثہ ہو رہا تھا جس میں سیر کے مسائل پر بھی مباحثہ ہوا ، اس میں امام اوزاعی کا پلہ بھاری رہا۔ [۲]

امام صاحب نے موطا کی کتاب الجہاد میں سیر کے احکام و مسائل احادیث و آثار اور اپنے بلاغات و آرا ، بیان کئے ہیں ، ان کے عنوانات یہ ہیں الترغیب فی الجہاد ، النہی عن قتل النساء والولدان فی الغزو ، ماجاء فی الوفاء بالامان ، العمل فی من اعطی شیئاً فی سبیل اللہ ، جامع النفل فی الغزو ، مالا یجوز فیہ الخمس ، ما یجوز للمسلمین اکلہ قبل الخمس ، ما یرد قبل ان یقع القسم مما اصاب العدو ، ماجاء فی السلب فی النفل ، ماجاء فی اعطاء النفل من الخمس ، القسم للخیل فی الغزو ، ماجاء فی الغلول ، ما تکون فیہ الشہادۃ ، العمل فی غسل الشہید ، ما یکرہ من الشئ یجعل فی سبیل اللہ ، الترغیب فی الجہاد ، ماجاء فی الخیل والمسابقۃ بینہا والنفقۃ فی الغزو ، احراز من اسلم من اہل الذمۃ ارضہ ، الدفن فی قبر واحد من ضرورۃ ، ونفاذ ابی بکر رضی اللہ عنہ عدۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

کتاب السیر
محمد بن عمر واقدی مدنی بغدادی رحمہ اللہ

ابو عبداللہ محمد بن عمر واقدی مدنی بغدادی متوفی ۲۰۷ھ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ گذر چکا ہے ، وہ مغازی کی طرح سیر کے بھی عالم و مصنف تھے ۔ ابن ندیم نے ان کے متعلق لکھا ہے :

---

[۱] تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۱۹ ، [۲] ترتیب المدارک ج ۱ ص۲۲۲ ۔

عالماً بالمغازی والسیر والفتوح	واقدی مغازی اور سیر اور فتوح اور حدیث
واختلاف الناس فی الحدیث	اور فقہ میں اختلاف علماء اور احکام اور
والفقہ، والاحکام والاخبار	اخبار کے عالم تھے۔

اور ان کی تصانیف میں کتاب السیرۃ کو شمار کیا ہے۔ [1]

امام شافعی کے شیوخ میں واقدی بھی ہیں، امام صاحب نے ان سے کتاب السیرۃ کی روایت کر کے کتاب الاُمّ میں سیر الواقدی کے نام سے درج کر دی ہے۔ اس میں سیَر الاوزاعی کی طرح واقدی سے اختلاف نہیں ہے۔ ابن ندیم نے سیر الاوزاعی اور سیَر الواقدی کو امام شافعی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے، اور اسی نام سے دونوں کتابیں کتاب الاُمّ میں موجود ہیں، سیَر الواقدی جلد چہارم کے صفحہ ۱۷۶ سے صفحہ ۲۰۵ تک ہے۔

کتاب سیر الواقدی، کتاب سیر الاوزاعی اور کتاب الامام محمد بن ادریس شافعیؒ

ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن عباس قرشی مطلبی شافعی متوفی ۲۰۴ھ رحمۃ اللہ علیہ تفقہ و اجتہاد اور فقہ و فتویٰ میں امامت کے ساتھ دوسرے مختلف علوم و فنون میں بھی مہارت رکھتے تھے، سیَر و مغازی اور ایام و وقائع کے علم میں ان کو ناموری حاصل تھی، اور عربیت، لغت شعر کے زبردست عالم تھے، ان کے تلمیذ رشید ابو یعقوب یوسف بویطی کی شہادت ہے

رأیت الناس بمصر والشام والعراق	میں نے مصر اور شام اور عراق اور کوفہ اور بصرہ
والکوفۃ والبصرۃ والحجاز من کل	اور حجاز میں کتاب وفقہ اور عربی زبان
صنف من علماء القرآن والفقہ	اور سیرۃ و کلام اور ایام عرب کے ہر

---

[1] الفہرست ص۱۴۴

ولسان العرب والسیر والکلام	قسم کے علماء کو دیکھا ہے، مگر ان میں کسی کو
وایام العرب، ما رأیت احداً	ان علوم میں شافعی کے
یشبہ الشافعی لہ	مانند نہیں پایا۔

امام صاحب کا بیان ہے کہ میں مکتب سے فارغ ہو کر قبیلہ ہذیل میں سترہ سال تک یوں رہا ہوں کہ جہاں وہ جاتے میں بھی جاتا اور جہاں وہ اترتے میں بھی اترتا اور مکہ آنے کے بعد اشعار، آداب، اخبار اور ایام عرب بیان کرتا تھا۔[۲]

ان کے دوسرے تلمیذ عزیز مزنی بیان کرتے ہیں:

الّف الشافعی کتاب السبق	امام شافعی نے کتاب السبق والرمی لکھی ہے
والرمی، وکان بصیراً بذلک[۳]	اور وہ گھڑ دوڑ اور تیر اندازی میں بصیرت رکھتے تھے۔

⁂

واقدی ان کے شیوخ میں سے ہیں اور سیر الواقدی کی ان سے روایت کی ہے: مغازی پر ان کی نظر بڑی وسیع تھی اور اس کے بارے میں ناقدانہ بصیرت رکھتے تھے، فرماتے ہیں:

ومن اراد ان یتبحّر فی المغازی	اور جو شخص علم مغازی میں تبحر چاہتا ہے وہ
فھو عیال علی محمد بن اسحاق[۴]	محمد بن اسحاق کی عیال ہے۔

ابن ندیم نے امام شافعی کی تصانیف میں کتاب سیر الواقدی اور کتاب سیر الاوزاعی کو شمار کیا ہے[۵] یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی کتاب الام میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب الام میں سیر کے احکام و مسائل تفصیل

لہ ترتیب المدارک ج ۱ ص ۳۸۹، ۲ ایضاً ص ۳۸۳، ۳ ایضاً ص ۳۸۸، ۴ تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۶، ۵ الفہرست ص ۲۹۶۔

سے مذکور ہیں۔

حمیدی کا بیان ہے کہ ابو اسحاق ابراہیم بن محمد فزاری کوفیؒ کی کتاب السیر کو دیکھ کر امام شافعی نے فرمایا:

لم یصنف احد فی السیر مثلہ — سیر کے باب میں کسی نے ایسی کتاب نہیں تصنیف کی

اور خلیلی کا بیان ہے کہ ابو اسحاق کی کتاب السیر کو امام شافعی نے دیکھ کر اسی انداز پر کتاب لکھی۔

واملی کتابا علی ترتیبہ و رضیہ[1] — اور اسی کی ترتیب پر ایک کتاب لکھائی اور ابو اسحاق کی کتاب کو پسند کیا۔

امام صاحب کی کتاب السیر کے بارے میں گزشتہ بیانات میں معلومات درج ہیں

کتاب السیر

داؤد بن علی اصفہانی بغدادیؒ

ابو سلیمان داؤد بن علی بن داؤد بن خلف اصفہانی بغدادی ظاہری متوفی ۲۷۰ھ رحمۃ اللہ علیہ، امام مجتہد فقیہ اہل ظاہر ہیں ان کی والدہ اصفہان کی تھیں اس لئے اصفہانی کی نسبت سے مشہور ہوئے وہ ۲۰۲ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے، بغداد میں نشو و نما پائی اور وہیں انتقال کیا۔

داؤد ظاہری پہلے فقیہ ہیں جنھوں نے قیاس اور اجتہاد کو چھوڑ کر ظاہر پر عمل کیا کرایا اور کتاب و سنت کے ظاہری معنی و مفہوم پر اکتفا کر کے ہر قسم کے آراء کا شدت سے انکار کیا، انھوں نے ابو ثور، اسحاق بن راہویہ، سلیمان بن حرب، قعنبی، مسدد بن مسرہد، وغیرہ سے فقہ کی تعلیم پائی تھی، نہایت عابد و زاہد عالم تھے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۲

آخری دور میں بغداد گئے اور وہاں کے مشاہیر اہل علم میں شمار ہوئے، کہا جاتا ہے کہ انکی مجلس درس میں روزانہ چار سو سبز طلیسان پوش علما اور اعیان و اشراف شریک ہوتے تھے[1]

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ داؤد ظاہری نہایت متقی، پرہیزگار اور عابد تھے، البتہ ان کا مذہب عجیب ہے، وہ صرف نقل پر جمود کے داعی ہیں اور بہت سی احادیث کے خلاف ہیں اور حدیث کے مفہوم میں لفظ کی صورت پر توجہ دیتے ہیں[2]

وہ صاحب تصنیف کثیرہ امام ہیں، انکی کتابوں میں کتاب السیر بھی ہے، اس کے علاوہ سیر و مغازی اور سیر کے متعلق یہ کتابیں ہیں، کتاب الجہاد، کتاب قسم الفئی، کتاب سہم ذوی القربیٰ، کتاب قسم الصدقات، کتاب الخراج، کتاب الجزیہ، کتاب المحاربۃ، کتاب صفۃ اخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب اعلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب الرد علی اہل الافک وغیرہ۔[3]

کتاب السیر
صالح بن اسحاق جرمی بصریؒ

ابو عمر صالح بن اسحاق جرمی بصری متوفی ۲۲۵ھ رحمۃ اللہ علیہ مولیٰ جرم بن زبان ہیں، خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

کان فقیھًا، عالمًا بالنحو واللغۃ دینًا ورعًا، حسن المذھب صحیح الاعتقاد۔	وہ فقیہہ، نحو ولغت کے عالم، دیندار، پرہیزگار، پابند مذہب اور صحیح الاعتقاد انسان تھے۔

---

[1] العبر ج ۲ ص۲۵، طبقات المفسرین ج ۱ ص۱۶۸، [2] المنتظم ج ۵ ص۳۰، [3] الفہرست ص۳۰۴، ص۳۰۵، طبقات المفسرین ج ۱ ص۱۶۸۔

بصرہ سے بغداد آکر اخفش، اور یونس سے نحو اور اصمعی اور ابوعبیدہ سے لغت کا علم حاصل کیا، احداث و اخبار کے جلیل القدر عالم تھے، ان کی تصانیف میں کتاب السیر بھی ہے جس کے متعلق خطیب نے لکھا ہے:

کتاب السیرۃ عجیب [1] ان کی کتاب السیر عجیب و غریب کتاب ہے۔

خطیب بغدادی اور سمعانی نے لکھا ہے:

کان الجرمی جلیلاً فی الحدیث والاخبار وله کتاب فی السیرۃ عجیب [2]	جرمی حدیث اور اخبار کے جلیل القدر عالم تھے، اور انکی کتاب السیرۃ عجیب و غریب کتاب ہے۔

نحو و لغت اور ادب میں تبحر کی وجہ سے ان کو دنیا خوب حاصل ہوئی۔

کتاب السیر
سعید بن مغیرہ صیاد مصیصی رح

ابوعثمان سعید بن مغیرہ صیاد مصیصی متوفی سنہ رحمۃ اللہ علیہ نے عامر بن یساف، ابواسحاق فزاری، عیسیٰ بن یونس، مخلد بن حسین، عبداللہ بن مبارک سے حدیث و فقہ کی تعلیم پائی، انکی کتاب السیر اس قدر جامع اور عمدہ تھی کہ جب انھوں نے اس کے درس کی ابتدار کی تو مصیصہ کے عوام و خواص ٹوٹ کر ان کے حلقۂ درس میں آگئے ابوحاتم کا بیان ہے:

حسبك به فضلاً ابتدار فی قراءۃ کتاب السیر، فرأیت اهل المصیصۃ قد اغلقوا ابواب	ان کی فضیلت کے لئے ان کی کتاب السیر کی تعلیم کی ابتدار کا منظر کافی ہے میں نے اہل مصیصہ کو دیکھا کہ اپنی دوکانوں کے دروازے

---

[1] بغیۃ الوعاۃ صـ۲۶۸، [2] تاریخ بغداد ج ۹ صـ۳۱۳، الانساب ج ۳ صـ۲۵۴۔

حوائجهم، وحضروا مجلسه[1] بند کر کے ان کی مجلس درس میں حاضر ہوئے

ابو حاتم کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن مغیرہ صیاد سے روایت کی ہے، وہ ثقہ تھے۔

کتابُ السِیَر

ابراہیم بن محمد فزاری کوفی رح

ابو اسحاق ابراہیم بن محمد بن حارث بن اسما بن خارجہ فزاری کوفی متوفی ۱۸۵ھ رحمۃ اللہ علیہ امام، حجت، شیخ الاسلام، حافظ الحدیث، ثقہ، صالح، مصلح، مجاہد اور سیر و مغازی کے امام و مصنف ہیں۔

انھوں نے موسیٰ بن عقبہ، سلیمان اعمش، یحیٰ بن سعید انصاری، شعبہ بن حجاج، سفیان ثوری وغیرہ سے روایت کی اور ان سے عبداللہ بن مبارک، عبدالرحمن بن عمرو اوزاعی، محمد بن سلام بیکندی، زکریا بن عدی، اور علی بن بکار مصیصی وغیرہ نے روایت کی، مؤخرالذکر خاتمۃ الاصحاب ہیں[2]

ایک مرتبہ ہارون رشید نے ایک زندیق کو گرفتار کر کے قتل کرنا چاہا، اس نے کہا کہ ان ایک ہزار حدیثوں کو آپ کیا کریں گے جن کو میں نے وضع کیا ہے؟ ہارون رشید نے کہا کہ عدو اللہ! تم کس خیال میں ہو؟ ابو اسحاق فزاری اور عبداللہ بن مبارک ان کو چھان پھٹک کر باہر نکال دیں گے۔

کوفہ سے ملک شام جا کر رومی عیسائیوں کے بالمقابل اسلامی سرحد مصیصہ میں مرابطت کی رضا کارانہ خدمت انجام دیتے تھے، یعنی اسلامی سرحد کی حفاظت کرتے تھے اور وہاں کے مرابطین کو کتاب و سنت کی تعلیم دیتے تھے، کسی بدعتی کو وہاں نہیں آنے دیتے تھے۔

---

[1] الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ۱ ص ۶۲۔ الانساب ج ۸ ص ۲۵۳۔ [2] الجرح والتعدیل ج ۱ قسم ۱ ص ۱۲۸ تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۱، تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲۵۱۔

حدیث و فقہ اور سیر و مغازی کے علاوہ علوم عقلیہ میں ان کو بڑا دخل تھا، ابن ندیم نے لکھا ہے کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے انھوں نے اصطرلاب بنایا اور اس فن میں انکی تصنیف بھی ہے [1]

امام ابو اسحاق فزاری نے سیر میں نہایت اہم اور عمدہ کتاب لکھی تھی، جس کو امام شافعی نے پسند فرمایا اور اسی کی ترتیب پر خود کتاب السیر املار کرائی۔

خلیلی کا بیان پہلے گذر چکا ہے کہ ابو اسحاق امام اور مقتدی ہیں، وہ صاحب کتاب السیر ہیں، امام شافعی نے اس کو دیکھ کر پسند کیا اور اسی کی ترتیب پر ایک کتاب لکھوائی اور حمیدی نے امام شافعی کا قول نقل کیا ہے کہ سیر میں کسی نے ایسی کتاب نہیں لکھی [2]

ابن ندیم نے ابو اسحاق فزاری کے بارے میں لکھا ہے:

له من الكتب كتاب السير في الاخبار والاحداث رواه عنه ابو عمرو معاوية بن عمرو الرومي، وتوفي ابو عمرو هذا ببغداد سنة خمس عشرة ومائتين [3]	ان کی تصانیف میں کتاب السیر اخبار و احداث کے بیان میں ہے، اس کی روایت ان سے ابو عمرو معاویہ بن عمرو رومی متوفی ۲۱۵ھ در بغداد نے کی ہے۔

اس تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کتاب السیر میں فقہی مسائل کے ساتھ واقعات بھی تفصیل سے بیان کئے گئے تھے۔

کتاب السیر لمحمد بن سحنون تنوخی مغربی رح

محمد بن سحنون بن سعید بن حبیب تنوخی مغربی افریقی متوفی ۲۵۶ھ رحمۃ اللہ علیہ مشہور مالکی

---

[1] الفہرست صفحہ ۱۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱ صفحہ ۱۵۲۔ [3] الفہرست صفحہ ۱۳۵۔

امام سحنون کے صاحبزادے ہیں، ملک شام کا شہر حمص ان کا اصلی وطن ہے، دادا سعید اسلامی لشکر کے ساتھ مغرب گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ محمد بن سحنون نے اپنے والد سے فقہ مالکی حاصل کر کے مشرق کا علمی سفر کیا اور مدینہ میں ابومصعب زہری ابن کاسب، سلمہ بن شبیب وغیرہ سے اکتساب علم کیا۔

ایک مرتبہ قاضی اسماعیل بن اسحاق کے سامنے علماء عراق کی تصانیف کی کثرت کا ذکر آیا تو انھوں نے فخریہ انداز میں کہا کہ ہمارے یہاں کے ایک عالم نے اجتہاد کے مسائل پر بیس[1] جلدوں میں کتاب لکھی ہے۔

اس سے انکی مراد محمد بن سحنون کی ذات تھی، وہ صاحب تصانیف کثیرہ عالم تھے، انھوں نے مختلف علوم وفنون میں دو سو[2] کتابیں تصنیف کی تھیں۔

اگرچہ وہ حدیث وفقہ خصوصاً فقہ مالکی کے عالم تھے مگر سیر ومغازی میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا اور سیر میں انھوں نے بیس اجزاء میں کتاب لکھی ہے۔ قاضی عیاض کا بیان ہے:

ومنها كتاب السير عشرون كتابا.	انکی تصانیف میں کتاب السیر بیس کتابوں پر مشتمل ہے۔

نیز قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ وہ فقہ میں امام، ثقہ، اہل مدینہ کے مذہب کی طرف سے دفاع کرنے والے، آثار کے عالم اور صحیح الکتاب تھے، ان کے زمانہ میں مختلف علوم وفنون میں ان سے زیادہ ماہر کوئی نہیں تھا

ابن سحنون بیان کرتے ہیں کہ میں کتاب تحریم المسکر لکھ رہا تھا اور میرے والد نے میری مشغولیت دیکھ کر کہا کہ بیٹے! تم اہل عراق کے یہاں جاؤ گے انکے ذہن لطیف اور زبانیں تیز ہوتی ہیں، خبردار تمہارے قلم سے کوئی ایسی بات نہ نکلے جس سے تمکو معذرت کرنی پڑے۔

ابن سحنون کی وفات ۲۵۶ھ ایک ساحلی بستی میں ہوئی اور قیروان لاکر دفن کئے گئے، اس وقت ان کی عمر چوّن سال کی تھی [1]

کتابُ السِیَر
احمد بن کامل بغدادیؒ

ابوبکر احمد بن کامل بن خلف بغدادی متوفی ۳۵۰ھ رحمۃ اللہ علیہ امام محمد بن جریر طبری کے شاگرد اور ان کے فقہی مسلک کے ممتاز عالم تھے، کوفہ کے قاضی تھے، خطیب نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ احکام، علوم قرآن، نحو، شعر، ایام ناس، محدثین کی تاریخ کے علماء میں سے تھے اور ان علوم میں سے اکثر میں ان کی تصانیف ہیں۔ ابتداء میں اپنے استاد ابن جریر کے فقہی مسلک پر تھے، بعد میں ان سے اختلاف کر کے اپنا مسلک اختیار کیا۔ ان کی تصانیف میں کتابُ السیر بھی ہے، ان کے شاگرد ابوالحسن دارقطنی کا بیان ہے:

بل خالفه واختار لنفسه، واملى كتابا في السير، وتكلم على الاخبار [2]	انھوں نے ابن جریر کی مخالفت کر کے اپنا مسلک اختیار کیا اور سیر میں ایک کتاب املا کرائی اور اخبار و حوادث پر کلام کیا۔

داؤدی نے بھی طبقات المفسرین میں یہی لکھا ہے:

وكان جريري المذهب، ثم اختار لنفسه مذهبا واملى كتابا في السير، وتكلم على الاخبار [3]	وہ جریری المذہب تھے پھر خود اپنا مسلک اختیار کیا، اور سیر میں ایک کتاب املاء کرائی، اور اخبار و احداث پر کلام کیا۔

٭ ٭ ٭

---

[1] ترتیب المدارک ج ۳ ص ۱۰۴ تا ۱۱۰۔ [2] تاریخ بغداد ج ۴ ص ۳۵۷، ۳۵۹، [3] طبقات المفسرین ج ۱ ص ۶۳۔

قاضی احمد بن کامل نے ابو معشر سندی کی کتاب المغازی کی روایت اُن کے پوتے داؤد بن محمد بن ابو معشر بغدادی سے کی تھی۔

بقول دارقطنی احمد بن کامل کو ان کے عجب و غرور نے تباہ کیا۔ انھوں نے اپنا علحدہ مسلک جاری کرکے خود اس پر عمل کیا اور دوسروں سے کرایا۔

مراجع و مآخذ

القرآن الحکیم

کتاب الآثار قاضی ابو یوسف

الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین سیوطی

اخبار ابی حنیفہ واصحابہ، قاضی ابو عبداللہ صیمری بغدادی حیدرآباد

الاخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری مصر

اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ابو الحسن عز الدین علی بن اثیر جزری اصفہان

کتاب الاشتقاق ابو بکر محمد بن حسن بن درید بصری مصر

الاصابہ فی تمییز الصحابہ ابن حجر مصر

اصح السیر (مقدمہ) مولانا عبد الرؤف داناپوری

الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف، امیر ابن ماکولا حیدرآباد

کتاب الام امام شافعیؒ

کتاب الاموال، ابو عبید قاسم بن سلام مصر

کتاب الانساب، ابو سعد عبد الکریم بن محمد بن منصور سمعانی حیدرآباد

انساب الاشراف، ابو الحسن احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری مصر

البدایہ والنہایہ ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیر دمشقی مصر

البدائع والصنائع (مقدمہ) علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی مصر

بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ۔ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابو بکر بن محمد سیوطیؒ مصر

تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ، زین الدین قاسم بن قطلوبغا بغداد

کتاب	مصنف	مقام
التاریخ الکبیر	محمد بن اسمٰعیل بخاری	حیدرآباد
تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی	مصر
تاریخ طبری (تاریخ الملوک والامم)	ابوجعفر محمد بن جریر طبری	بیروت
تاریخ خلیفہ بن خیاط	خلیفہ بن خیاط، شباب مصری	دمشق
تاریخ دمشق	ابوالقاسم علی بن حسن دمشقی	مصر
تاریخ الخلفاء	جلال الدین سیوطی	لاہور قدیم
تذکرۃ الحفاظ	ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی	حیدرآباد
تذکرۃ الموضوعات	محمد بن طاہر فتنی گجراتی	مصر
تدریب الراوی	جلال الدین سیوطی	مصر
ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک	قاضی عیاض بن موسیٰ یحصبی	بیروت
تربیت الاولاد فی الاسلام	عبداللہ ناصح علوان	بیروت
تفسیر ابن کثیر	اسمٰعیل بن کثیر قرشی دمشقی	مصر
تہذیب التہذیب	احمد بن علی بن حجر عسقلانی	حیدرآباد
کتاب الثقات	ابن حبان	حیدرآباد
کتاب الثقات (تاریخ اسماء الثقات)	ابوحفص عمر بن احمد شاہین بغدادی	بمبئی
جمہرۃ نسب قریش واخبارہا	ابوعبداللہ زبیر بن بکار	مصر
جمہرۃ انساب العرب	ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی	مصر
جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد۔	محمد بن محمد بن سلیمان	مصر
کتاب الجرح والتعدیل	عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم رازی	حیدرآباد
جامع بیان العلم	ابوعمر یوسف ابن عبدالبر اندلسی	مصر

کتاب الخراج	قاضی ابو یوسف	مصر
کتاب الخراج	یحییٰ بن آدم قرشی	مصر
الرّد علی سیر الاوزاعی	قاضی ابو یوسف	مصر
ریاض الصالحین	ابو زکریا محی الدین یحییٰ نووی	مصر
الزہد و الرقائق	عبد اللہ بن مبارک	ہند
سنن ابی داؤد	ابو داؤد سجستانی	ہند
سنن نسائی	امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب	ہند
سیرت ابن ہشام	عبد الملک بن ہشام بصری	مصر
سیرت ابن اسحاق	جمع و تحقیق ڈاکٹر حمید اللہ حیدر آبادی	ترکی
سیرت حلبیہ		مصر
السیرۃ النبویہ	احمد بن ذینی دحلان مکی	مصر
سیر اعلام النبلاء	شمس الدین ذہبی	مصر
شرح السیر الکبیر	شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی	حیدر آباد
شرف اصحاب الحدیث	خطیب بغدادی	ترکی
صحیح البخاری (بحاشیہ سندی)	محمد بن اسمٰعیل بخاری	مصر
صحیح مسلم	مسلم بن حجاج قشیری نیسا پوری	مصر
صحیفہ ہمام بن منبہ	ہمام بن منبہ صنعانی تلمیذ ابو ہریرہ	دمشق
الطبقات الکبریٰ	محمد بن سعد کاتب الواقدی	بیروت
الطبقات الکبریٰ (لواقح الانوار فی طبقات الاخیار)	عبد الوہاب شعرانی	مصر
طبقات المفسرین	شمس الدین محمد بن علی داؤدی	مصر
العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین	تقی الدین محمد بن احمد حسنی فاسی مکی	مصر

العمدۃ فی الشعر ونقدہ	ابن رشیق قیروانی	مصر
کتاب العلل ومعرفۃ الرجال	علی بن عبداللہ مدینی	مصر
کتاب العلل ومعرفۃ الرجال	احمد بن حنبل شیبانی	ترکی
العبر فی خبر من غبر	شمس الدین ذہبی	کویت
فتح الباری شرح صحیح البخاری	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	سلفیہ مصر
فتح القدیر	علامہ ابن ہمام	مصر
فتوح البلدان	ابو الحسن احمد بن یحییٰ بلاذری	مصر
الفہرست	ابو الفرج محمد بن اسحاق ابن ندیم بغدادی	مصر
الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ	عبدالحی فرنگی محلی	ہند قدیم
الفقیہ والمتفقہ	خطیب بغدادی	بیروت
کنز العمال	علی متقی برہان پوری مکی	حیدرآباد قدیم
الکفایہ فی علم الروایہ	خطیب بغدادی	حیدرآباد
کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون	حاجی خلیفہ چلپی	ترکی
مآثر الانافہ فی معالم الخلافہ	احمد بن عبداللہ قلقشندی	کویت
مؤطا امام مالک	مالک بن انس اصبحی مدنی	مصر
کتاب المحبر	محمد بن حبیب بغدادی	حیدرآباد
کتاب المنمق	محمد بن حبیب بغدادی	حیدرآباد
مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ		ریاض
مغازی الرسول لعروۃ بن زبیر بروایۃ یتیم عروہ۔ جمع وترتیب ڈاکٹر محمد مصطفیٰ اعظمی۔		ریاض
المنتقیٰ، ابن جارود	ابو محمد عبداللہ بن علی بن جارود نیساپوری	مصر
المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ	احمد بن علی، ابن حجر عسقلانی	کویت

المنتظم فی تاریخ الملوک والامم — ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی، ابن الجوزی۔ — حیدرآباد
المصباح المضی فی کتاب النبی الامی — ابوعبداللہ محمد بن علی بن احمد بن حدیدہ انصاری ۷۸۳ھ — حیدرآباد
معرفۃ علوم الحدیث — ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیساپوری — مصر
المحدث الفاصل بین الراوی والواعی — قاضی حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رامہرمزی — بیروت
کتاب المعارف — ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری — مصر
المصنف — عبدالرزاق بن ہمام صنعانی — بیروت
مسند حمیدی — ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی — ہند
کتاب المناسک — ابراہیم بن اسحاق حربی — ریاض
المغانم المطابہ فی معالم طابہ — مجدالدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی — ریاض
مقدمہ ابن الصلاح — ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن، ابن الصلاح شہرزوری — بمبئی
کتاب المغازی — ابوعبداللہ محمد بن عمر واقدی — کلکتہ
وفاء الوفاء باخبار دار المصطفےٰ — نورالدین علی بن احمد سمہودی — مصر
وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان — شمس الدین احمد بن محمد، ابن خلکان۔ — اصفہان قدیم
الوزراء والکتاب، — محمد بن عبدوس جہشیاری — دیبا
الادب المفرد — امام بخاری — قاہرہ
برنامج الرعینی — ابوالحسن علی بن محمد بن علی رعینی اشبیلی — دمشق
تہذیب الاسماء واللغات۔ — ابوزکریا محی الدین یحییٰ نووی — مصر
مقدمۃ الجرح والتعدیل۔ — ابومحمد عبدالرحمٰن ابن ابی رازی — حیدرآباد

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری اور "تدوین سیر ومغازی"

سید عزیز الرحمٰن
نائب مدیر ششماہی "السیرہ عالمی"

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری اسلاف کی روایات کے امین اور اسلامی تاریخ کی چلتی پھرتی تصویر تھے، توکل وتعقل، تحقیق وتدقیق وعلم وفضل، سادگی وبے تکلفی، غنا وبے نیازی، توازن واعتدال، حق پسندی وبے باکی، مروت ورواداری، احترام وشفقت اور برداشت وتحمل کے ان تمام تاریخی واقعات کی زندہ شہادت تھے، جو اوراقِ تاریخ پر جابجا ثبت ہیں اور جن پر ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم بجا طور پر فخر بھی کر سکتے ہیں، اور جو ہمارے لیے درسِ عمل بھی ہیں، آپ کی شخصیت میں عالم کا وقار، داعی کا اخلاص، مردِ مومن کی دل نوازی اور محقق کی طلب وجستجو سبھی جمع تھیں، اور دین اسلام کے طالب علموں کے لیے آپ کی شخصیت کا مطالعہ ایک اچھا اور متاثر کن نمونۂ عمل سامنے لاتا ہے۔

سوانحی کوائف:

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۴ر رجب ۱۳۳۴ھ مطابق ۷ر مئی ۱۹۱۶ء کو ہندوستان میں ضلع اعظم گڑھ کے مشہور صنعتی قصبے مبارک پور میں اور وفات ۲۷ر صفر ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۴، جولائی ۱۹۹۶ء کو ہوئی۔ اس طرح آپ نے ہجری تقویم کے اعتبار سے تقریباً ۸۳ سال اور عیسوی تقویم کے لحاظ سے ۸۰ سال عمر پائی، آپ کا نام آپ کے نانا مولانا احمد حسین رسول پوری رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالحفیظ تجویز کیا، اور آپ کا پورا نام قاضی ابو المعالی عبدالحفیظ اطہر مبارک پوری تھا، جبکہ آپ قاضی اطہر مبارک پوری کے مختصر نام سے معروف ہوئے۔

تعلیم:

آپ کے نانا مولانا احمد حسین رسول پوری عربی زبان وادب کے ماہر اور بہت سی کتب کے مصنف تھے، جن میں آپ کا عربی دیوان بھی شامل ہے، جسے قاضی صاحب نے بعد میں مرتب کر کے شائع کیا تھا، وہ ایک عرصے تک ڈھاکہ میں مسندِ درس پر متمکن رہے، قاضی صاحب نے عربی کی ابتدائی کتب اپنے نانا سے پڑھیں، مبارک پور ہی میں قرآنِ مجید، اُردو زبان اور ریاضی وغیرہ کی تعلیم مکمل کی۔ پھر ۱۳۵۰ھ میں مدرسہ احیاء العلوم مبارک پور میں عربی تعلیم کے حصول کے لیے داخلہ لیا، اور وہاں کے اساتذہ مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری، مولانا شکر اللہ مبارک پوری، مولانا بشیر احمد مبارک پوری، مولانا محمد عمر مبارک پوری وغیرہ سے نحو، صرف، ادب، بلاغت، منطق، فلسفہ، فقہ، اصول فقہ وغیرہ علوم وفنون میں اس وقت مروج تمام کتابیں پڑھیں، ان اساتذہ کے علاوہ اپنے ماموں مولانا محمد یحییٰ رسول پوری سے عروض وقوافی اور ہیئت کے بعض اسباق پڑھے، قاضی صاحب کی علمی تربیت میں مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا حصہ ہے اور قاضی صاحب میں کتب بینی اور مطالعے کا ذوق پیدا کرنے والے یہی بزرگ ہیں، وہ نئی نئی کتابیں لاکر قاضی صاحب کو دیتے اور ان کے مطالعے پر انہیں ترغیب دلاتے۔ اس طرح رفتہ رفتہ کتب بینی آپ کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔

مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں مروجہ نصاب مکمل کر لینے کے بعد جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد کا علمی سفر کیا اور فخر المحدثین مولانا سید فخر الدین احمد سے جو اس وقت وہاں کے شیخ الحدیث تھے، صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، سنن ابی داؤد اور مولانا سید محمد میاں سے سنن ترمذی اور مولانا سید محمد اسماعیل سے صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث کا درس لیا۔ اور ۱۳۵۹ھ میں تمام مروجہ علوم وفنون کی تکمیل کر کے فارغ التحصیل ہوئے۔

ابتدا ہی سے علمی ذوق:

قدرت نے فطرتاً آپ میں علمی ذوق ودیعت فرمایا تھا، یہی سبب ہے کہ آپ کے تعلیمی ادوار کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ابتدا ہی سے شاہراہِ علم وتحقیق پر گامزن

ہو گئے تھے، اور تاریخ، طبقات وتراجم اور سیرت وسوانح پر مشتمل ان امہات الکتب کا مطالعہ آپ زمانۂ طالب علمی ہی میں کر چکے تھے، جن کی ورق گردانی کی سعادت عام طور پر فراغت کے بعد بھی مشکل ہی سے نصیب ہوتی ہے۔ چنانچہ دورِ طالب علمی میں جن کتب کے مطالعے کی سعادت آپ کو حاصل ہوئی ان میں " الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب "لابن عبدالبر۔" فتوح البلدان" لابی الحسن البلاذری۔" الملل والنحل " للشہرستانی۔" الفہرست " لابن ندیم۔" وفیات الاعیان " لابن خلکان۔" تذکرۃ الحفاظ " للذہبی۔" وفاء الوفاء " للسمہودی۔" الامامۃ والسیاسۃ " لابن قتیبہ۔" سیرۃ ابن ہشام۔" "الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ " لابن حجر۔" الاخبار الاطوال " لابی حنیفہ الدینوری۔" زاد المعاد فی ہدی خیر العباد " لابن القیم۔" تہذیب التہذیب " لابن حجر۔" کتاب الخراج " القاضی ابی یوسف۔"دلائل النبوۃ " لابی نعیم۔" المعارف لابن قتیبہ۔" سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان ، آکام المرجان فی احکام الجان "،" حیاۃ الحیوان "،" الصواعق المحرقۃ "،" العمدۃ فی الشعر و نقدہ "،" المحاسن والاضداد "،" الشعر والشعراء "،" المیزان الکبریٰ "، "المستطرف "،" دیوان فرذوق "،" العقد الفرید " اور" رسالۃ الغفران "جیسی امہات الکتاب شامل ہیں۔

اس فہرست کو اپنی خودنوشت سوانح میں درج کرنے کے بعد قاضی صاحب لکھتے ہیں:

"یہ ان کتابوں کے علاوہ ہیں جن کو میں خریدتا تھا اور رات دن ان کے مطالعے میں مشغول رہتا تھا، اسی طرح جمعیۃ الطلبہ (مدرسہ احیاء العلوم) کی لائبریری کی تقریباً تمام کتابیں کلی یا جزوی طور پر میرے مطالعے میں رہ چکی ہیں اور میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔ (قاعدۂ بغدادی سے صحیح بخاری تک، قاضی اطہر مبارکپوری ص:۲۳،۲۴)

اور اس دور کے اپنے ذوقِ مطالعہ کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

"غیر درسی کتابوں کے مطالعے کا شوق جنون و دیوانگی کی حد تک بڑھ گیا تھا، چلتے پھرتے

کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ضرور رہا کرتی، حتیٰ کہ کھاتے وقت بھی کتاب دیکھتا تھا، بعض اساتذہ ازراہِ شفقت کہتے تھے کہ اس قدر زیادہ نہ پڑھو ورنہ اندھے ہو جاؤ گے تو میں عرض کرتا کہ اگر ایسا ہوا تو خود ہی یہ کام بند ہو جائے گا، کثرتِ مطالعہ اور کتب بینی سے بعض اوقات آنکھ میں سوزش پیدا ہو جاتی، اور چکر آنے لگتا تھا۔'' (ایضاً ص: ۲۱، ۲۲)

ان کتابوں کے مطالعے اور ان سے شغف وانہماک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدا ہی سے آپ میں امہات الکتب سے اخذ واقتباس کا ذوق پیدا ہو گیا، جس کی وجہ سے دورِ طالب علمی ہی میں آپ نے عربی میں ایک کتاب ''مرآۃ العلم'' کے نام سے مرتب کی، جس میں علمائے سلف اور مختلف ائمہ علم وفن کے واقعات جمع کیے، اس طرح ائمہ اربعہ کے نام سے اُردو میں ایک کتاب قسط وار مضامین کی شکل میں شائع کی۔

طالب علمی اور عسرت:

علمائے سلف کے حالات کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر نے زمانۂ طالب علمی میں بہت سی مشکلات برداشت کیں اور طرح طرح کی صعوبتوں اور مشقتوں کو جھیل کر علم وفضل میں کمال پیدا کرنے میں کامیاب ہو سکے، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسلاف کی اس سنت کی پیروی کی سعادت بخشی اور آپ نے زمانۂ طالب علمی کا خاصہ دور تنگی و عسرت میں بسر کیا، مگر قناعت پسندی اور کفایت شعاری کی محمود صفات کے بل پر وہ دور بخوشی گزار گئے، آپ خود ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں:

''طالب علمی کا پورا دور عسرت اور تنگدستی میں گزرا، کھانے پینے اور پہننے میں کفایت شعاری اور سادگی ہی رہی، اس وقت آج کل کی طرح معاش ومعیشت میں فراوانی و فراخی نہیں تھی، عام طور پر لوگ روکھی پھیکی زندگی کے عادی تھے اس لیے تنگ دستی اور غربت کا احساس نہیں تھا، بلکہ سب لوگ اسی زندگی پر راضی وخوش رہا کرتے تھے، اس میں بڑی خیر وبرکت تھی، میں بھی ہر معاملے میں اپنے ذوق وشوق کے مطابق سامان مہیا کر لیا کرتا تھا اور کبھی احساس کمتری کا شکار نہیں ہوا۔''

(... نی سے صحیح بخاری تک ص: ۴۴، ۴۵)

آغازِ کار:

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے، آپ نے زمانہ طالب علمی ہی سے اپنے تحریری، تصنیفی و تحقیقی سفر کا آغاز کردیا تھا، اس دور میں آپ کی شاعری کی بھی ابتدا ہوئی۔ ان کی نظمیں رسائل واخبارات میں آنے لگی تھیں، پھر انہوں نے چھوٹے چھوٹے اور مختصر مضامین لکھنے شروع کردیے، سب سے زیادہ حوصلہ افزائی ان کو رسالہ قائد مرادآباد کی جانب سے ملی، یہ رسالہ مولانا سید محمد میاںؒ نے مراد آباد سے جاری کیا تھا۔ ''قائد'' کا معیار بہت بلند تھا، اس میں عام اور سرسری مضامین کے لیے کوئی گنجائش نہیں تھی، قاضی صاحب نے اسی رسالے میں لکھنا شروع کیا، اور اس میں قاضی صاحب کے مضامین کی اشاعت ان کے پختہ کار اہل قلم ہونے کی سند بن گئی، ان کا حلقہ تعارف بڑھنے لگا، پھر دوسرے رسائل میں بھی ان کے مضامین شائع ہوئے۔

علوم وفنون کی تحصیل سے رسمی فراغت کے بعد تعلیم وتدریس سے جدید علمی سفر کا آغاز کیا، اور اپنی مادر علمی مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور میں چار پانچ سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد آپ امرتسر تشریف لے گئے۔

وہاں مرکز تنظیم اہل سنت کے نام سے ایک چھوٹا سا ادارہ قائم تھا، جہاں سے چھوٹے چھوٹے کتابچے مختلف موضوعات پر شائع ہوتے اور تقسیم کیے جاتے تھے، قاضی کے ذمے یہ لٹریچر مرتب کرنا اور پھر لاہور جاکر اس کی طباعت کا انتظام کرنا تھا، کیونکہ اس وقت امرتسر میں کوئی اچھا اُردو پریس موجود نہیں تھا، یہ سلسلہ کئی ماہ تک جاری رہا، کچھ عرصے بعد لاہور کے اخبار ''زمزم'' کے مالک کی پیشکش پر آپ اس سے وابستہ ہوگئے، البتہ اس کی مجلس ادارت سے آپ کا کوئی تعلق نہ تھا، ''منتخب التفاسیر'' اسی دور میں تیار ہوئی، اور کچھ عرصے بعد تقسیم ہند کے ہنگامے کی نذر ہوگئی، اس کام کا خاکہ یہ تھا کہ چند معروف تفسیروں کے خلاصے ہر ہر آیت کے تحت جمع کردیے جائیں، کچھ تفسیروں میں ایک ایک آیت کے تحت مصنف نے کئی کئی صفحات لکھے ہیں، ان عربی تفسیروں کو اردو میں منتقل کرنا پھر لمبی لمبی بحثوں کی تلخیص اس انداز سے کرنا کہ مفسر کی رائے کا خلاصہ اس میں

آ جائے اور اتنی ہی سطروں میں آ ئے جتنی جگہ ہر صفحے پر ایک تفسیر کے لیے مقرر ہے۔ یہ کام بہت نازک اور محنت طلب تھا، تلخیص کے لیے بڑے علم ومطالعے کی ضرورت تھی، اگرچہ قاضی صاحب کی علمی استعداد ہر شک وشبہ سے بالاتر تھی مگر مفسر کے مقصد کو سمجھ لینا پھر اس کو مختصر لفظوں میں اردو میں منتقل کرنا وقت طلب امر تھا اس لیے ابتدا میں کام سست رفتاری سے چلا لیکن دو چار پاروں کے بعد ذہن وفراست نے یاوری کی، پہلے ایک پارہ بھی ایک ماہ میں نہیں ہوتا تھا، لیکن جب کام آگے بڑھا تو پھر ایک ماہ میں ایک پارے سے زیادہ ہونے لگا، اور اس طرح تین سال میں یہ تفسیر مکمل ہوگئی۔ مگر اسی دوران تقسیم ہند کا ہنگامہ شروع ہوگیا، اور جون کے وسط میں ۱۹۴۷ء میں قاضی صاحب لاہور سے ترک سکونت کر کے واپس وطن لوٹ گئے، اور بعد میں کچھ پتہ نہ چلا کہ اس کتاب کا مسودہ کہاں گیا۔

لاہور سے واپسی کے بعد کچھ دنوں بہرائچ میں قیام رہا، وہاں سے مولانا محفوظ الرحمٰن نامی نے ''الانصار'' کے نام سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا اور قاضی صاحب کو اس کا مدیر مقرر کیا، لیکن وسائل کی عدم فراہمی کے سبب یہ اخبار زیادہ عرصے جاری نہ رہا، اور قاضی صاحب واپس اپنے وطن لوٹ گئے، پھر جامعہ اسلامیہ ڈھابیل میں بطور مدرس ان کی تقرری ہوگئی اور آپ وہاں منتقل ہوگئے، اس وقت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ وہاں شیخ الحدیث تھے، مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ بڑے پختہ علمی ذوق کے مالک، وسیع مطالعے کے حامل اور عربی کتب پر گہری نظر رکھتے تھے، قاضی صاحب کو ان کی رفاقت میسر آئی، لیکن یہ سلسلہ بھی زیادہ عرصے برقرار نہ رہ سکا، اور آپ ایک بار پھر واپس وطن لوٹ آئے۔

بمبئی میں:

۱۹۵۲ء میں جمعیت علماء مہاراشٹر کی جانب سے بمبئی سے ''جمہوریت'' کے نام سے ایک اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا گیا، حامد الانصاری اس کے ایڈیٹر اور قاضی اطہر مبارکپوری اس کے جوائنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے، مگر حالات ناساز گار ہونے اور انتظامیہ سے اختلافات کے بعد آپ

اس سے بھی علیحدہ ہو گئے۔

بمبئی کا اردو اخبار ''انقلاب'' ایک طویل تاریخ رکھتا ہے اس وقت بھی وہ وہاں کا سب سے بڑا اردو اخبار تھا، اس کے مالک عبدالحمید انصاری کو جب جمہوریت اخبار سے قاضی صاحب کی علیحدگی کا علم ہوا تو انہیں اپنے اخبار میں آنے کی دعوت دی، قاضی صاحب نے یہ دعوت قبول کر لی اور اخبار ''انقلاب'' سے وابستہ ہو گئے، یہاں چالیس سال تک آپ نے جواہر القرآن اور احوال و معارف کے نام سے کالم لکھے، اگر جمع کیا جائے تو کئی ایک ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں، یہ تمام کالم عموماً علمی اور اسلامی موضوعات پر ہوتے تھے۔

آپ کی رہائش گاہ:

بمبئی کے اس طویل عرصۂ قیام میں آپ کی جائے سکونت ایک پرانا خستہ سا کمرہ تھا، جس میں چٹائیوں کا فرش تھا۔ یہی کمرہ آپ کا دفتر بھی تھا، یہیں آپ کے قلم سے وہ تیس پینتیس کتابیں نکلیں جو عالم اسلام میں آپ کے وسیع تعارف کا ذریعہ بنیں اور اہل ہند کی طرف جن کے انتساب نے ان کا سر پوری علمی دنیا میں فخر سے بلند کر دیا، قاضی صاحب کی رہائش گاہ کی منظر کشی آپ کے ایک رفیق مولانا اسیر ادروی کے قلم سے ملاحظہ کیجئے:

> ''جامع مسجد کی طرف جانے والی ایک تنگ سی ذیلی سڑک پر ایک پرانی خستہ عمارت دلق پوش فقیر کی طرح کھڑی ہے، اس کے داخلے کے دروازے میں قدم رکھئے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہاں دہلیز میں بدروحیں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں، لیکن زینے سے اوپر چلے جائیں تو فضا کچھ بدل جاتی ہے، زینہ دوسری منزل پر جہاں ختم ہوتا ہے ٹھیک سامنے ایک دروازہ ہے، یہی قاضی صاحب کے مرکز علمی کا دفتر ہے، اس کمرے میں چند بوسیدہ اور خستہ چٹائیوں کا فرش ہے اور نشست کی جگہ ایک شکن آلودہ چادر بچھی ہوئی ہے، فرنیچر نام کی کوئی چیز یہاں نہیں تھی، نہ کرسی میز، نہ صوفہ سیٹ نہ الماری، نہ فریج نہ کولر نہ ٹیبل فین نہ چائے کا سیٹ، بس ایک طالب علم کا کمرہ جس میں کوئی اہتمام اس لیے نہیں ہوتا ہے کہ

یہاں قیام عارضی ہے، یہاں کی زندگی مسافرانہ ہے، قاضی صاحب اس ویران اور خستہ کمرے میں ۴۰ سال رہے مگر کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل کی زندہ مثال بن کر رہے۔"

اس دور میں جو آپ کی حیاتِ مستعار کا سب سے اہم اور سب سے طویل دور قرار دیا جا سکتا ہے، آپ نے "انقلاب" اخبار کے ساتھ وابستگی کے ساتھ ساتھ اپنی علمی و تحقیقی سرگرمیوں پر بھر پور توجہ دی، اسی دوران انجمن اسلامیہ کے اسکول میں دینیات کے ایک دو پیریڈ بھی آپ نے پڑھائے، تدریس کا یہ سلسلہ دس سال تک جاری رہا، اس کے علاوہ آپ کا تمام وقت اپنی قیام گاہ میں ہی گزرتا تھا۔

قاضی صاحب اپنے قیام بمبئی کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"تیس سال سے زائد مدت تک بمبئی میں قیام رہا۔ جس شہر میں شبلی مرحوم "کنارِ آب چوپاٹی وگل کشتِ اپالو" کی سیر کر کے غزل کہا کرتے تھے، ان کے ایک ہم وطن نے ایک معمولی کمرے میں "مرکز علمی" کا بورڈ لگا کر تصنیف و تالیف اور مضمون نگاری و مقالہ نویسی کا دور شباب گذارا،...... بمبئی غریب پرور ہونے کے ساتھ علم کش شہر ہے، جس کا احساس مجھے یہاں آنے سے پہلے ہی تھا، اس لیے میں نے دولت و ثروت کے اس "اندرونِ قعر دریا" میں تیس سال سے زائد تختہ ہونے کے باوجود اپنے دامنِ علم کو تر نہیں ہونے دیا اور مختلف قسم کی مصروفیات کے باوجود عرب و ہند کے ابتدائی چار سو سالہ تعلقات پر عربی و اردو میں متعدد کتابیں لکھ کر ایک بڑے خلا کو پر کیا۔"

(قاعدۂ بغدادی سے صحیح بخاری تک، ص: ۵۱-۵۲)

البلاغ کا اجرا:

۱۹۵۲ء میں تنظیم خدام النبی کی زیر نگرانی "البلاغ" کے نام سے ایک ماہنامہ رسالے کا اجرا ہوا، جس کے آپ مدیر تھے، اور لگ بھگ ۲۵ برس تک اسے تن تنہا نکالتے رہے، یہ مجلّہ علمی حلقوں

میں نہایت پسندیدگی سے دیکھا جاتا تھا اور ملک کے مؤثر علمی رسائل میں اس کا شمار ہوتا تھا۔

عربی ذوق:

قاضی صاحب کا عربی ادب کا ذوق نہایت پختہ تھا، آپ بے تکلف احباب کی محفلوں میں اکثر دورانِ گفتگو مختلف جاہلی شعرا کے اشعار سناتے اور اس کی معنویت کی وضاحت کرتے، آپ کو بے شمار عربی اشعار یاد تھے، چونکہ شب و روز عربی کتابوں کا ہی مطالعہ تھا، اس لیے عربی نثر بہت عمدہ مگر نہایت سادہ لکھتے تھے۔ بعض عربی کتابوں پر جو انہوں نے مقدمے اور پیش لفظ لکھے ہیں، وہ بہت رواں، سلیس اور فصیح عربی میں ہیں، کہیں کہیں سجع کی رعایت اور قافیہ پیمائی بھی نظر آتی ہے، یہی عربی ادب کا ذوق آگے چل کر مزید نکھر گیا، ان کی عربی عبارتوں میں کہیں تکلف اور آورد کی جھلک نہیں ملتی نہ کہیں اظہار مطالب میں اغلاق وابہام کا شائبہ ہے۔ ''رجال السند والهند'' ان کی عربی کی پہلی تصنیف ہے، دوسری کتاب ''العقد الثمين'' جب آپ کے قلم سے نکلی تو عام متداول عربی تاریخ و سیر کی کتابوں کا جو انداز ہے بالکل وہی اندازِ بیان اور وہی سادہ لب ولہجہ اس میں نظر آتا ہے۔

شاعری:

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے دور طالب علمی میں شاعری شروع کر دی تھی، آپ اپنے دور طالب علمی میں بہت لکھتے تھے، اس دور میں ان کی شاعری ہی ان کی شناخت بن گئی تھی، وہ غزل کے بجائے صرف مذہبی و اصلاحی نظمیں لکھتے تھے، جس میں جوش و جذبے کی فراوانی ضرور تھی، لیکن لطف بیان، طرز اظہار میں جدت، زبان و بیان کی چاشنی، برجستگی وسلاست اور شگفتگی کا عنصر بہت کم تھا، اس دور کی ان کی شاعری نعت اور اصلاحی نظموں تک محدود تھی۔ مگر پھر عمر کے ساتھ ان کی شاعری پر بھی نکھار آنے لگا۔ اور ان کے شعروں میں رمزیت، معنویت اور استعارات کا خوبصورت استعمال اور تخیل کی کارفرمائیاں نظر آنے لگیں، اب وہ غزلیں بھی کہنے لگے تھے ان کی کچھ غزلیں نہایت پاکیزہ اور دلکش ہیں۔ یہ سلسلہ کافی عرصے تک چلا، بعد میں علمی مصروفیات

کے سبب یہ سلسلہ ترک ہوتا چلا گیا۔ آپ کا یہ ذوق صرف شعر کہنے تک محدود نہیں تھا، بلکہ آپ نے شعر و ادب کی نشستوں میں بھی شرکت فرمائی ہے۔ آپ کا مجموعۂ کلام جس میں ہر طرح کا کلام ہے، البتہ مذہبی اور اصلاحی نظموں کا تناسب زیادہ ہے۔ مئے طہور کے نام سے موجود ہے اور تاحال غیر مطبوعہ ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کلام کے چند نمونے بھی پیش کر دیئے جائیں:

بینم بہ ہجرش برہم نظامے — در شام صبحے ، در صبح شامے
در صبح رویش شمسے درخشاں — شمسے چہ شمسے ، شمسے مدامے
در شام زلفش ، ماہِ مبارک — ماہے چہ ماہے ، ماہے تمامے
خط حسینش ، تقدیر ہستی — نطق بیانش ، مبرم پیامے
صدیق و فاروق ، عثمان و حیدر — در بند زلفش صید بدامے

اے فخر عالم! باسوز فرقت
گوید سلامے ، ادنیٰ غلامے

☆☆☆

عطا ہو ساقیا! تشنہ لبوں کو جام عرفانی — حریم نعت میں آئے نظر، ہر چیز نورانی
نہ پوچھ اس دم مرا سوز د گداز شاعری ہمدم — درِ معنی پہ سجدہ ریز ہے لفظوں کی پیشانی
وفور بے خودی میں ہے نئے انداز سے پیہم — حریم حسن میں دست طلب کی پردہ جنبانی
تری ذات مقدس مبتدأ الطاف بے پایاں — تیری ذاتِ مقدس منتہائے فضل ربانی
کھلا ہے صفحۂ قرآں، ضیائے روئے انور میں — جبیں پر گیسوئے پر پیچ ہیں آیاتِ قرآنی
بیان والضحیٰ پیشانی سیمیں کے جلوے میں — ہے شرح سورۂ واللیل، زلفوں کی پریشانی
تری آنکھوں کو ساقی چشمۂ کوثر سے کیا نسبت — جو اک جنبش میں چھلکائیں ہزاروں جام عرفانی

☆☆☆

فسانہ بن رہی ہے اب تو محفل میں فدا کاری
وفا کی سرد پڑتی جا رہی ہے گرم بازاری
ہے باقی وصل کی خواہش نہ فرقت کی جنوں کاری
جنوں کاروں کی الفت سے ہوتی جاتی ہے بیزاری
نہ جانے کیا دلِ وحشی نے اپنا رنگ بدلا ہے
کہ صحرا چھوڑ کر پھرتی ہے در در اس کی خود داری
زمانے میں اڑادیں دھجیاں دامانِ ہستی کی
بدن پر مردنی سی ، روح پر افسردگی طاری
پڑا ہے زندگی کا کارواں ششدر دوراہے پر
نہ جینے ہی کا ساماں ہے نہ مرنے ہی کی تیاری

☆☆☆

گرادیتے ہیں وہ مجھ کو نظر سے جب سر محفل
مرے جینے کا دنیا میں سہارا ٹوٹ جاتا ہے
تعالیٰ اللہ ، زہے تقدیر ، ایسے مرنے والوں کی
مسیحا مسکرا دیتا ہے اور دم چھوٹ جاتا ہے
ہوا جاتا ہے جب جوشِ سفر بیتابیٔ منزل
کوئی ہم شکل منزل بن کے اطہر لوٹ جاتا ہے
مجھے اپنوں سے الفت ہے وگرنہ قاضی اطہر
انہیں حالات میں اپنوں سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے

☆☆☆

معاذ اللہ، بحث حسن و الفت کتنی خونی ہے
چلی مژگاں سے اور تیغ و سناں تک بات جا پہنچی

نہ کہتا تھا، نہ چھیڑو مرے اشکوں کو برا ہوگا
اگر قطرے سے بحر بیکراں تک بات جا پہنچی
سکوت اطہرؔ کیا ہم نے بہت آغاز الفت میں
مگر انجام میں شرح و بیاں تک بات جا پہنچی

☆☆☆

کچھ دنوں میں اور بدلے گی یونہی رسم قفس
اب تو کچھ آزادی آہ و فغاں ہونے لگی
ہائے وہ بیمار آنکھیں جن کا اطہرؔ ہے مریض
ان کی ان شہ پر میری دنیا جواں ہونے لگی

☆☆☆

قصور اس میں ہے کیا ساحل کا دریا کی خطا کیا ہے
اگر طوفان میں جا کر خود ہی کشتی توڑ دی ہم نے
ہلا سکتی نہیں ہے دولت کونین بھی اطہرؔ
زمین فقر پر رکھی ہے بنیاد خودی ہم نے

☆☆☆

آخری ایام:

وفات سے کئی برس پہلے آپ نے بمبئی کی سکونت ترک کردی تھی اور ارادہ تھا کہ نصف صدی کی انتھک جدوجہد اور محنت کے بعد زندگی کے کچھ ایام اب اپنے آبائی وطن میں گذاریں گے، مگر تقدیر کو یوں منظور نہ تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں شیخ الہند اکیڈمی بہت دنوں سے قائم تھی لیکن اس کی سرگرمیاں بہت محدود تھیں، ارباب دارالعلوم نے قاضی صاحب کو آمادہ کرنا چاہا کہ وہ دیوبند آجائیں اور اکیڈمی کو

متحرک کریں، قاضی صاحب غریب الوطنی اور مسافرت کی زندگی سے تھک چکے تھے، اس لیے انہوں نے اکیڈمی سے باقاعدہ وابستہ ہونے سے انکار کردیا، البتہ اس بات پر راضی ہوگئے کہ وہ سال میں ایک دو بار دیوبند جا کر چند ہفتے قیام کریں گے، مگر تنخواہ نہیں لیں گے، ارباب دارالعلوم نے اس کو بھی غنیمت سمجھا اور جب تک ان میں سفر کرنے کی ہمت رہی وہ پابندی سے دیوبند کا سال میں ایک دو بار سفر کرتے اور کم وبیش ایک ماہ وہاں قیام کرتے رہے، اسی دوران انہوں نے اپنے کئی مسودات مکمل کیے اور ان کی کئی کتابیں اکیڈمی سے شائع ہوئیں۔ ''تدوین سیر ومغازی''، ''خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت''، ''ائمہ اربعہ'' وغیرہ اسی دور کی یادگار ہیں۔

کئی سال سے وہ مختلف عوارض کا شکار تھے، مگر بسترِ علالت پر کبھی نہیں رہے، دوائیں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے اور پابندی سے استعمال کرتے، عمر کے تقاضے سے بھی اعضا میں اضمحلال آتا جارہا تھا، انہی عوارض کا ساتھ نبھاتے ہوئے، بالآخر ۱۴/ جولائی ۱۹۹۶ء کو وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اخلاق وکردار:

آپ بلند پایہ اخلاق اور اسلاف کے طرزِ عمل کے مطابق عمدہ وپاکیزہ کردار کے مالک تھے، ایک اچھے انسان اور مسلمان کی تمام خوبیاں آپ میں جمع تھیں، آپ کے اخلاق کا جائزہ مولانا ضیاء الدین اصلاحی (مدیر معارف، اعظم گڑھ) نے نہایت جامعیت کے ساتھ لیا ہے، یہ طویل اقتباس من وعن کیا جاتا ہے۔

''قاضی صاحب بڑے متواضع، منکسر المزاج اور خلیق تھے۔ وہ خلوص ومحبت اور دردمندی کا پیکر تھے، لوگوں کی حاجت روائی اور ان کے کام کردینے میں ان کو لذت ملتی تھی، کسی کو ضرر پہنچانا یا ایذا دینا ان کا شیوہ نہ تھا، ان کی زندگی بڑی سادہ اور ہر قسم کے تکلف وتصنع سے بری تھی، اپنی وضع قطع اور ملنے جلنے کے انداز سے اپنی عظمت اور بڑائی ظاہر نہ ہونے دیتے، طبیعت میں غیرت وخودداری تھی، کسی کا احسان مند ہونا گوارا نہیں کرتے

تھے، وہ کسی کے عہدے ومنصب اور جاہ وتموّل سے نہ کبھی مرعوب ہوتے اور نہ اس سے دب کر اور جھک کر ملتے، اہل علم کی بڑی قدر کرتے، ان کے سامنے مصنوعی اور خود ساختہ بڑوں کو ہیچ وحقیر خیال کرتے، علم کی توہین کسی حال میں نہ ہونے دیتے، اصحاب علم کو دولت مندوں اور امرا کی خوشامد کرتے دیکھتے تو غضبناک ہوجاتے، بڑے صاف گو تھے، ان کا ظاہر وباطن یکساں تھا، لاگ لپیٹ، رورعایت، ظاہر داری اور مصلحت پسندی انہیں نہیں آتی تھی، ناگوار باتوں اور غلط کاموں کو دیکھ کر چپ رہنے یا چشم پوشی کر لینے کو پسند نہ کرتے تھے، اور صحیح بات بے جھجک برملا کہہ دیتے تھے۔ حرص وآز اور تملق سے نفرت تھی، غرور وتمکنت اور رعونت ونخوت کا کوئی شائبہ بھی ان میں نہ تھا، وہ خودستائی اور خودنمائی کے بالکل عادی نہ تھے، کوئی ایسی بات نہ کرتے جس سے اس کی فضیلت و برتری ظاہر ہوتی، ان کی دین داری ریا ونمائش سے خالی تھی، وہ نام ونمود کے بجائے خاموش خدمت کو پسند کرتے۔ ہر ایک سے بشاشت اور گرم جوشی سے ملتے، من کا آئینۂ دل بغض وکینے (اور) کدورت سے زنگ آلود نہ تھا، تعصب، تنگ نظری اور جماعتی عصبیت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ہر گروہ ومسلک کے لوگوں سے ان کے تعلقات تھے، ان کے جنازے میں بڑا اژدحام تھا جس میں ہر مسلک ومشرب اور ہر فرقے وگروہ کے لوگ شامل تھے، اپنے خوردوں سے بھی نہایت بے تکلفی سے ملتے اور محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے، ان کی حوصلہ افزائی کے لیے ان کے معمولی اور ادنیٰ کاموں کی داد دیتے، اپنے بزرگوں اور برابر کے لوگوں سے ہمیشہ عزت واکرام کا معاملہ کرتے، بڑے مہمان نواز تھے، علما کو اکثر اپنے گھر آنے کی دعوت دیتے اور جب وہ پہنچ جاتے تو ان کو بڑی خوشی ہوتی اور خوب خاطر مدارات کرتے۔"

آپ کے بلند کردار کے بارے میں آپ کے ایک رفیق مولانا اسیر ادروی گواہی دیتے ہیں:

"قاضی صاحب! انتہائی وضع دار بزرگ تھے، جن لوگوں سے طالب علمی کے دور میں تعلقات تھے ان تعلقات کو انہوں نے زندگی بھر نبھایا۔ بہت سے گم نام اور معمولی لیاقت

کے لوگ، ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں گذر بسر کرنے والے خستہ حال جن سے کبھی قاضی صاحب کا تعارف تھا یا دوستانہ مراسم تھے ان کے گھروں پر جانا ملاقات کرنا، خیر و عافیت معلوم کرنا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے تھے، وہ جب وطن آتے تو اطراف و جوانب کی بہت سی آبادیوں، قصبوں اور گاؤں میں متعارف لوگ یا احباب تھے ان تمام مقامات پر جاتے، گھنٹے دو گھنٹے ان کے پاس گذارتے، شام ہوتے ہوتے راقم الحروف کے وطن اوری تشریف لاتے، ان کے آنے سے ہمارے گھر عید ہو جاتی تھی، شب میں ہمارے مدرسے دارالسلام کے صحن میں پلنگوں اور چارپائیوں کی قطار لگ جاتی، اہل علم احباب کی محفل جمتی، قاضی صاحب صدر مجلس ہوتے اپنے تجربات و مشاہدات، بیرون ملک کے اسفار کی دلچسپ روداد بیان کرتے ہنسی مذاق، تفریحی جملے، ظریفانہ واقعات پر قہقہوں کا سلسلہ نصف شب تک چلتا رہتا، یہ مجلس اتنی دلچسپ اور نشاط انگیز ہوتی تھی کہ احباب سال بھر اس کے منتظر رہا کرتے تھے، قاضی صاحب اپنی کتابوں کے صفحات میں جتنے باوقار جتنے عظیم اور مرعوب کن نظر آتے ہیں، وہ احباب کی مجلسوں میں ایک بے تکلف دوست سے زیادہ نظر نہیں آتے تھے، یہ ان کی عظمت اور بڑائی کی دلیل ہے، خواہ مخواہ دوسروں پر اپنے فضل و کمال کا رعب ڈالنا، بات بات میں اس کا مظاہرہ کرنا، بھویں چڑھا کر بات کرنی ان تمام لغویات اور مصنوعی زندگی سے وہ بالکل نا آشنا تھے، علمی مجلسوں میں کسی سے وہ مات کھانے والے نہیں تھے لیکن بے تکلف احباب کی محفل میں شرافت و اخلاق کا مجسمہ، تعلّی اور خود نمائی کا کہیں دور دور پتہ نہیں چلتا تھا۔"

حمیت دینی:

آپ ایک خوددار عالم اور دینی جذبے سے سرشار محقق تھے، آپ کے پیش نظر دین اسلام کی سربلندی اور شعائر اسلام کا احترام اولیت کا حامل تھا۔

ایک بار شاہ اُردن ہندوستان کے دورے پر آئے تو بمبئی کے معروف عرب جوہری نے

ان کی بمبئی میں دعوت کی، عرب جوہری نے قاضی صاحب کو ترجمانی کے لیے مدعو کیا، ڈنر فائیو اسٹار ہوٹل میں تھا اس کا دعوت نامہ جاب قاضی صاحب نے ملاحظہ کیا تو اس میں ڈنر کے بعد بہت ہی اعلیٰ پیانے پر رقص وسرود کا بھی پروگرام تھا، بمبئی کی مشہور فلمی اداکارائیں اور رقاصائیں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے والی تھیں، قاضی صاحب نے جوں ہی پروگرام کی یہ سطریں پڑھیں ان کی دینی غیرت اور عالمانہ وقار کو ٹھیس لگی اور انہوں نے دعوت میں شرکت کا پروگرام منسوخ کر دیا۔

تنقید برداشت کرتے:

قاضی صاحب کا ایک اہم وصف یہ تھا کہ وہ سچے اہل علم کی طرح نقد وتنقید سے گھبراتے نہ تھے، بلکہ خندہ روئی کے ساتھ اس کو قبول کرتے تھے، ایک مثال ملاحظہ ہو، قاضی رشید بن زبیر غسانی کی تصنیف ''کتاب الذخائر والتحف'' کے مصنف کی تعین کے سلسلے میں قاضی صاحب اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا، اختلاف کا سبب یہ تھا کہ رشید بیٹے، باپ اور دادا تینوں کے نام کا جز تھا، قاضی صاحب کا خیال تھا کہ یہ پوتے کی تصنیف ہے اور ڈاکٹر صاحب کی رائے تھی کہ دادا کی تصنیف ہے، اس کے علاوہ کچھ اور امور بھی متنازعہ فیہ تھے اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کے مکتوب اور قاضی صاحب کے مضمون کی اشاعت ماہ نامہ ''معارف'' اعظم گڑھ (دسمبر، ۱۹۶۰ء) میں ایک ساتھ ہوئی، اس پر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی رحمہ اللہ نے ایک مضمون بطور محاکمہ تحریر فرمایا، جو رسالۂ مذکور میں فروری ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا، جس میں مولانا نے تعیین مصنف کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب کی رائے سے اور بعض دیگر نقد واستدراک کے بارے میں قاضی صاحب کے خیالات سے اتفاق کا اظہار فرمایا، مزید برآں اسی بحث سے متعلق متعدد اہم امور کا انکشاف بھی فرمایا۔ قاضی صاحب نے نہ صرف مولانا اعظمی کے اس محاکے کو قبول کیا، بلکہ ''مآثر ومعارف'' میں اپنے مضمون کے ساتھ ساتھ مولانا اعظمی کی رائے کو بھی شائع کر دیا۔

اسلوبِ نگارش:

قاضی صاحب کی تحریر بڑی سادہ، بامحاورہ اور سلیس ہے، آپ خواہ عربی میں لکھیں یا ا..

میں اس قدر رواں اسلوب میں لکھتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو منشائے تحریر سمجھنے کے لیے کسی اضافی کاوش کی ضرورت نہیں پڑتی، وہ براہِ راست مفہوم سے آشنا ہوتا چلا جاتا ہے، آپ کا قلم غیر ضروری بسط و تفصیل کا قائل نہیں، طویل کلام سے جس کی افادیت بہت محدود ہوتی ہے وہ ہمیشہ محترز رہے، آپ الفاظ کا انبار جمع کرنے کے بجائے حقائق و معارف کے موتی چننے کے قائل ہیں، اس لیے آپ کی تحریر میں نہ اغلاق ہے نہ ابہام، بات براہِ راست کرتے ہیں اور اپنے مافی الضمیر کو قاری کے ذہن میں اتارتے چلے جاتے ہیں، اس بنا پر آپ کی تحریریں علمی شکوہ رکھنے کے باوجود نہایت سادہ زبان میں ہیں اور ہر شخص ان سے بہ سہولت استفادہ کرسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استاد عبدالقدوس الانصاری مدیر ''المنہل'' جدہ نے قاضی صاحب کی شہرۂ آفاق کتاب ''العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فی الهند من الصحابة والتابعین'' کے مقدمے میں ان کے اسلوب کو سہل ممتنع قرار دیا ہے۔

آپ کے کام کی اہمیت:

قاضی صاحب کے کام کی اہمیت کی متعدد جہات ہیں۔ آپ کا کام ان موضوعات پر ہے، جن پر ہمارے ہاں اس سے قبل یا تو کام سرے سے نہیں ہوا تھا، یا ہوا تھا تو نہ ہونے کے برابر تھا، پھر آپ کا کام بنیادی طور پر تحقیقی ہے، اور اسلامی موضوعات پر صحیح معنی میں تحقیقی اسلوب میں خدمات سرانجام دینا واقعتاً کار دارد ہے، اور جب مولانا قاضی اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کا کام معیار کے ساتھ ساتھ مقدار میں بھی وقیع نظر آتا ہے، تو ان کی خدمات کا صحیح معنی میں اندازہ ہوتا ہے، یہ محض جمع وتدوین کا کام نہیں تھا، نہ اس کی نوعیت کا تالیفی کام تھا کہ کسی موضوع پر دستیاب اور موجود مواد کو کسی خاص نہج اور ترتیب سے پیش کر دیا جائے، آپ کو تو اپنے کام کے لیے خام مال بھی زیادہ تر خود ہی مہیا کرنا تھا، اس لیے آپ کی راہ کی مشکلات دوچند تھیں، آپ نے اپنے لیے جو راہ چنی تھی، اس میں آرام وراحت کا سوال ہی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص کرم تھا کہ آپ اس راہ سے مرادنہ وار اور کامیابی کے ساتھ گزرنے میں کامیاب ہوگئے۔ اور آپ کی اسی محنت اور کاوش کا

نتیجہ ہے کہ آج آپ کا نام علمی وتحقیقی دنیا میں خاص اعزاز کا مستحق اور خصوصی احترام سے لیا جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب آپ کی کتابوں کی شہرت ہندوستان سے نکل کر عرب دنیا تک پہنچی تو اختلاف زبان نے جو دشواریاں پیدا کیں اہل علم نے انہیں دور کرنے کی کوششوں کا آغاز کر دیا، قاضی صاحب کی شاہکار کتابیں زیادہ تر اردو میں ہیں، لیکن یہ کتابیں جن موضوعات پر مشتمل ہیں ان کا تعلق عالم اسلام سے ہے، اس لیے یہ کتابیں پورے عالم اسلام کا ورثہ ہیں، اسی لیے عالم اسلام کے لیے کئی ایک علما نے جو اردو زبان سے بھی واقف تھے۔ آپ کی کتابوں کا مطالعہ کیا تو انہوں نے ایسا محسوس کیا کہ ان کو اپنی متاع گم شدہ ہاتھ آ گئی۔ پھر انہوں نے پہلی فرصت میں ان کو اردو سے عربی زبان میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔

مصر اسلامی علوم وفنون کا ہمیشہ ایک قابل اعتماد مرکز رہا، اور اب بھی ہے۔ اسی مصر کے ایک جلیل القدر عالم شیخ عبدالعزیز عزت نے جب قاضی صاحب کی بعض کتابوں کا مطالعہ کیا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے از خود قاضی صاحب کی دو کتابوں ''ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں''، ''عرب وہند عہد رسالت میں''، کو اردو سے عربی میں منتقل کیا اور بہت جلد طبع ہو کر مصر و حجاز میں عام ہو گئیں، اس طرح کی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

تصانیف وتراجم!

آپ نے مختلف موضوعات پر جن میں تاریخ کو خاص اہمیت حاصل ہے، بہت سی کتب تحریر فرمائیں، جن کی مفصل اور مکمل فہرست ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

(۱)......عرب وہند عہد رسالت میں: صفحات ۲۰۰

۱۹۶۵ء میں اس کا پہلا ایڈیشن ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کیا۔ اس کا عربی ترجمہ مصر کے مشہور عالم الدکتور عزت عبدالجلیل کے قلم سے ہوا۔ سندھ، پاکستان کی تنظیم فکر ونظر نے اس کا سندھی ترجمہ ۱۹۸۶ء میں شائع کیا۔ کراچی کے ایک ادارہ مکتبہ عارفین نے اس کا اُردو ایڈیشن شائع کیا۔

(۲)......ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں: صفحات ۳۴۰

اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۷ء میں ندوۃ المصنفین دہلی نے شائع کیا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مکتبہ

عارفین کراچی نے شائع کیا۔ تنظیم فکر ونظر سندھ پاکستان نے اس کا ایک اور ایڈیشن شائع کیا۔ دکتور عبدالعزیز عزت عبدالجلیل نے اس کا عربی ترجمہ ''الحکومات العربیۃ فی الھند والسند'' کے نام سے کیا اور اس کو اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے عربی مجلے الدراسات الاسلامیہ نے قسط وار شائع کیا۔ پھر مکتبہ آل یداللہ بکریہ ریاض نے اس کو کتابی شکل میں شائع کیا۔

(۳)......اسلامی ہند کی عظمت رفتہ: صفحات ۲۴۳

ندوۃ المصنفین دہلی سے ۱۹۶۹ء میں شائع ہوئی۔

(۴)......خلافت راشدہ اور ہندوستان: صفحات ۲۴۳

ندوۃ المصنفین دہلی نے اس کو شائع کیا۔ بعد میں تنظیم فکر ونظر سندھ پاکستان نے اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا۔

(۵)......خلافت عباسیہ اور ہندوستان: صفحات ۵۵۸

اس کا پہلا ایڈیشن دہلی سے ندوۃ المصنفین دہلی سے ۱۹۸۷ء میں شائع ہوا۔ پھر تنظیم فکر ونظر سندھ نے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔

(۶)......خلافت بنواُمیہ اور ہندوستان: صفحات ۶۷۱

ندوۃ المصنفین دہلی نے اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۵ء میں دہلی سے شائع کیا۔ پھر تنظیم فکر ونظر سندھ نے اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا۔

(۷)......دیار پورب میں علم اور علماء: صفحات ۴۸۲

یہ کتاب ندوۃ المصنفین دہلی سے پہلی بار ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔

(۸)......تذکرہ علمائے مبارکپور: صفحات ۱۹۲

اس کو دائرہ ملیہ مبارکپور نے ۱۹۷۴ء میں شائع کیا۔

(۹)......مآثر ومعارف: صفحات ۲۷۱

یہ کتاب ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہوئی۔

(۱۰)......آثار واخبار: صفحات ۱۵۰

ندوۃ المصنفین دہلی نے اس کو ۱۹۸۵ء میں شائع کیا۔

(۱۱)......تدوین سیر ومغازی: صفحات ۳۹۲

یہ کتاب شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی۔

(۱۲)......خیر القرون کی درسگاہیں: صفحات ۳۹۲

کتاب کا پورا نام ''خیر القرون کی درسگاہیں اور ان کا نظام تعلیم وتربیت'' ہے، اسے ۱۹۹۵ء میں شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے شائع کیا۔

(۱۳)......ائمہ اربعہ: صفحات ۲۵۵

اس کا پہلا ایڈیشن مکتبہ تنظیم اہلسنت لاہور نے ۱۹۴۶ء میں شائع کیا تھا۔ اس کو شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے ۱۹۸۹ء میں دوبارہ شائع کیا۔

(۱۴)......بناتِ اسلام کی علمی ودینی خدمات:

یہ کتاب بمبئی کے مشہور مطبع شرف الدین الکتبی واولادہ سے شائع ہوئی تھی، پھر اس کو دائرہ ملیہ مبارکپور کی طرف سے بھی شائع کیا گیا۔

(۱۵)......اسلامی نظام زندگی: صفحات ۲۵۶

اس کو الحاج عبداللہ سکری ابن حاجی احمد مکی نے رفاہ عام کے لیے ۱۹۹۰ء شائع کیا تھا۔

(۱۶)......افاداتِ حسن بصری: صفحات ۵۶

یہ کتابچہ دائرہ ملیہ مبارکپور نے ۱۹۵۰ء میں شائع کیا تھا۔

(۱۷)......مسلمان: صفحات ۶۴

یہ کتابچہ جمعیۃ المسلمین جنجیرہ بمبئی سے ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔

(۱۸)......الصالحات: صفحات ۶۴

یہ کتابچہ پہلی بار بمبئی سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا، دوبارہ انصار ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر اکیڈمی

نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔

(۱۹)......تبلیغی و تعلیمی سرگرمیاں عہد سلف میں: صفحات ۳۵

اس کو پہلی مرتبہ ۱۹۸۵ء میں مکتبۃ الحق جوگیشوری بمبئی نے شائع کیا تھا۔ دوبارہ شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔

(۲۰)......اسلامی شادی: صفحات ۳۵

یہ کتابچہ ۱۹۸۵ء میں مکتبۃ الحق جوگیشوری بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا۔

(۲۱)......معارف القرآن: صفحات ۱۵۰

یہ کتاب ایجنسی تاج کمپنی بمبئی نے ۱۹۵۶ء میں شائع کی۔

(۲۲)......طبقات الحجاج: صفحات ۱۹۵

اسے انجمن خدام النبی ابوصدیق مسافر خانہ بمبئی نے ۱۹۸۵ء میں شائع کیا تھا۔

(۲۳)......علی و حسینؓ: صفحات ۳۳۶

یہ کتاب ۱۹۶۰ء میں مکتبہ دائرہ ملیہ مبارکپور سے شائع ہوئی تھی۔ اب لاہور سے شائع ہو رہی ہے۔

(۲۴)......حج کے بعد: صفحات ۴۰

اس کتابچے کو انجمن خدام النبی بمبئی نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا تھا۔

(۲۵)......خواتین اسلام کی علمی و دینی خدمات:

یہ کتاب پہلے بنات اسلام کی علمی و دینی خدمات کے نام سے شائع ہو چکی تھی۔ بعد میں کچھ حک و اضافے کے بعد اسے شیخ الہند اکیڈمی دیوبند نے شائع کیا۔

(۲۶)......قاعدۂ بغدادی سے صحیح بخاری تک: صفحات ۵۶

یہ قاضی صاحب کی مختصر خودنوشت ہے۔ پہلے اس کو دائرہ ملیہ مبارکپور نے شائع کیا تھا، بعد میں مکتبہ صوت القرآن دیوبند نے دوسرا ایڈیشن شائع کیا۔

(۲۷)......رجال السند والہند: صفحات ۵۸۸

اسے پہلی بار محمد احمد میمن برادران بمبئی نے مطبع حجازیہ سے شائع کیا تھا، پھر اس کتاب میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا اور ۱۹۷۷ء میں دارالانصار قاہرہ (مصر) نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ اب یہی ایڈیشن حجاز و مصر اور پاکستان میں دستیاب ہے۔

(۲۸)......العقد الثمین: صفحات ۳۳۵

کتاب کا پورا نام "العقد الثمین فی فتوح الهند ومن ورد فیها من الصحابة والتابعین" ہے۔ پہلی بار ۱۹۶۸ء میں مولوی محمد بن غلام رسول سورتی نے بمبئی سے شائع کیا تھا۔ دوسری بار یہی کتاب دارالانصار قاہرہ (مصر) سے ۲۳۱ صفحات میں شائع ہوئی۔

(۲۹)......الہند فی عہد العباسیین: صفحات ۷۸

اس کو بھی دارالانصار قاہرہ نے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا۔

(۳۰)...... جواہر الاصول: صفحات ۱۶۰

کتاب کا پورا نام "جواہر الاصول فی علم حدیث الرسول" ہے۔ اس کے مصنف ابوالفیض محمد بن علی حنفی فارسی ہیں۔ اس مخطوطے کو قاضی صاحب نے تصحیح اور تحقیق کے بعد شرف الدین الکتبی واولادہ بمبئی سے شائع کروایا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن الدار السلفیہ بمبئی سے شائع ہوا۔ پھر اسے مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ نے بھی شائع کیا۔

(۳۱)......تاریخ اسماء الثقات: صفحات ۲۳۵

یہ کتاب ابن شاہین بغدادی کی تصنیف ہے اس کا ایک مخطوطہ جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے میں تھا، جس سے نقل لے کر قاضی صاحب نے شرف الدین الکتبی واولادہ بمبئی سے اس کو شائع کروایا۔ اس کی ابتدا میں قاضی صاحب نے ایک پر مغز مقدمہ لکھا ہے۔

(۳۲)......دیوان احمد:

یہ قاضی صاحب کے نانا مولانا احمد حسین صاحب رسول پوری کی عربی نظموں کا مجموعہ ہے، جس کو قاضی صاحب نے مدون کر کے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا۔

(۳۳)...... مسلمانوں کے ہر طبقے میں علم وعلماء: صفحات ۳۰۰

یہ کتاب قاضی صاحب کی وفات کے بعد شائع ہوئی۔

(۳۴)...... مئے طہور:

یہ کتاب قاضی صاحب کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ، جسے وہ مئے طہور کے نام سے مرتب کر کے اس پر مقدمہ لکھ چکے تھے، مگر پریس کو نہیں دے سکے۔

(۳۵)...... سیرت رسول خود حضور ﷺ کی زبانی:

اس عنوان پر کام کر رہے تھے، جو نامکمل ہے۔

(۳۶)...... منتخب التفاسیر:

قاضی صاحب نے اس نام سے اپنے قیام لاہور کے دوران ایک تفسیر مرتب کی تھی، جو طبع نہ ہو سکی اور حوادثِ زمانہ کی نذر ہو گئی۔

(۳۷)...... علماء اسلام کی خونیں داستانیں:

یہ کتاب بھی آپ نے ابتدائی ایام میں مرتب کر کے دانش بکڈپو۔ لاہور کو اشاعت کی غرض سے دی تھی، مگر یہ بھی تقسیم ملک کی نذر ہو گئی۔

قاضی صاحب اور تدوین سیر ومغازی

مولانا قاضی اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی اہم اور معرکۃ الآرا کتاب ''تدوین سیر ومغازی'' ہے، اور بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر اردو زبان میں پہلی کتاب ہے، کسی فن کی ایجاد ایک تدریجی عمل ہے، جب اس کی بنیاد پڑتی ہے تو کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کسی نئے فن کا آغاز ہو رہا ہے، اسی لیے تاریخ میں اس فن کے اجزا الگ الگ سیکڑوں کتابوں میں بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، اس لیے کسی بھی فن کی ابتدائی کڑیوں کو تلاش کرنا اور ان کو جوڑ کر اس کی تاریخ مرتب کرنا وقت طلب کام ہے، فن سیر ومغازی مسلمانوں کا ایجاد کردہ ایک خاص فن ہے۔ اور اساطین امت نے اس فن کی بڑی خدمت کی ہے اسلامی تہذیب وتمدن کی کئی ایک

بنیادیں اسی فن کی تفصیلات سے وابستہ ہیں، اس فن کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ پھر یہ فن باقاعدہ کب مرتب ہوا؟ اس دقیق ترین بحث کو قاضی صاحب نے اپنی اس کتاب تدوین سیر و مغازی کا موضوع بنایا ہے اور حق یہ ہے کہ اس کا سراغ لگانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے، کتاب کے مطالعے سے مصنف کی جدوجہد، مشکلات اور ان کی وسعت نظری کا پتہ چلتا ہے، اسی بنا پر یہ کتاب قاضی صاحب کے علمی شاہکاروں میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ قاضی صاحب میں اس کتاب کے لکھنے کا داعیہ مشہور جرمن مستشرق پروفیسر جوزف ہوروِتس کی کتاب پڑھ کر پیدا ہوا، یہ کتاب جرمن میں تھی، اس کا عربی ترجمہ حسین نصار نے المغازی الاولی ومؤلفوھا کے نام سے کیا، عربی سے اس کتاب کو پروفیسر نثار احمد فاروقی نے اردو میں منتقل کیا اور اس کا نام ''سیرۃ نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین'' رکھا۔ قاضی صاحب کے سامنے ہوروِتس کی کتاب کا یہی اردو ترجمہ تھا۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد قاضی صاحب تدوین سیر و مغازی کی تالیف میں مشغول ہو گئے۔ اس کتاب کے مقدمے میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ اس کی تحریر و تسوید میں آٹھ سال کی مدت صرف ہوئی، بعض موانع اور مشغولیات سے قطع نظر زیادہ وقت صرف ہونے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ قاضی صاحب رواروی اور عجلت میں کام کرنے کے عادی نہ تھے۔ آپ اپنے موضوع کے اصول و فروع پر حاوی ہوئے بغیر قلم اٹھانا پسند نہیں فرماتے تھے، اور اصل ماخذ کو سامنے رکھنا نہایت ضروری خیال کرتے تھے۔

''تدوین سیر مغازی'' پانچ ابواب میں منقسم ہے، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

پہلے باب میں سب سے پہلے قاضی صاحب نے سیر و مغازی کا لغوی، اصطلاحی مفہوم واضح کیا ہے۔ پھر اصحاب المغازی اور اصحاب الحدیث کا فرق بیان کیا ہے اور ان کے معیارِ روایت کو متعین کیا ہے اور مغازی کے خاص راویوں کا بسط و تفصیل سے تذکرہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ عرب دور جاہلیت ہی سے اپنے ایام و وقائع کا تذکرہ بطور مفاخرت کیا کرتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد غزوات و سرایا کے ذکر نے اس کی جگہ لے لی اور ان غزوات و سرایا کا تذکرہ گھر گھر ہونے لگا، جس کے سبب اس فن نے خوب فروغ پایا۔

اس باب میں قاضی صاحب نے آنحضرت ﷺ کے تمام غزوات وسرایا کا اجمالی نقشہ بھی دیا ہے، جس میں ۲۷ غزوات اور ۵۷ سرایا ہیں اور اس میں جدول بنا کر سریے کا نام، وقوع، تعداد شرکا اور اس کی مختصر کیفیت کو بیان کیا ہے۔

دوسرا باب ''سیر و مغازی کا تحریری سرمایہ'' ہے۔ اس میں قاضی صاحب نے سیر و مغازی کے دو تحریری سرمایوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱)۔ قرآنِ کریم۔ (۲) عہد نبوی کی یادگار تحریریں۔ قرآنِ کریم کی سورتوں کی طرف آپ نے اجمالی اشارہ فرما دیا ہے کہ کن کن غزوات کا ذکر کن کن سورتوں میں ہوا ہے۔ جبکہ یادگار تحریروں میں سے سولہ تحریروں کا ذکر کیا ہے جن میں سے بعض قدرے مفصل ہیں اور بعض مختصر ہیں۔

تیسرا باب ''تدوین سیر و مغازی کی ابتدا'' ہے۔ اس میں آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پہلی صدی ہجری کے نصف آخر ہی میں عروہ بن الزبیر، ابان بن سعید بن العاص اور ابن شہاب زہری نے اپنی اپنی کتابوں کو مدوّن کر دیا تھا، مگر کچھ ناموافق حالات کی وجہ سے وہ زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں، مگر ان کے شاگردوں نے **ھذہ مغازی رسول اللہ ﷺ یا من مغازی عروۃ بن الزوبیر، یا عن ابان بن عثمان فی غزواتہ** جیسے الفاظ ذکر کر کے جو تفصیلی واقعات بیان کیے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اپنی اپنی کتابیں مدون کر دی تھیں۔

باب چہارم مختلف شہروں کے علمائے سیر و مغازی اور مصنفین کے تعارف پر مشتمل ہے، اس باب میں کوفے کے نو مصنفین کے حالات، بصرے کے سات، واسط کے ایک مصنف کا تعارف، بغداد کے دس علمائے سیر و مغازی اور ان کی تصنیفات کا بیان، ان ستائیس علما کے علاوہ رے، مرو، بیہق، نیشاپور، جزیرہ، صنعا، دمشق، شام، مصر اور اندلس کے علمائے کبار اور مغازی و سیر میں ان کی قیمتی تصانیف کا تعارف پیش کیا گیا ہے، درحقیقت یہ باب پوری کتاب کی جان ہے۔

باب پنجم میں سیر کی فقہی تدوین کا ذکر ہے جس میں امام محمد بن حسن شیبانی کی مشہور کتابوں السیر الصغیر اور السیر الکبیر اور حسن بن زیاد لولوئی کی کتاب السیر، محمد بن عمر واقدی کی کتاب السیر

بنیادیں اسی فن کی تفصیلات سے وابستہ ہیں، اس فن کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟ پھر یہ فن باقاعدہ کب مرتب ہوا؟ اس دقیق ترین بحث کو قاضی صاحب نے اپنی اس کتاب تدوین سیر و مغازی کا موضوع بنایا ہے اور حق یہ ہے کہ اس کا سراغ لگانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کی ہے، کتاب کے مطالعے سے مصنف کی جدوجہد، مشکلات اور ان کی وسعت نظری کا پتہ چلتا ہے، اسی بنا پر یہ کتاب قاضی صاحب کے علمی شاہکاروں میں شمار کیے جانے کے لائق ہے۔ قاضی صاحب میں اس کتاب کے لکھنے کا داعیہ مشہور جرمن مستشرق پروفیسر جوزف ہوروِتس کی کتاب پڑھ کر پیدا ہوا، یہ کتاب جرمن میں تھی، اس کا عربی ترجمہ حسین نصار نے المغازی الاولی ومؤلفوھا کے نام سے کیا، عربی سے اس کتاب کو پروفیسر نثار احمد فاروقی نے اردو میں منتقل کیا اور اس کا نام ''سیرۃ نبوی کی ابتدائی کتابیں اور ان کے مؤلفین'' رکھا۔ قاضی صاحب کے سامنے ہوروِتس کی کتاب کا یہی اردو ترجمہ تھا۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد قاضی صاحب تدوین سیر و مغازی کی تالیف میں مشغول ہوگئے۔ اس کتاب کے مقدمے میں انہوں نے تصریح کی ہے کہ اس کی تحریر و تسوید میں آٹھ سال کی مدت صرف ہوئی، بعض موانع اور مشغولیات سے قطع نظر زیادہ وقت صرف ہونے کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ قاضی صاحب رواروی اور عجلت میں کام کرنے کے عادی نہ تھے۔ آپ اپنے موضوع کے اصول و فروع پر حاوی ہوئے بغیر قلم اٹھانا پسند نہیں فرماتے تھے، اور اصل ماخذ کو سامنے رکھنا نہایت ضروری خیال کرتے تھے۔

''تدوین سیر مغازی'' پانچ ابواب میں منقسم ہے، جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

پہلے باب میں سب سے پہلے قاضی صاحب نے سیر و مغازی کا لغوی و اصطلاحی مفہوم واضح کیا ہے۔ پھر اصحاب المغازی اور اصحاب الحدیث کا فرق بیان کیا ہے اور ان کے معیارِ روایت کو متعین کیا ہے اور مغازی کے خاص راویوں کا بسط و تفصیل سے تذکرہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ عرب دور جاہلیت ہی سے اپنے ایام و وقائع کا تذکرہ بطور مفاخرت کیا کرتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد غزوات و سرایا کے ذکر نے اس کی جگہ لے لی اور ان غزوات و سرایا کا تذکرہ گھر گھر ہونے لگا، جس کے سبب اس فن نے خوب فروغ پایا۔

اس باب میں قاضی صاحب نے آنحضرت ﷺ کے تمام غزوات وسرایا کا اجمالی نقشہ بھی دیا ہے، جس میں ۲۷ غزوات اور ۷۵ سرایا ہیں اور اس میں جدول بنا کر سریے کا نام، وقوع، تعداد شرکا اور اس کی مختصر کیفیت کو بیان کیا ہے۔

دوسرا باب ''سیر ومغازی کا تحریری سرمایہ'' ہے۔ اس میں قاضی صاحب نے سیر ومغازی کے دو تحریری سرمایوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱) ۔قرآنِ کریم۔ (۲) عہد نبوی کی یادگار تحریریں۔ قرآنِ کریم کی سورتوں کی طرف آپ نے اجمالی اشارہ فرمادیا ہے کہ کن کن غزوات کا ذکر کن کن سورتوں میں ہوا ہے۔ جبکہ یادگار تحریروں میں سے سولہ تحریروں کا ذکر کیا ہے جن میں سے بعض قدرے مفصل ہیں اور بعض مختصر ہیں۔

تیسرا باب ''تدوین سیر ومغازی کی ابتدا'' ہے۔ اس میں آپ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پہلی صدی ہجری کے نصف آخر ہی میں عروہ بن الزبیر، ابان بن سعید بن العاص اور ابن شہاب زہری نے اپنی اپنی کتابوں کو مدوّن کر دیا تھا، مگر کچھ ناموافق حالات کی وجہ سے وہ زمانے کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکیں، مگر ان کے شاگردوں نے هذه مغازی رسول الله ﷺ یامن مغازی عروة بن الزوبیر، یاعن ابان بن عثمان فی غزواته جیسے الفاظ ذکر کر کے جو تفصیلی واقعات بیان کیے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات نے اپنی اپنی کتابیں مدون کردی تھیں۔

باب چہارم مختلف شہروں کے علمائے سیر ومغازی اور مصنفین کے تعارف پر مشتمل ہے، اس باب میں کوفے کے نو مصنفین کے حالات، بصرے کے سات، واسط کے ایک مصنف کا تعارف، بغداد کے دس علمائے سیر ومغازی اور ان کی تصنیفات کا بیان، ان ستائیس علما کے علاوہ رے، مرو، بیہق، نیشاپور، جزیرہ، صنعا، دمشق، شام، مصر اور اندلس کے علمائے کبار اور مغازی وسیر میں ان کی قیمتی تصانیف کا تعارف پیش کیا گیا ہے، درحقیقت یہ باب پوری کتاب کی جان ہے۔

باب پنجم میں سیر کی فقہی تدوین کا ذکر ہے جس میں امام محمد بن حسن شیبانی کی مشہور کتابوں السیر الصغیر اور السیر الکبیر اور حسن بن زیاد لولوئی کی کتاب السیر، محمد بن عمرو اقدی کی کتاب السیر

کا تعارف ہے، ان کے علاوہ داود بن علی اصفہانی، صالح بن اسحاق جرمی، محمد بن سحنون تنوخی اندلسی وغیرہ رحمہم اللہ اور ان کی کتب سیرت کے بارے میں تفصیلات اس باب کا حصہ ہیں۔

اس طرح یہ کتاب فن سیر مغازی کے بارے میں ہمیں بنیادی، اہم اور ضروری معلومات فراہم کرتی ہے، اور کہا جا سکتا ہے کہ اس موضوع پر اب تک اس سے بہتر کتاب نہ صرف یہ کہ اردو زبان میں موجود نہیں ہے بلکہ عربی میں بھی اس کی مثال موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری رحمہ اللہ کی اس بلند پایہ تحقیق کو قبول فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اس سے استفادہ کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین۔

(مولانا اسیر ادروی کی زیر ادارت جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب بنارس، انڈیا سے شائع ہونے والے سہ ماہی مجلے ''ترجمان الاسلام'' کی اکتوبر ۱۹۹۶ء تا مارچ ۱۹۹۷ء (شمارہ ۲۸، ۲۹) کی اشاعت کو مؤرخ اسلام مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نمبر کے طور پر پیش کیا گیا تھا، یہ مضمون اسی سے مستفاد ہے۔)
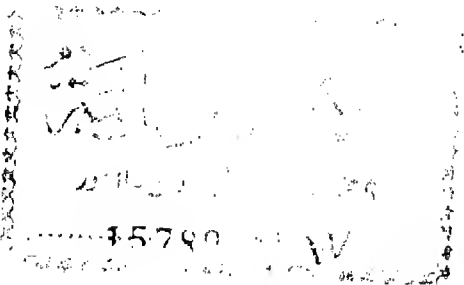
ہماری دیگر کتابیں

علامہ شبلی نعمانیؒ کی قرآن فہمی	ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی
مقصدِ زندگی	الفرڈ ایڈلر
ہندو علماء و مفکرین کی قرآنی خدمات	اورنگ زیب اعظمی
ارمغانِ عروض	کندن لال کندن
مصطلحاتِ ٹھگی	علی اکبر الہ آبادی ۔ مرتب: رشید حسن خاں
اُردو ادب کی تنقیدی تاریخ	سید احتشام حسین
صحتِ الفاظ	سید بدر الحسن
دلی کی چند عجیب ہستیاں	اشرف صبوحی
عالمِ اسلام کی اخلاقی صورتِ حال	اسرار عالم
مجتبیٰ حسین کی بہترین تحریریں (مکمل دو جلدوں کا سیٹ)	مرتب: حسن چشتی